حامد حسن قادری کی علمی اور ادبی خدمات

تلخیص

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی

مقالہ نگار

ضیاء فاطمہ

نگراں

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی

شعبۂ اردو

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

سنہ ۲۰۰۷ء

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

تلخیص

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

حامد حسن قادری کا شمار اردو ادب کے اہم مورخین میں ہوتا ہے۔ ان کی ادبی خدمات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مورخِ ادب ہی نہیں، مترجم، ناقد اور شاعر بھی تھے۔ ان کی تحریری صلاحیتیں کم عمری میں ہی ظاہر ہونے لگی تھیں۔

ان کے والد تاریخ گوئی کا شوق رکھتے تھے۔ حامد حسن قادری نے ان سے تاریخ گوئی کا فن سیکھا۔ دورِ طالب علمی سے حامد حسن قادری کی نظمیں، غزلیں اور مضامین رسالوں میں چھپنے لگے تھے۔ ان کی نظمیں مقبرۂ اکبر، حسن قدرت، وطن کی حالت، شادی وغم، مناجات، سیلاب، راحتِ مرگ، عورت، دردِ دل، انتہائے عشق، یاد ہند، آفتاب و ماہتاب اور مآل عشق وغیرہ زمانہ طالب علمی کی یادگار ہیں۔ بعد میں درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہونے کی وجہ سے ان کا ادبی ذوق نکھرتا چلا گیا۔

انھوں نے ۱۹۱۰ء میں ریزیڈنسی ہائی اسکول اندور چھاؤنی سے فارسی اور اردو کے استاد کی حیثیت سے اپنی ملازمت کی ابتدا کی۔ اسکول کے طالب علموں کو اردو، فارسی کے علاوہ انگریزی بھی پڑھانے کی ذمّے داری ان کے سپرد ہوئی، لیکن وہ اس ملازمت کو زیادہ دنوں تک جاری نہ رکھ سکے۔ انھوں نے ملازمت چھوڑ کر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۱۱ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال وہ خان بہادر عادل جی پٹن جی زودشتی ہائی اسکول مہو چھاؤنی میں بہ حیثیت ہیڈ مولوی ملازم ہوگئے۔ ایک سال پانچ ماہ یہاں رہنے کے بعد نومبر ۱۹۱۲ء سے دسمبر ۱۹۱۳ء تک اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ میں اردو فارسی کے استاد رہے۔ جنوری ۱۹۱۴ء میں حامد حسن قادری کا تقرر عربی، فارسی اور اردو کے لکچرر کی حیثیت سے بڑودہ کالج میں ہوگیا۔ اسی سال ان کی شادی ان کے منجھلے ماموں مولوی نصیر عالم چشتی کی صاحب زادی سائرہ خاتون سے ہوئی۔

بڑودہ کالج کی ملازمت کے دوران حامد حسن قادری نے ایک انگریزی کتاب "The Oriental Rhetoric" مرتب کی اور ۱۹۱۵ء میں انھوں نے اپنا پہلا تنقیدی مضمون لکھا۔ علالت کی وجہ سے ۱۹۱۷ء میں انھوں نے ملازمت ترک کردی اور اپنی صحت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسی سال یعنی ۱۹۱۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

میں ان کا انتخاب مولوی حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور میں ہوا اور ساتھ ہی ان کے چھوٹے بھائی عابد حسن فریدی کا تقرر بہ حیثیت ہیڈ مولوی ہوا۔

۱۹۱۸ء میں حامد حسن قادری نے بچوں کے لیے ۱۴ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ''سعید'' جاری کیا۔ اس کے چند شمارے ''اخبار سعید'' کے نام سے بھی شائع ہوئے۔ یہ رسالہ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۴ء تک برابر شائع ہوتا رہا۔

۱۹۲۰ء میں انھوں نے بچوں کے لیے کئی کتابیں ''پھولوں کی ڈالی، ہمت کا پھل اور گدڑی کا لال'' لکھیں۔ یہ کتابیں سعید پریس کانپور سے شائع ہوئیں۔

۱۹۲۱ء میں ''الکحل اور زندگی'' لکھی۔ اسی سال بنگال کے مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کی کتاب "The Gardenes" کا اردو نثر میں ترجمہ ''باغباں'' کے نام سے کیا۔ یہ کتاب کلکتہ کے میکملن اینڈ کمپنی لمیٹڈ کے زیر نگرانی شائع ہوئی۔

۱۹۲۲ء میں ''کاغذ کے کھلونے'' لکھی۔ یہ کتاب بھی سعید پریس کانپور سے شائع ہوئی۔

۱۹۲۴ء میں انھوں نے چار کتابیں ''ہلالِ اردو، جمالِ اردو، ماہِ اردو اور نہالِ اردو'' لکھیں۔ یہ کتابیں الٰہ آباد سے شائع ہوئیں۔

آٹھ سال کانپور میں رہنے کے بعد ۱۹۲۵ء میں حامد حسن قادری کا تقرر بہ حیثیت لکچرر سینٹ جانس کالج آگرہ میں ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں انھوں نے سائنسی موضوعات پر مضامین لکھے۔

۱۹۲۶ء میں حامد حسن قادری نے کرسچین دی لارسن کی کتاب ''دی سائنٹفک ٹریننگ آف چلڈرن'' کا ترجمہ ''فطرت اطفال'' کے نام سے کیا۔ یہ کتاب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے شائع ہوئی۔

۱۹۲۷ء میں ان کی دو کتابیں ''مرآت شعر و سخن'' اور ''ترانہ ہند'' سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئیں۔

۱۹۲۹ء میں ابوسعید ابوالخیر کی سو رباعیوں کا اردو ترجمہ ''خزانۂ رباعیات'' کے عنوان سے کیا۔ یہ رباعیاں پہلی بار رسالہ ''زمانہ'' کانپور میں شائع ہوئیں اور مدتوں بعد ۱۹۹۰ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔

۱۹۳۰ء میں حامد حسن قادری نے اپنی نعتیہ غزلوں کا مجموعہ مرتب کیا اور اس کا نام ''بیاض نعتیہ''

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رکھا۔ یہ کتاب قادری اکیڈمی کراچی، پاکستان سے شائع ہوئی۔

۱۹۳۳ء میں انھوں نے اپنی غزلوں کا مجموعہ ''مرآت سخن دیوان غزلیات'' مرتب کیا۔ یہ کتاب قادری اکیڈمی کراچی سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔

۱۹۳۴ء میں ان کی کتابیں ''کمالِ داغ مقدمہ وتنقید، مختصر تاریخ مرثیہ گوئی اور شاہکار انیس'' آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئیں۔

۱۹۳۵ء میں دو کتابیں ''خم کدۂ رباعیات'' اور ''بہارِ انتخابِ کلام بیدل'' مرتب کیں۔

۱۹۳۶ء میں ''چمنستانِ اردو'' لکھی۔ یہ کتاب آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئی۔

۱۹۳۷ء میں ''خلاصۂ تاریخ'' اور ''گنجینۂ تواریخ'' مرتب کیں۔ یہ لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں منظر عام پر آئیں۔

۱۹۳۸ء میں ''تاریخ وتنقید ادبیاتِ اردو'' اور ''چمنستانِ نثر'' لکھی۔ یہ دونوں کتابیں بھی آگرہ اخبار پریس سے شائع ہوئیں۔

۱۹۴۱ء میں ان کی مشہور کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' آگرہ سے شائع ہوئی۔

۱۹۴۴ء میں حامد حسن قادری کی چار کتابیں ''صید و صیاد اور دوسرے افسانے، رموزِ خط شکست، چمنستانِ ادب اور ایرانی افسانے'' آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئیں۔ ایرانی افسانے سعید نفیسی کے طنزیہ اور مزاحیہ ڈراموں، خاکوں اور افسانوں کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۹۴۵ء میں حامد حسن قادری سینٹ جانس کالج آگرہ میں صدر شعبہ اردو اور فارسی ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں انھوں نے ایران کے مشہور تمثیل نگار سلیمان حئیم کے ڈرامے ''یوسف و زلیخا'' کا اردو ترجمہ اسی نام سے کیا۔ یہ کتاب بھارت آفسیٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔

۱۹۵۰ء میں حامد حسن قادری نے چار ہزار تاریخی قطعات پر مشتمل چھ مجموعے مرتب کیے جو ''دفتر التواریخ، میزان التواریخ، آثار التواریخ، جامع التواریخ، تحفۂ کرامات: مجمع الکرامات اور سفینۂ تواریخ کے نام سے بعد میں شائع ہوئے۔

انھوں نے ۱۹۵۱ء میں ''جج اکبر: انتخاب اکبر الٰہ آبادی'' مرتب کی۔ یہ کتاب ۲۰۰۲ء میں لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ان کی کتاب ''انتخابِ دیوانِ مومن مع شرح وتنقید'' ۱۹۵۴ء میں سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

انھوں نے ۱۹۵۷ء میں اسٹیرلنگ نارتھ Sterling Narth کی مشہور کتاب "A.B.E. Lincoln log cabin to white house" کا ترجمہ ''ابراہام لنکن: جھونپڑی سے ایوانِ صدر تک'' کے عنوان سے کیا۔ یہ کتاب دفتر پنجاب اردو مرکز لاہور انجمن پریس کراچی سے شائع ہوئی۔

حامد حسن قادری کی مرتب کردہ کتاب ''پھولوں کی ڈالی'' ان کے بیٹے ڈاکٹر خالد حسن قادری کی نگرانی میں ۱۹۶۸ء میں قادری اکیڈمی کراچی سے شائع ہوئی۔

۱۹۹۵ء میں حامد حسن قادری کی سو رباعیات اور قطعات کا مجموعہ ''گل صد برگ'' ماجد حسن فریدی کی نگرانی میں قادری اکیڈمی کراچی سے شائع ہوا۔

حامد حسن قادری کے خطوط کا پہلا مجموعہ ''مکتوبات قادری'' کے عنوان سے ڈاکٹر خالد حسن قادری نے ۱۹۹۹ء میں مرتب کیا۔ یہ کتاب فرید آرٹ پریس کراچی سے شائع ہوئی۔ دوسرا مجموعہ بھی اسی سال یعنی ۱۹۹۹ء میں ''خطوطِ قادری'' کے نام سے فرید آرٹ پریس کراچی سے شائع ہوا۔

۲۰۰۰ء میں حامد حسن قادری کی کتاب ''سفینۂ تواریخ'' لبرٹی آرٹ پریس (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

۲۰۰۱ء میں حامد حسن قادری کی کتاب ''غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین'' ادارۂ یادگارِ غالب کراچی سے شائع ہوئی۔

۲۰۰۳ء میں حامد حسن قادری کے مقالات کا مجموعہ ''ادبی مقالات'' کے نام سے لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوا۔ مقالات کا دوسرا مجموعہ ''مقالات قادری'' کے عنوان سے زیرِ طبع ہے۔

۲۰۰۳ء میں حامد حسن قادری کی ایک انگریزی کتاب "The Oriantal Rheteric" کے نام سے بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

۲۰۰۴ء میں ان کی نظموں اور مضامین کا مجموعہ ''سفینۂ نثر و نظم'' بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوا۔

۲۰۰۶ء میں ان کی مرتب کردہ دو کتابیں ''نوادر منتخبہ'' اور ''مثنوی نمونۂ عبرت'' افضال الرحمٰن صاحب

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کی نگرانی میں بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

''خطوطِ قادری'' میں درج اطلاع کے مطابق حامد حسن قادری کی تین کتابیں ''انتخابِ کلامِ بیدل عظیم آبادی، مضامین قادری اور ابتدائی نگارشات: مجموعہ مضامین'' زیرِ طبع ہیں۔ ان کے علاوہ حسب ذیل کتابیں غیر مطبوعہ ہیں:

(۱) انتخابِ راز رامپوری

(۲) انتخابِ رسا رامپوری

(۳) انتخابِ دیوانِ غالب (اردو)

(۴) انتخابِ دیوانِ غالب (فارسی)

(۵) انتخابِ مرزا بیدل

(۶) انتخابِ میر درد

(۷) اسبق الظفر

(۸) تصویر التواریخ

(۹) جلوہ گاہِ تضمین

(۱۰) تذکرہ وتبصرہ

(۱۱) تنقیدات پر ایک نظر

(۱۲) جواہر شناسی اور دوسرے افسانے

(۱۳) کنز الکرامات

(۱۴) شجرۃ الاولیاء

(۱۵) شجرۃ الانبیاء

مقالے کے باب اول میں حامد حسن قادری کے حالاتِ زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مذکورہ بالا کتابوں کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' کا شمار اردو کی اہم ادبی تاریخوں میں کیا جاتا ہے۔ دوسرے باب میں بہ حیثیت مورخِ ادب ان کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور اردو کی دوسری تاریخوں کا

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

بھی ذکر کیا گیا ہے مثلاً محمد حسین آزاد کی ''آب حیات'' ۱۹۰۷ء میں لکھی گئی۔ اس کتاب کو بعض نقادوں نے جدید طرز کا تذکرہ اور بعض نے ادبی تاریخ کا اولین نمونہ کہا ہے۔

نصیر حسین خاں خیال کی کتاب ''داستانِ اردو'' ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں انھوں نے آرین اور نو آرین کی مختصر تاریخ کے علاوہ اکبر سے لے کر فورٹ ولیم کالج کے قیام تک مختلف شاعروں کا ذکر کیا ہے۔

سید نصیر الدین ہاشمی کی کتاب ''دکن میں اردو'' ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں دکنی ادب اور شعرا کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مولوی محمد یحییٰ تنہا کی ''سیر المصنفین'' دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں جلدیں اردو نثر کی تاریخ ہیں۔ پہلی جلد دو ادوار میں منقسم ہے۔ پہلا دور ۱۷۹۸ء سے ۱۸۳۶ء تک، دوسرا دور ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۷ء تک پھیلا ہوا ہے اور دوسری جلد میں تیسرا دور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک، چوتھا دور ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۴ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کتاب کی ابتدا اردو کے آغاز و ارتقا کے مختلف نظریات سے کی گئی ہے۔ تنہا نے اردو رسم خط سے بحث کرتے ہوئے اردو کے موجودہ رسم خط کی وکالت کی ہے۔

حکیم سید شمس اللہ قادری کی کتاب ''اردوئے قدیم'' پہلی بار ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۶۰ صفحات کے اضافے کے بعد منشی نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس کتاب میں عادل شاہی، قطب شاہی اور مغلیہ دور کے دس شاعروں کے تذکرے ہیں۔ مرتّب نے اردو کے آغاز و ارتقا سے بحث کرتے ہوئے محمد حسین آزاد کے خیال سے اتفاق کیا ہے کہ اردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔ شمس اللہ قادری نے گولکنڈہ، بیجاپور، اورنگ آباد کے شاعروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اردو ادب کے مصنفین کی مختصر تاریخ ہے۔

۱۹۲۶ء میں مولوی محمد عبد الرحمٰن کی کتاب ''مراۃ الشعراء'' پہلی بار دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب پانچ ادوار پر مشتمل ہے اور ہر دور کے دو طبقے ہیں۔

پہلا دور: ۱۷۰۰ء سے ۱۷۳۹ء تک ہے۔

پہلا طبقہ: ولی سے احسن تک

دوسرا طبقہ: میراجی یعقوب

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

دوسرا دور: ۱۷۳۹ء سے ۱۷۶۱ء تک

پہلا طبقہ: حاتم سے فغاں تک

دوسرا طبقہ: یقین سے مخلص تک

تیسرا دور: ۱۷۶۱ء سے ۱۸۰۰ء تک

پہلا طبقہ: درد سے میر تقی میر تک

دوسرا طبقہ: ہدایت سے بیدار تک

چوتھا دور: ۱۸۰۰ء سے ۱۸۳۸ء تک

پہلا طبقہ: حسن سے نظیر تک

دوسرا طبقہ: حسرت سے جوش تک

پانچواں دور: ۱۸۳۰ء سے ۱۸۷۰ء

پہلا طبقہ: ناسخ سے دبیر تک

دوسرا طبقہ: وزیر سے شیفتہ تک

سید محمد کی ''ارباب نثر اردو'' ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دکن کی قدیم کتابوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے اور فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کے حالاتِ زندگی اور ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

رام بابو سکسینہ کی انگریزی کتاب ''ہسٹری آف اردو لٹریچر'' (History of urdu literature) کا اردو ترجمہ مرزا محمد عسکری نے ''تاریخ ادب اردو'' کے نام سے کیا تھا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اردو کی ابتدا، رسم الخط، اردو ادب کی ترقی اور تبدیلیاں، اردو شاعری کی عام خصوصیات، اصناف سخن، دکن کے شعرا، لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار، نظیر کی نظم نگاری، ذوق اور غالب کی شاعری، اردو نثر کی ابتدا اور ارتقا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

احسن مارہروی کی کتاب ''تاریخ نثر اردو و نمونہ منثورات'' مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۶۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور چھ ادوار میں منقسم ہے، ہر دور سو سال کو محیط ہے۔

پہلا دور: ۱۳۹۸ء سے ۱۴۹۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

دوسرا دور: ۱۴۹۵ء سے ۱۵۹۲ء

تیسرا دور: ۱۵۹۳ء سے ۱۶۸۹ء

چوتھا دور: ۱۶۸۹ء سے ۱۷۸۶ء

پانچواں دور: ۱۷۸۷ء سے ۱۸۸۳ء

چھٹا دور: ۱۸۸۴ء سے ۱۹۳۰ء

اس کتاب میں مذہبی، اخلاقی، سیاسی، قانونی، دفتری، اخباری، تقریری اور اشتہاری نثر کے نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں اور اردو نثر کا عہد بہ عہد جائزہ لیا گیا ہے۔

آغا محمد باقر کی کتاب ''تاریخِ نظم و نثر اردو'' امرت سر کے راما آرٹ پریس سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۳۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں تاریخ نظم اردو اور دوسرے حصے میں تاریخ نثر اردو رقم کی گئی ہے۔ اس کے پہلے حصے میں اردو زبان کے آغاز و ارتقا، اردو شاعری کی عام خصوصیات اور قلی قطب شاہ سے علامہ اقبال تک کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ پانچ ادوار میں پھیلا ہوا ہے۔

پہلا دور: اردو نثر کی ابتدا

دوسرا دور: نثر اردو کا دورِ متوسط اور جدید

تیسرا دور: اردو ناول کی ابتدا

چوتھا دور: اردو ڈرامے کی ابتدا اور

پانچواں دور: اردو زبان کی خاص خوبیاں

تاریخِ ادب کی یہ وہ کتابیں ہیں جو حامد حسن قادری کی ادبی تاریخوں سے قبل منظرِ عام پر آ چکی تھیں۔ لیکن ان کا دائرہ محدود تھا۔ حامد حسن قادری کا کام معیار اور مواد دونوں لحاظ سے بہتر ہے۔

حامد حسن قادری نے اردو ادب کی تاریخ سے متعلق تین کتابیں لکھی ہیں۔ پہلی کتاب ''تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو'' دوسری کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' اور تیسری کتاب ''خلاصہ تاریخ'' ہے۔

''تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو'' پہلی بار جنوری ۱۹۳۹ء میں لکشمی نرائن اگروال پبلشر آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۴۲ صفحات کا مقدمہ ''مسئلہ زبانِ اردو'' کے عنوان سے

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ہے اور دس مضامین شامل ہیں۔ آخر میں خلاصۂ تاریخ کے عنوان سے پانچ صفحات میں عہد بہ عہد اردو کے ارتقا کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں شامل مضامین درج ذیل ہیں۔ مسئلہ زبانِ اردو، رفتار اردو نثر، رفتار اردو نظم، شاعری کے اسکول (دلی اسکول، لکھنؤ اسکول اور جدید اسکول)، نقد و نظم اردو (اصنافِ شاعری کی مختصر تاریخ: غزل کی تاریخ، مرثیہ کی تاریخ، مثنوی کی تاریخ، رباعی کی تاریخ، جدید اسکول کی شاعری، تنقید غزلِ جدید، شاد عظیم آبادی، حسرت موہانی، فانی بدایونی، عزیز لکھنوی اور شاعر کا رنگ)، غالب، مومن، ذوق، سخن فہمی، توارد و سرقہ، ہمارے مشاعرے اور خلاصۂ تاریخ اردو وغیرہ۔ ان کے علاوہ اس کتاب میں ڈاکٹر گستاولی کا پیش کردہ نقشہ، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں کا نقشہ، اردو سمجھنے والوں کا اوسط فی صدی اور کانگریس نے جن سات صوبوں کی زبان کو اردو تسلیم کیا تھا اور ان کی آبادی کا ایک خاکہ پیش کیا تھا، اسے بھی حامد حسن قادری نے شامل کیا ہے اور اس نقشے کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں، صوبہ متحدہ، آگرہ، بہار، اڑیسہ، اجمیر، مارواڑ، پنجاب، صوبہ متوسط، سرحد اور دہلی وغیرہ میں اردو بولنے والوں کی تعداد تیرہ کروڑ بیس لاکھ ہوتی ہے اور اس میں غیر زبان والے صوبوں کے اردو بولنے والوں کو شامل کرلیا جائے تو اردو سمجھنے والے کم سے کم پچیس کروڑ ہوتے ہیں۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' پہلی بار آگرہ اخبار برقی پریس سے ۲۳ نومبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن سولہ سال بعد ۱۲ اپریل ۱۹۵۷ء کو عزیزی پریس آگرہ سے شائع ہوا۔ تیسرا ایڈیشن نئے دیباچہ کے ساتھ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۶ء میں اردو اکیڈمی کراچی سندھ سے شائع ہوا۔ چوتھا ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد پانچواں ایڈیشن عاکف بکڈپو نئی دہلی سے ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ کتاب چھ ادوار اور ۹۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ مختلف ادوار کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے: نثر اردو کا پہلا دور دکن میں اردو (۱۳۴۷ء سے ۱۵۲۶ء)، نثر اردو کا دوسرا دور شمالی ہند میں اردو (۱۷۳۲ء سے ۱۷۹۹ء)، یورپین مصنفین، نثر کا تیسرا دور فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات (۱۸۰۰ء سے ۱۸۲۰ء)، نثر کا چوتھا دور سدا سکھ لال، نثر کا پانچواں دور سرسید احمد خاں (۱۸۷۱ء سے ۱۹۰۰ء) اور نثر کا چھٹا دور مولوی محمد حسین آزاد (۱۹۱۰ء سے ۱۹۴۱ء)۔

اس کتاب میں اردو نثر نگاروں کی تاریخ، اردو کے ابتدائی دور سے لے کر ۱۹۴۱ء تک کے مصنفین کے حالاتِ زندگی اور ان کی ادبی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری نے حافظ محمود شیرانی کے نظریہ سے اتفاق کیا ہے کہ اردو کی ابتدا پنجاب سے ہوئی۔ حامد حسن قادری نے اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیاے کرام کی خدمات کا بھی جائزہ لیا ہے اور صوفیاے کرام کے ملفوظات کے نمونے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے دکنی ادب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

نثر اردو کے دوسرے دور کو حامد حسن قادری نے ۱۷۳۲ء سے ۱۷۹۹ء تک رکھا ہے۔ اس دور میں شمالی ہند کا پہلا نثر نگار فضل علی فضلی ہے۔ اس نے ملا واعظ کاشفی کی فارسی کتاب ''روضۃ الشہدا'' کا اردو ترجمہ ''کربل کتھا'' کے نام سے کیا۔

حامد حسن قادری نے ''یورپین مصنفین اردو'' کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے جس میں جان گل کرسٹ اور گارساں دتاسی کی ادبی خدمات کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ انھوں نے فورٹ ولیم کالج سے وابستہ مصنفین اور ان کی کتابوں کے علاوہ، کالج کے اغراض و مقاصد اور پالیسیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور فورٹ ولیم کالج سے باہر کے مصنفین کی ادبی خدمات کا بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔

حامد حسن قادری نے اردو نثر کے چوتھے دور (۱۸۳۱ء سے ۱۸۷۰ء) میں تیئس مصنفین کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان مصنفین میں سدا سکھ لال، فقیر محمد خاں گویا، نیم چند کھتری، مولوی قطب الدین دہلوی، مفتی صدر الدین آزردہ، مفتی سعد اللہ رامپوری، عباس بن ناصر علی، امام بخش صہبائی، مولوی مسیح الزماں، منشی عبدالکریم، ماسٹر رام چندر، آغا امانت لکھنوی، منشی چرنجی لال، ماسٹر بنسی دھر، مولوی ضیاء الدین، مرزا غالب دہلوی، خواجہ امام دہلوی، مولوی غلام امام شہید، خواجہ غلام غوث بے خبر، محمد ابراہیم بیجاپوری، شمس الامرا کبیر ثانی، محمد عثمان مبین، غلام امان خاں ترین اور شاہ علی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حامد حسن قادری نے اردو نثر کے پانچویں دور کو ۱۸۷۱ء سے ۱۹۰۰ء تک رکھا ہے اور اسے دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ پہلے حصے میں اس دور کے غیر معروف مصنفین اور دوسرے حصے میں مشاہیر ادب یعنی سر سید احمد خاں اور ان کے رفقا کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس دور کے کم مشہور مصنفوں میں سید محمد میر لکھنوی، یوسف خاں کمبل پوش، شاہ محمد قادر دانا پوری، بنی پرشاد، مفتی امیر مینائی اور پنڈت گری راج کشور دت کے نام شامل ہیں۔

حامد حسن قادری نے محمد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی کے علاوہ مولوی ذکاء اللہ، مولوی سید علی بلگرامی، مولوی سید احمد دہلوی، میر ناصر علی دہلوی اور خواجہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی کی ادبی

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

خدمات پر مفصل گفتگو کی ہے۔

حامد حسن قادری نے اپنی ذاتی ضرورت کے لیے زبان اور ادب سے متعلق اہم واقعات اور سنین کے حوالے سے دو بیاضیں مرتب کی تھیں۔ یہ دونوں بیاضیں ''خلاصۂ تاریخ'' اور ''گنجینۂ تواریخ'' کے عنوان سے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئیں۔

مقالے کے دوسرے باب میں حامد حسن قادری کی ان کتابوں سے بحث کر کے ان کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور بہ حیثیت مورخِ ادب حامد حسن قادری کا مقام متعین کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں حامد حسن قادری کی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انھوں نے غزلیں، نظمیں، رباعیات اور قطعات لکھے، صنف مثنوی میں بھی طبع آزمائی کی۔

حامد حسن قادری نے اپنی غزلوں کا مجموعہ ۱۹۴۸ء میں ''مرآت سخن دیوانِ غزلیات'' کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اس کے ۴۸ سال کے بعد ان کے بیٹے ماجد حسن فریدی نے الناصر پرنٹرز قادری اکیڈمی کراچی سے ۱۹۹۶ء میں اسے شائع کرایا۔ اس کتاب میں ۲۳ صفحات پر مشتمل ایک دیباچہ بھی شامل ہے جس کا عنوان ''میرا کارنامہ غزل'' ہے۔

حامد حسن قادری کی سو رباعیوں کا مجموعہ ''گلِ صد برگ'' کے نام سے پہلی بار گلداری خلیج ٹائمز پریس دبئی سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں سو رباعیوں کے علاوہ ایک اردو قطعہ، ایک فارسی قطعہ اور تیرہ نعتیہ رباعیاں شامل ہیں۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''سفینۂ نثر و نظم'' میں گیارہ تضمین شامل ہیں۔ حامد حسن قادری نے ۲۴ جنوری ۱۹۳۳ء میں ایک مثنوی لکھی تھی۔ ۲۰۰۶ء میں پہلی بار یہ مثنوی ''نمونۂ عبرت'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔

اس مثنوی کی ابتدا حامد حسن قادری نے اپنے مرشد حاجی حافظ حمایت علی شاہ صاحب محدث علی پور کی تعریف سے کی ہے۔ اس مثنوی میں مثنوی نگار سے اس کے مرشد نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کسی بڑے افسر کے مہمان ہوئے وہ مسجد میں نماز کے لیے گئے تو انھوں نے امامِ مسجد کو قرآن مجید کی بے اکرامی کرتے ہوئے دیکھا، انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ امام خود تو منبر پر چڑھ کر خطبہ دے رہا ہے اور قرآن کریم منبر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ مرشد نے امام کو نصیحت کی اور قرآن کی عظمت سے انھیں آگاہ کیا۔ اس

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مثنوی کا خاصا طویل حصہ قرآن مجید کی عظمت اور اہمیت سے متعلق ہے۔ مثنوی کے دوسرے حصے میں امام کو عدالت سے چودہ برس کی قید کی سزا ہو جاتی ہے اور یہ قید اس کے لیے پھانسی سے بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ آخر میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی گندم بوئے اور جو حاصل کرے۔

''بیاضِ نعتیہ'' حامد حسن قادری کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ملازمتِ آگرہ کی یادگار ہے۔ اسے انھوں نے ۱۹۳۰ء میں مرتب کیا تھا مگر مدتوں بعد اس کی اشاعت الناصر پرنٹرز کراچی سے ہوئی۔ اس کتاب میں دیباچہ کے علاوہ تذکرہ شاہ امام، ذکر رسولؐ، نور اسلام، الہام کامل، سلام، صلوٰۃ وسلام وغیرہ عنوانات سے نظمیں لکھیں ہیں۔ حامد حسن قادری نے فارسی کے ممتاز شاعر سعدی شیرازی کی مشہور عربی رباعی کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ حامد حسن قادری کی نعتیہ شاعری کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ سنی تھے۔

حامد حسن قادری کا محبوب مشغلۂ زندگی فنِ تاریخ گوئی تھا۔ ان کے مجموعہ قطعات کی تعداد چھ ہے۔ انھوں نے چار ہزار سے زیادہ تاریخی قطعات لکھے۔ ان کے یہ قطعات ''دفتر التواریخ، میزان التواریخ، آثار التواریخ اور جامع التواریخ'' میں شامل ہیں۔ حامد حسن قادری نے ان چاروں مجموعوں کو اپنی زندگی میں ہی مرتب کرلیا تھا۔ لیکن ان کی اشاعت ان کی وفات کے بعد ہوئی۔

''دفتر التواریخ'' لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ اسی ادارے سے ۲۰۰۲ء میں ان کے قطعات کا دوسرا مجموعہ ''میزان التواریخ'' شائع ہوا۔ ''جامع التواریخ'' بکس انٹرنیشنل لندن سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ ''آثار التواریخ'' اسی ادارے سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ پانچواں مجموعہ امام الدین رامپوری کی مشہور کتاب ''تحفۂ کرامات مجمع الکرامات'' کی نقل اور اردو ترجمہ ہے۔ ''مجمع الکرامات'' ہی کے نام سے یہ کتاب پہلی بار آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئی۔ چھٹا مجموعہ ''سفینۂ تاریخ'' ہے، یہ کتاب پہلی بار بکس انٹرنیشنل لندن سے شائع ہوئی۔ اس کی دوسری اشاعت لبرٹی آرٹ پریس مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دوسو اکتیس قطعات ہیں۔ حامد حسن قادری کے قطعات میں عام طور سے دو یا چار ہی اشعار ہوتے ہیں۔ مگر اس کتاب کے بیشتر قطعات طویل ہیں۔ مثلاً قطعہ ''کراچی اور ہم'' دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے پہلے حصے میں کراچی کا ذکر ہے جو ۵۱ اشعار پر مشتمل

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ہے، دوسرے حصے میں شاعر یعنی حامد حسن قادری خود سے مخاطب ہیں۔ یہ حصہ ۶۳ اشعار پر مشتمل ہے۔

حامد حسن قادری کی نظموں (اور مضامین) کا مجموعہ ''سفینہ نثر و نظم'' پہلی بار ۱۹۵۱ء میں آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوا۔ پھر دوبارہ بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں طبع ہوا۔ اس کتاب میں ان کے ۱۹۰۴ سے ۱۹۲۰ء تک کے مضامین اور نظمیں شامل ہیں۔

اس مجموعہ کی زیادہ تر نظمیں آزادی سے قبل کی لکھی ہوئی ہیں جو کہ وقتی موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان نظموں میں شعریت کم اور مشق سخن زیادہ ہے۔ ان میں کئی نظمیں وطن سے شاعر کی محبت کا اظہار کرتی ہیں مثلاً انقلابِ وطن، وطن کی حالت، یادِ وطن، ایشیا کی شاعری، میری قوم اور قومی فقیر کی صدا وغیرہ۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حامد حسن قادری کا شعری سرمایہ وسیع ہے، انھوں نے مختلف موضوعات اور اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن بہ حیثیت شاعر ان کا مرتبہ زیادہ بلند نہیں۔

حامد حسن قادری نے شاعری کے علاوہ تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ اس مقالے کے چوتھے باب میں حامد حسن قادری کی تنقیدی خدمات سے بحث کی گئی ہے۔

حامد حسن قادری کی پانچ تنقیدی کتابیں ہیں۔ ''مختصر تاریخِ مرثیہ گوئی مع شاہکارِ انیس، کمال داغ مع مقدمہ و تنقید، انتخاب دیوانِ مومن مع شرح و تنقید، نقد و نظر اور غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین۔

''مختصر تاریخِ مرثیہ گوئی'' پہلی بار ۱۹۳۴ء میں آگرہ میں برقی پریس سے شائع ہوئی۔ پاکستان میں اس کی اشاعت ۱۹۶۴ء میں سپر آرٹ انگریورز اردو اکیڈمی کراچی سے ہوئی اور ہندوستان میں نو سال بعد ۱۹۷۳ء میں خواجہ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی، پھر ۲۰۰۲ء میں اضافے کے ساتھ ''مختصر تاریخِ مرثیہ گوئی مع شاہکارِ انیس'' کے نام سے بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ حامد حسن قادری نے اردو مرثیہ میں ہندوستانی ماحول، رسم و رواج وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اردو مراثی ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حامد حسن قادری نے میر انیس اور مرزا دبیر کے حالات زندگی اور ان کے مرثیوں کی امتیازی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور زبان، حسن ادا، جدت نگاری، واقعہ نگاری، محاکات نگاری، مبالغہ، حسن تعلیل، مراعاۃ النظیر، طباق و تضاد، تنسیق الصفات، لف و نشر وغیرہ سے بحث کی ہے اور ''شاہکار انیس'' کے عنوان سے میر انیس کے مرثیوں کا انتخاب بھی کیا ہے۔

''کمالِ داغ مع مقدمہ و تنقید'' پہلی بار آگرہ اخبار برقی پریس سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ اس

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں مقدمہ اور تنقید یعنی اردو غزل گوئی پر ریویو اور داغ کی غزل گوئی پر تبصرہ ہے۔ دوسرے حصے میں داغ کے چاروں دیوان یعنی انتخابِ گلزارِ داغ، آفتابِ داغ، انتخابِ یادگارِ داغ اور انتخاب مہتاب داغ سے منتخب اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

انھوں نے پہلے حصے میں ذیلی عنوانات کے تحت غزل کی اہمیت، غزل کے امتیازات، غزل کے مختلف مضامین، روایتی غزلوں کے عیوب، جدید غزل کے نقائص اور قدیم شعرا کے رنگ تغزل سے بحث کی ہے۔ حامد حسن قادری نے ''انقلاب تغزل کے اسباب'' میں تین باتوں کی نشاندہی کی ہے۔ پہلا مغربی تعلیم، دوسرا مغربی تہذیب اور اخلاق تیسرا جدید دور کی تہذیب اور آزادی۔

''انتخابِ دیوانِ مومن مع شرح وتنقید'' کی پہلی اشاعت ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ حامد حسن قادری نے مومن کے دیوان سے شعروں کا انتخاب کیا اور ساتھ ہی ان کی شرح بھی کی۔ حامد حسن قاری سے قبل مومن کے مکمل دیوان کی شرح پروفیسر ضیا احمد بدایونی کر چکے تھے۔ حامد حسن قادری نے سابقہ شارحینِ مومن کی کمیوں کو مدِ نظر رکھ کر یہ کتاب مرتب کی۔ انھوں نے مومن کے تقریباً تمام اچھے اشعار اور بعض کم تر درجے کے اشعار بھی درج کیے اور ان اشعار کے حوالے سے مومن کی شاعری کے امتیازات کو واضح کرنے کی کوشش کی۔

''نقد ونظر'' حامد حسن قادری کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے یہ کتاب پہلی بار ہندوستان میں شاہ اینڈ کمپنی آگرہ سے ۱۹۴۲ء میں اور تقسیم ہند کے بعد ۱۹۸۶ء میں پاکستان سے شائع ہوئی۔ اس کے مضامین ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۲ء کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر مضامین ۱۹۴۲ء ہی کے لکھے ہوئے ہیں جو مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ پوری کتاب پندرہ مضامین اور ۳۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

ان مضامین کے عنوانات اس طرح ہیں: مطالعہ شاعری، غالب کی شرحیں، مزاحیہ شرح غالب پر ایک نظر، کلام غالب کی تضمین، عروضی غلطیاں، اصلاح اساتذہ پر ایک نظر، آگرہ کا ایک قدیم مشاعرہ، آگرہ کا قدیم مشاعرہ فارسی، میاں نظیر اکبر آبادی، آغا شاعر دہلوی، خم خانہ ریاض، زبان کے چند نکتے، تنقید کے نئے زاویے، شرح درد پر تبصرہ اور آگرہ کے چار شاعر۔

غالب سے متعلق حامد حسن قادری کے تمام مضامین کو ادارہ یادگار غالب کراچی نے ۲۰۰۱ء میں یکجا شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ''غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین'' ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری کے خطوں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ مکتوباتِ قادری اور دوسرا خطوط قادری ہے۔ دونوں مجموعوں کو حامد حسن قادری کے بیٹے ڈاکٹر خالد حسن قادری نے مع حواشی اور تعلیقات مرتب کیا ہے۔

مکتوبات قادری کا پہلا ایڈیشن نگارشات پبلشر لاہور سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ زیر نظر مجموعہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کا پہلا حصہ ''داستانِ حیرت'' کے عنوان سے عبد المجید حیرت شملوی کی خودنوشت سوانح ہے۔ اس مجموعہ کے تمام خطوط تاریخی اعتبار سے مرتب کیے گئے ہیں۔ اس کے پہلے حصے میں ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۴ء کے درمیان لکھے گئے حامد حسن قادری کے باسٹھ رقعات ہیں۔ ان میں آگرہ سے لکھے گئے خطوں کی تعداد ۴۶ ہے اور کراچی سے سولہ خطوط لکھے گئے ہیں۔ ان خطوں میں حامد حسن قادری نے اپنی کتابوں اور مضامین کا ذکر کیا ہے۔ ''مکتوباتِ قادری'' کے دوسرے حصے میں حامد حسن قادری کے وہ رقعات شامل ہیں جو ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۱ء کے درمیان لکھے گئے۔ یہ خطوط قیامِ آگرہ اور کراچی کی یادگار ہیں۔

خطوں کا دوسرا مجموعہ ''خطوطِ قادری'' فرید آرٹ پریس کراچی سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۲ء تک کے خطوط شامل ہیں۔ ان میں حامد حسن قادری کے آٹھ اور نظیر صدیقی کے گیارہ خطوط ہیں۔ ان خطوں میں شعر و ادب سے متعلق دلچسپ مباحث ہیں۔ حامد حسن قادری کے جن حضرات کے ساتھ علمی اور ادبی روابط تھے، ان کا بھی ذکر ہے۔ جن میں مولوی سعادت اللہ اسرائیلی سنبھلی، مولوی حافظ سید حامد علی سنبھلی، پروفیسر فرمان فتحپوری، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر خواجہ نثار فاروقی، پروفیسر سید ابوالخیر کشفی اور عندلیب شادانی کے نام قابل ذکر ہیں۔

حامد حسن قادری ایک اچھے مترجم بھی تھے۔ ان کی ترجمہ شدہ چھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انھوں نے کلکتہ کی میکمیلن اینڈ کمپنی لمیٹیڈ کی فرمائش پر رابندر ناتھ ٹیگور کی مشہور کتاب ''دی گارڈنر'' کا اردو نثر میں ''باغیاں'' کے نام سے ترجمہ کیا تھا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ مصر کے مشہور اہل قلم ودیع البستانی نے عربی میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔

کرسچین ڈی لارسن کی کتاب ''دی سائنٹفک ٹریننگ آف چلڈرن'' کا اردو ترجمہ حامد حسن قادری نے ''فطرت اطفال'' کے نام سے کیا۔ یہ کتاب پہلی بار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس سے ۱۹۲۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

میں شائع ہوئی۔ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں بچوں کی حرکات وسکنات اور نفسیات سے بحث کی گئی ہے۔

حامد حسن قادری نے ایران کے مشہور شاعر ابوسعید ابوالخیر کی سو رباعیوں کا منظوم اردو ترجمہ ۱۹۲۹ء میں کیا تھا اور ۱۹۲۹ء میں ہی اس کے چند حصے رسالہ ''زمانہ'' شمارہ مئی میں شائع ہوئے جو ۲۸ اشعار پر مشتمل تھے۔ اس کا عنوان ''فیضانِ ابوسعید ابوالخیر'' ہے۔ اس اشاعت کے مدتوں بعد یہ رباعیاں سہ ماہی رسالہ ''اردو نامہ'' میں جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء (شمارہ ۱۹) میں دوبارہ شائع ہوئیں۔ جس کا نیا عنوان ''خزانۂ رباعیات یعنی گنج نایاب مصنفات مولانا ابوسعید ابوالخیر مع ترجمہ اردو'' ہے۔ ساٹھ سال بعد ترجمہ شدہ تمام رباعیاں مارچ ۱۹۹۰ء میں افضل شریف پرنٹرز قادری اکیڈمی کراچی سے کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ کتاب کے آخر میں حامد حسن قادری کا ''قطعہ تاریخ'' شامل ہے۔

حامد حسن قادری نے تہران کے مشہور رباعی گو شاعر بابا طاہر عریاں کی دس رباعیوں کا اردو ترجمہ ''رباعیات بابا طاہر عریاں'' کے عنوان سے کیا تھا۔ یہ رباعیاں پہلی بار ۱۹۳۱ء رسالہ ''زمانہ'' میں شائع ہوئی تھیں۔

حامد حسن قادری نے کچھ اور ترجمے بھی کیے۔ انھوں نے آفتاب بچی جوہر کے فارسی ''تذکرہ الواقعات'' کا اردو ترجمہ ''تذکرہ ہمایوں'' کے عنوان سے کیا تھا۔ اس میں ہمایوں بادشاہ کے حالاتِ زندگی اور اس کے کارناموں کا تفصیلی ذکر ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار رسالہ ''نقاد'' شمارہ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا۔

حامد حسن قادری نے ایران کے مشہور تمثیل نگار سلیمان حیئم کی فارسی کتاب ''یوسف وزلیخا'' کا بھی اردو ترجمہ کیا۔ اسی عنوان سے یہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۷ء آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں چھپا۔ یہ کتاب پانچ پردوں پر مشتمل ہے اور ہر پردے میں کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ سات مجلسیں ہیں۔ اس ترجمے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

حامد حسن قادری کا ایک اور ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے اسٹرلنگ نارتھ کی مشہور کتاب ABE LINCOLN LOG CABIN TO WHITE HOUSE" کا اردو ترجمہ ''ابراہام لنکن: جھونپڑی سے ایوان صدر تک'' کے نام سے کیا تھا۔ یہ کتاب انجمن پریس اردو اکیڈمی کراچی سے ۱۹۵۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دوسو سات صفحات اور بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔اس کے ہر باب کا الگ عنوان ہے مثلاً نینسی کا ننھا منا مہمان، بے دودیوار سا ایک گھر بنایا چاہیے، دوسری ماں، ابتدائی تعلیم، سی سی پی میں کشتی رانی، الی نوائے کی سرحد، نیو سلیم اور بلیک ہاک کی جنگ، ہرفن مولا، اس پرنگ فیلڈ کے ابتدائی ایام، سیاست داں اور وکیل، گھر کی پھوٹ اور الوداع وغیرہ۔ اس کتاب میں ابراہام لنکن کے حالات زندگی، کردار، اعمال اور افکار کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ پوری کتاب ابراہام لنکن کی چلتی پھرتی سوانح معلوم ہوتی ہے۔

حامد حسن قادری نے سعید نفیسی کے مشہور خاکوں، ڈراموں اور افسانوں کا بھی اردو ترجمہ کیا۔ ان کے یہ ترجمے ''ایرانی افسانے'' کے نام سے آگرہ اخبار برقی پریس سے ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئے۔ اس کتاب میں شامل تحریریں ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۴ء کے درمیان کی ہیں۔ ان میں سے کئی ترجمے رسالہ ''آج کل'' میں شائع ہو چکے تھے۔

سعید نفیسی کا شمار ایران کے مشہور تمثیل نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ادیب، شاعر، مترجم، ناول نگار، افسانہ، نگار اور ڈرامہ نگار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ حامد حسن قادری کے ان ترجموں نے ہمیں ایران کے ایک صاحبِ طرز انشا پرداز کے اسلوب نثر سے استفادہ کا موقع دیا۔

اس باب میں حامد حسن قادری کی بعض دوسری تحریروں اور مضامین پر بھی تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔

مختلف ابواب کے تحت پیش کیے گئے اس مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حامد حسن قادری کی علمی و ادبی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ وہ اردو کے استاد، سچے خادم اور قلم کار تھے۔ انھوں نے تاریخِ ادب اردو پر عمدہ کام کیا اور اپنی تنقیدی کتابوں کے ذریعے شعر و ادب کی پرکھ کا فریضہ بھی انجام دیا۔ انھوں نے خود بھی شاعری کی اور شعری مباحث پر اظہار خیال بھی کیا۔ وہ ایک اچھے مترجم بھی تھے۔ ان کا تحریری سرمایہ نہایت وسیع ہے اور قابل قدر بھی۔ ان کی کتابوں نے طلبا کی ذہن سازی کی ہے اور ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب ''داستانِ تاریخ اردو'' آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ بلاشبہ وہ اردو کے ایک اہم قلم کار اور قابلِ ذکر مورخِ ادب ہیں۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری کی علمی اور ادبی خدمات

مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی

مقالہ نگار

ضیاء فاطمہ

نگراں

ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی

شعبۂ اردو

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۲۰۰۷ء

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

T 7229
AZAD LIBRARY
A.M.U.
Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

بسم الله الرحمن الرحيم

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

Department of Urdu

ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY, ALIGARH – 202002 (INDIA)

Tel.: 2700920, 921
Extn. 1631

Dated: 17.03.2007

Certificate

This is to certify that this thesis entitled as "***Hamid Hasan Qadri Ki Ilmi Aur Adabi Khidmat***" by **Ms. Zia Fatima** is an original research work and to the best of my knowledge it has not been submitted for any other degree in this or any other University.

It is now forwarded for the award of Ph.D. degree in Urdu.

Counter Signature

(Prof. Qazi Afzal Husain)
Chairman
Chairman,
Department of Urdu
A.M.U., Aligarh

(Dr. Mohamed Quamrul Hooda Faridi)
Supervisor
Supervisor
Department of Urdu
A.M.U., Aligarh

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

ترتیب

ابتدائیہ			۵-۱۰
پہلا باب	:	حالاتِ زندگی	۱۱-۴۱
دوسرا باب	:	بہ حیثیت مورخِ ادب	۴۲-۱۱۴
تیسرا باب	:	بہ حیثیت شاعر	۱۱۵-۱۷۳
چوتھا باب	:	نثری خدمات	۱۷۴-۲۵۰
الف	:	تنقید	۱۷۵
ب	:	مکتوبات	۱۹۶
ج	:	ترجمے	۲۱۴
د	:	متفرقات	۲۴۲
پانچواں باب	:	خلاصۂ کلام	۲۵۱-۲۶۸
کتابیات			۲۶۹-۲۸۰

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ابتدائیہ

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

حامد حسن قادری کا شمار اردو ادب کے اہم مورخین میں ہوتا ہے۔ ان کی ادبی خدمات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مورخ ادب ہی نہیں، مترجم، ناقد اور شاعر بھی تھے۔ ان کی تحریری صلاحیتیں کم عمری میں ہی ظاہر ہونے لگی تھیں۔ زبان و ادب کے استاد کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔ اس مقالے میں ان کی حیات و خدمات کے تمام اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مقالہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔

بابِ اول میں حامد حسن قادری کے حالاتِ زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کی کتابوں کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' کا شمار اردو کی اہم ادبی تاریخوں میں کیا جاتا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ سے متعلق ان کی دو کتابیں اور ہیں: ''تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو'' اور ''خلاصۂ تاریخ''۔

''تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو'' پہلی بار جنوری ۱۹۳۹ء میں لکشمی نرائن اگروال پبلشر، آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۴۲ صفحات کا مقدمہ ''مسئلہ زبانِ اردو'' کے عنوان سے ہے اور دس مضامین شامل ہیں۔ آخر میں خلاصۂ تاریخ کے عنوان سے پانچ صفحات میں عہد بہ عہد اردو کے ارتقا کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں شامل مضامین درجِ ذیل ہیں۔ مسئلہ زبانِ اردو، رفتارِ اردو نثر، رفتارِ اردو نظم، شاعری کے اسکول (دلی اسکول، لکھنؤ اسکول اور

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

جدید اسکول)، نقد و نظم اردو (اصنافِ شاعری کی مختصر تاریخ: غزل کی تاریخ، مرثیہ کی تاریخ، مثنوی کی تاریخ، رباعی کی تاریخ، جدید اسکول کی شاعری، تنقید غزلِ جدید، شاد عظیم آبادی، حسرت موہانی، فانی بدایونی، عزیز لکھنوی اور شاعر کا رنگ)، غالب، مومن، ذوق، سخن فہمی، توارد و سرقہ، ہمارے مشاعرے اور خلاصۂ تاریخ اردو وغیرہ۔ ان کے علاوہ اس کتاب میں ڈاکٹر گستاولی کا پیش کردہ نقشہ، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں کا نقشہ، اردو سمجھنے والوں کا اوسط فی صدی اور کانگریس نے جن سات صوبوں کی زبان کو اردو تسلیم کیا تھا اور ان کی آبادی کا ایک خاکہ پیش کیا تھا، اسے بھی حامد حسن قادری نے شامل کیا ہے اور اس نقشے کی روشنی میں اردو کی اہمیت واضح کی ہے۔ راقمہ نے اس کتاب کے مندرجات سے بحث کرتے ہوئے اردو بولنے والوں کے تازہ اعداد و شمار اور اردو کی موجودہ صورتِ حال پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' پہلی بار آگرہ اخبار برقی پریس سے ۲۳ نومبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن سولہ سال بعد ۱۲ اپریل ۱۹۵۷ء کو عزیزی پریس آگرہ سے شائع ہوا۔ تیسرا ایڈیشن نئے دیباچہ کے ساتھ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۶ء میں اردو اکیڈمی کراچی سندھ سے شائع ہوا۔ چوتھا ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد پانچواں ایڈیشن عاکف بکڈپو نئی دہلی سے ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ کتاب چھ ادوار اور ۹۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ مختلف ادوار کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے: نثر اردو کا پہلا دور دکن میں اردو (۱۳۴۷ء سے ۱۵۲۶ء)، نثر اردو کا دوسرا دور شمالی ہند میں اردو (۱۷۳۲ء سے ۱۷۹۹ء)، یورپین مصنفین، نثر کا تیسرا دور فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات (۱۸۰۰ء سے ۱۸۲۰ء)، نثر کا چوتھا دور سدا سکھ لال، نثر کا پانچواں دور سر سید احمد خاں (۱۸۷۱ء سے ۱۹۰۰ء) اور نثر کا چھٹا دور مولوی محمد حسین آزاد (۱۹۱۰ء سے ۱۹۴۱ء)۔ اس کتاب میں اردو نثر نگاروں کی تاریخ، اردو کے ابتدائی دور سے لے کر ۱۹۴۱ء تک کے مصنفین کے حالاتِ زندگی

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اوران کی ادبی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

مقالے کے دوسرے باب میں حامد حسن قادری کی ان کتابوں سے بحث کر کے ان کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور بہ حیثیت مورخِ ادب حامد حسن قادری کا مقام متعین کیا گیا ہے۔

حامد حسن قادری نے غزلیں، نظمیں، رباعیات اور قطعات کے علاوہ صنف مثنوی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ تیسرے باب میں ان کی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔

حامد حسن قادری نے شاعری کے علاوہ تنقیدی مضامین اور کتابیں بھی لکھیں ان کی پانچ تنقیدی کتابیں ہیں: ''مختصر تاریخِ مرثیہ گوئی مع شاہکارِ انیس، کمال داغ مع مقدمہ وتنقید، انتخاب دیوانِ مومن مع شرح وتنقید، نقد ونظر اور غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین۔

ان کے خطوں کے دو مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ مکتوباتِ قادری اور دوسرا خطوطِ قادری ہے۔ حامد حسن قادری ایک اچھے مترجم بھی تھے۔ ان کی ترجمہ شدہ چھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

چوتھے باب میں ان تمام کتابوں اور بعض دوسرے مضامین پر بھی تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے اور پانچویں باب (خلاصۂ کلام) میں تمام مباحث کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مختلف ابواب کے تحت پیش کیے گئے اس مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حامد حسن قادری کی علمی و ادبی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ وہ اردو کے استاد، سچے خادم اور قلم کار تھے۔ انھوں نے تاریخِ ادب اردو پر عمدہ کام کیا اور اپنی تنقیدی کتابوں کے ذریعے شعر و ادب کی پرکھ کا فریضہ بھی انجام دیا۔ انھوں نے خود بھی شاعری کی اور شعری مباحث پر اظہارِ خیال بھی کیا۔ وہ ایک اچھے مترجم بھی تھے۔ ان کا تحریری سرمایہ نہایت وسیع ہے اور قابل قدر بھی۔ ان کی کتابوں نے طلبا کی ذہن سازی کی ہے اور ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب ''داستانِ تاریخِ

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اردو'' آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ بلاشبہ وہ اردو کے ایک اہم قلم کار اور قابلِ ذکر مورخِ ادب ہیں۔

لندن، پاکستان اور ہندوستان سے حامد حسن قادری کی شائع ہونے والی بہت سی کتابیں مجھے حامد حسن قادری کے صاحب زادے ڈاکٹر خالد حسن قادری (مقیم لندن) اور جناب افضال الرحمٰن (اسسٹنٹ رجسٹرار جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی) کے ذریعے حاصل ہوئیں۔ اس عنایت کے لیے میں ان کی بے حد ممنون ہوں۔

میں نے خدا بخش پبلک اورینٹل لائبریری پٹنہ، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ لائبریری، نئی دہلی اور جواہر لال نہرو لائبریری، نئی دہلی سے استفادہ کیا ہے اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ اردو، صیغۂ تحقیق اور ڈی ایس اے پروگرام کے کتب خانوں سے بھی متعلقہ مواد حاصل کیا ہے۔

کام اس قدر مشکل اور الجھا ہوا تھا کہ کوئی سرا ہاتھ نہ آتا تھا، اسی کشمکش میں میرے نگراں محترم ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی نے میری رہ نمائی فرمائی۔ اگر اس مشکل میں وہ میری رہ نمائی نہ کرتے تو یہ کام اس شکل میں ہرگز آپ کے سامنے نہ ہوتا۔ اس سلسلے میں ان کا صرف شکریہ ادا کر کے سبک دوش ہونا قطعی ناکافی ہوگا لیکن چوں کہ دیرینہ روایت چلی آرہی ہے، لامحالہ میں بھی اسی روایت کا لحاظ رکھتی ہوں۔

صدرِ شعبۂ اردو پروفیسر قاضی افضال حسین، سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر ابوالکلام قاسمی اور سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر اصغر عباس کی ممنون ہوں کہ ان حضرات نے مقالے کی ترتیب کے دوران مجھے نیک مشورے عطا کیے۔

شعبۂ اردو کے دیگر اساتذہ بالخصوص پروفیسر ظفر احمد صدیقی، ڈاکٹر نیلم فرزانہ اور ڈاکٹر

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

شہاب الدین ثاقب کی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے موقع بہ موقع اس کام میں مدد فرمائی۔ ساتھ ہی ڈاکٹر شبیر اشرف (شعبۂ زراعت)، ڈاکٹر نکہت نسرین (شعبۂ تعلیمات) اور ڈاکٹر طیبہ نسرین (شعبۂ اسلامیات) کی بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی کی۔

مولانا آزاد لائبریری کے صیغۂ اردو کی انچارج محترمہ شائستہ بیدار، باقر حسین، سید محسن جعفری، نسرین آپا، جاوید بھائی اور شعبۂ اردو کے سمینار انچارج سہیل بھائی کی ممنون ہوں کہ انھوں نے مواد کی فراہمی میں ہمیشہ میری مدد کی۔

خداوند قدوس کی شکر گزار ہوں کہ اس نے میرے لیے والد محترم اور والدہ مرحومہ کی دعاؤں کو ترقی کا ذریعہ بنایا جس سے میں اس منزل تک پہنچ سکی۔

اس موقع پر اپنی چھوٹی بہنوں (صبا فاطمہ، صفا فاطمہ) کی بھی احسان مند ہوں کہ انھوں نے گھر اور والدین کی تمام ذمہ داریاں اپنے ذمہ لے کر مجھے سکون سے کام کرنے کا موقع دیا۔ ان کے اس احسان کو لفظوں میں ادا کرنا ممکن نہیں۔

اس مقالہ کو تکمیل تک پہنچانے میں دوستوں نے بھی میری ہر طرح معاونت کی۔ خدا ان کو اور تمام محسنین و مخلصین کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین

Zahra 23/3/07
ضیاء فاطمہ

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

باب اول

حالاتِ زندگی

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری بچھرایوں ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کے آبا و اجداد کے متعلق مولانا شمس الحق نظامی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''قادری صاحب کے جدّ امجد شیخ احمد اول (معروف بہ فرخ شاہ کابلی) تھے جن کے عہد تک سلطنت بلخ و کابل حضرت ابراہیم بن ادھم کی اولاد میں رہی اس کے بعد غزنہ کے بادشاہِ وقت نے ان کے ممالک کو فتح کرلیا۔ شیخ احمد ثانی شہزادۂ کابل نے ۵۱۹ھ مطابق ۱۱۰۰ء میں چنگیز خاں سے جنگ کی اور شہید ہوئے۔ ان کے صاحب زادے خواجہ شیخ شعیب اپنے خان دادا کے ساتھ پنجاب چلے آئے۔ کچھ دن لاہور اور ملتان میں قیام کر کے پاک پٹن شریف جس کا پرانا نام اجودھن ہے وہاں مقیم ہوئے۔ خواجہ صاحب کو سلطان کی طرف سے ''ملک العلماء'' کا خطاب عطا کیا گیا اور ان کا نکاح سلطان محمود غزنوی کی ہمشیرہ سے ہوا۔

شیخ کمال الدین (والد ماجد حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی صاحب زادی کا نکاح سادات میں سید عبداللہ سے ہوا۔ ان ہی کے بطن مبارک سے صاحب زادہ مخدوم علی احمد صابر کلیری ہیں۔ یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کے فیوض و برکات اور انوار و تجلیات سے برصغیر ہندو پاک کا گوشہ گوشہ منور و معطر ہے۔

شیخ کمال الدین کی زوجہ بنت مولانا وجیہ الدین حضرت عباس عم رسول کریم ﷺ کی اولاد میں سے ہیں۔ اسی خاندان کے نامور بزرگ اور قادری صاحب کے مورث اعلیٰ حضرت بندگی میاں شیخ ڈھکہ ضلع مراد آباد میں تشریف لائے جہاں سے ان کے نبیرۂ بلند مرتبت حضرت شیخ مقبول عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قصبۂ بچھرایوں (ضلع مراد آباد) میں آ کر آباد ہوئے۔ قادری صاحب قبلہ ان ہی کی نسل سے ہیں''۔[۱]

---

[۱] مولانا شمس الحق نظامی، ''حامد حسن قادری''، روزنامہ 'جنگ'، ص ۵، کراچی، ۵ جون ۱۹۶۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری کے صاحبزادے ڈاکٹر خالد حسن قادری نے اپنی انگریزی تصنیف میں اپنے آباو اجداد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"Azampur during Mughal rule was important place, an abode of nobleman, a seat of scholars and the home-town of several mystics and theologians. In the town, one can still see the ruins of places and grand madarsas and mosques, and the tomb of Shah Shaikh Abdul Ghafur who himself was a great mystic and commanded great respect and large followings.After the family had lived in Azampur for a few generations, according to family tradition, it was revealed to one of the elders that the family should leave the place because the town was going to be deserted.Thus Shah Bandagi Shaikh pir, a descendent of Shah Abdul Ghafur, migrated with his family and disciples to a nearby hemlet called Dhakka, and the town was indeed deserted, for no apparent reason; and despite all its past glory and grandeur, it still stands deserted.

He lived in his ancestral home in Bachhraon up to the age of ten and acquired a basic education in Islamic learning and classical languages from family teachers and local tutors.

In the hamlet of Dhakka the family lived for seven generation when once again Shah Shaikh Maqbool Alam, a descendent of Bandagi Shaikh Pir of Dhakka was instructed by divine revelation, as family tradition goes, to leave Dhakka and migrate elsewhere. He did so and settled in a nearby village called Bachharaon. His family and his progeny prospered and they are still there.Later on some people settled in other

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

nearby places like Chandpur, Bijnor, Nehtaur, Muradabad, Kiratpur, Meerut and many other places[1]

حامد حسین قادری کے خاندانی کاغذات کے مطابق ان کا شجرۂ نسب درج ذیل ہے۔

منظوم شجرۂ نسب

خدایا بہرِ ترویحِ محمد نور یزدانے — خدایا بہرِ ترویحِ عمرؓ سرخیلِ خاصانے
بحقِ حضرتِ فخرالصحابہ شیخ عبد اللہ — بحقِ ناصر الدین ناصرِ دینے وایمانے
پئے ترویحِ حضرت شیخ ابراہیمِ حق آگاہ — پئے ترویحِ حضرت شیخ الحقِ خدا دانے
بحقِ شیخ عبد الفتح کافخ مرجع عالم — بحقِ واعظ اکبر بملک شرعِ سلطانے
بحقِ واعظ الاصغر گلِ بستانِ ایجادے — بحقِ شیخ عبد اللہ بہارِ باغِ امکانے
بحقِ شیخ مسعود آفتابِ چرخِ تحقیقے — بحقِ شیخ ساماں بہرِ دینِ پاک سامانے
بحقِ شاہِ محمود آں کہ باشد شاہِ ذیجا ہے — بحقِ شہ نصیر الدین خدا جوے خدا دانے
بحقِ شیخ احمد شاہ عالی جاہِ ذی رفعت — بحقِ شہ شہاب الدیں دُرِ دریاے فیضانے
بحقِ شیخ روشن دل محمد صاحب الحرمۃ — بحقِ شیخ احمد پاک بازو پاک دامانے
بحقِ آں کہ نام پاکِ او حضرت شعیب آمد — بحقِ شہ جمال الدین سلیماں بحرِ احسانے

مطلع

خدایا بہرِ ترویحِ شہ اقلیمِ عرفانے — فرید الدین والملّت سراجِ بزم ایقانے
بحقِ آں کہ نامِ نامیش آمد شہاب الدین — بترویحِ حمید آئینۂ انوار رحمانے
بحقِ شیخ اسمٰعیل سروِ باغِ ارشادے — بحقِ شیخ ابا بکر آسمانِ جود و احسانے
بحقِ شیخِ والا قدر رکن الدین والدنیا — بحقِ شیخِ تاج الملک تاجِ فرقِ پاکانے
بہ ترویحِ جنابِ پاک حضرت شیخ شمس الملک — باوجِ آسمانِ عزّ و رفعت مہر تابانے
بحقِ شیخ برہان الحق والدین والملّت — بحقِ شہ جلال الدیں جہانِ فیض و فیضانے
بحق شہ اویس الحق سپہر علم و تمکینے — بحق شاہِ دیں شیخِ مبارک مردِ ایقانے

[1] K.H. Qaadri, J. Hamid Hasan Qaadri and art of Chronogrannes. P. 3, Kranchi, Anjuman Press, Qadri Accadimy 1988

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مطلع

بحقِ شیخ پیر آں ماہِ برجِ فقر و عرفانے — بحقِ حضرت شیخ مبارک خان و خاقانے
بحقِ حضرتِ عبد العزیز آئین اسلامے — بحقِ شیخ شمس الدین درخشاں مہرِ ایمانے
بحقِ شیخ جیون شاہبازِ عرش معنائے — بحقِ بدرِ عالم بدرِ اوجِ عزت و شانے
بحقِ شاہ عالم صاحب التوقیر والعزۃ — بحق حضرت مقبولِ عالم فخرِ خاصانے
بحقِ حضرتِ شیخ مقیم آں قلزمِ دانش — بحق شیخ محبوب علی محبوبِ پاکانے
بحقِ حضرت محمودِ عالم مصدرِ عرفاں — بحقِ آں علیمِ اسوۂ اخلاق رحمانے
بحقِ حضرت احمد حسن آں عالمِ کامل — کہ رونق یافت زوفنِ حدیث وعلمِ قرآنے

بحق حضرت حامد حسن عابد حسن یارب
بدہ دینے وایمانے وایقانے وعرفانے

یہ منظوم شجرۂ نسب حامد حسن قادری کے والد مولانا احمد حسن نے ۱۸۹۲ء میں لکھا تھا۔ اس شجرہ کے آخری دو شعر ان کے نہیں ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں حامد حسن قادری نے جب والد محترم کی کلیات نقل کی تو اس شجرہ میں ''بحق حضرت احمد حسن آں عالم کامل'' والے شعر کا اضافہ کر دیا۔ ۲۰۰۳ء میں حامد حسن قادری کے فرزند خالد حسن قادری نے راقمہ کو لندن سے یہ شجرہ بھیجتے وقت اس میں آخری شعر کا اضافہ کر دیا۔ انھوں نے راقمہ کے نام اپنے خط میں اس کی وضاحت کی ہے۔

مولوی عبد الحفیظ صاحب علی گڑھی نے جواہر فریدی اور گلزارِ فریدی سے جو شجرۂ نسب نقل کیا ہے اس میں شیخ ناصر الدین کے بعد تین ناموں کا اضافہ ہے۔ یعنی ناصر الدین کے بیٹے خواجہ منصور قریشی اور ان کے صاحب زادے خواجہ سلیمان اور ان کے فرزند خواجہ ادہم۔

خواجہ ادھم نے ۱۱۵۷ھ میں بلخ فتح کیا اور شاہِ بلخ کی بیٹی سے نکاح کیا۔ شیخ عبد اللہ ثانی کے دوسرے بیٹے شیخ سیف اللہ جد امجد ہیں۔ شاہ عبد الغفور اعظم پوری کے وفات کے بعد شیخ سیف اللہ کے بعد عبد الکریم، فرید، کریم اللہ، شیخ منجھو، ضیاء الدین، محمد شعیب، محمد یعقوب، شیخ فرید الدین اور شاہ عبد الغفور تھے۔

۱۱۰۰ء/ ۵۱۹ھ میں جب چنگیز خاں نے ترکستان، بلخ و بخارا کو غارت کر کے کابل کا رُخ کیا تو حضرت شعیب کے والد خواجہ احمد شاہ نے اس کا مقابلہ کیا اور شہید ہوئے۔ اسی اثنا میں خواجہ شعیب اہلِ و

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

عیال اور دیگر امرا کے ساتھ پنجاب چلے گئے۔ لاہور میں کچھ روز رہ کر ملتان گئے۔ وہاں چنگیز خاں کے فتنہ کی وجہ سے ایران اور عرب کے بہت سے سادات علوی وصدیقی و فاروقی وعباسی پناہ گزیں تھے۔ خواجہ شعیب نے بھی ملتان میں سکونت اختیار کی اور پاک پٹن کو مسکن بنایا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے پاک پٹن میں انھیں جاگیر عطا کی اور وہاں کا قاضی مقرر کر دیا۔

شیخ شعیب کا نکاح سلطان محمود غزنوی کی بہن سے ہوا۔ شیخ جمال الدین کی اہلیہ قریشم خاتون بنت مولوی وجیہ الدین خجوندی حضرت عباس (عم رسول اللہ ﷺ) کی اولاد میں سے تھیں۔ شیخ جمال الدین کی صاحب زادی جمیلہ خاتون کا نکاح سید عبد اللہ کے صاحب زادے سید مخدوم علی احمد صاحب سے ہوا۔ شیخ فرید الدین گنج شکر اہلیہ، شریرہ خاتون شاہ غیاث الدین بلبن بادشاہ دہلی کی بیٹی تھیں۔ ان سے کئی اولادیں تھیں، جن میں بندگی میاں پیر ڈھلہ میں مقیم ہوئے۔ بندگی میاں پیر کو بشارت ہوئی کہ اعظم پور میں رہنے کی مدت ختم ہوئی اس لیے یہاں سے نکل جاؤ چنانچہ شیخ مبارک خاں بندگی میاں پیر اعظم پور سے نکل کر ڈھکے آ گئے (اعظم پور جو کہ ایک نہایت بڑا اور شاہی دور کا شہر تھا۔ اب بالکل کھنڈر ہو گیا ہے)۔

اعظم پور سے ڈھکہ ہجرت کے وقت کچھ افراد اعظم پور میں رہ گئے۔ ان کی نسلیں آج بھی اعظم پور میں ہیں۔ شیخ بندگی میاں پیر کی وفات ۱۱۵۰ء میں ہوئی۔ شیخ شاہ عالم بندگی میاں کے فرزند شاہ مقبول عالم تھے۔ ان کا نکاح رحمت بی بی سے ہوا۔ شیخ مقبول عالم بھی ایک بشارت کے نتیجے میں عزیز و اقارب و متعلقین کے ساتھ ڈھکے سے بچھرایوں تشریف لے گئے۔ حامد حسن قادری کے مورثِ اعلیٰ حضرت شیخ مقبول عالم کی چار لڑکیاں حیات بی بی، آصفہ بی بی، رشیدہ بی بی اور حمیدہ بی بی اور تین لڑکے شیخ محمد نواز، شیخ محمد سلیم اور شیخ محمد مقیم تھے۔ شیخ مقیم کی اہلیہ بی بی منیرہ، ان سے ایک ہی اولاد تھی شیخ محبوب علی۔

شیخ محبوب علی کی شادی فضیلت النسا سے ہوئی۔ ان کے بطن سے چار لڑکے مولوی محمود عالم، مولوی مقصود عالم، مولوی منصور عالم اور مولوی فضل عالم پیدا ہوئے۔ مولوی محمود عالم کی شادی نبیہ النسا سے ہوئی۔ مولوی مقصود عالم کا نکاح بی بی امان دولت سے ہوا۔ مولوی منصور عالم نے دو شادیاں کیں۔ پہلی اہلیہ شریف النسا اور دوسری مجید النسا تھی اور مولوی فضل عالم کا عقد واعظ النسا سے ہوا۔

مولوی محمود عالم سر سید احمد خاں کے دوستوں میں تھے۔ غدر کے زمانے میں سر سید ان کے یہاں

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ٹھہرے تھے۔ خواجہ الطاف حسین حالی نے ''حیاتِ جاوید'' میں اس کا ذکر کیا ہے:

''سرسید احمد خاں برابر اس فکر میں تھے کہ کسی طرح بجنور سے نکل کر میرٹھ پہنچ جائیں۔ مگر کوئی موقع نہ ملتا تھا..... دوسرے روز میر صادق علی نے خود ساتھ ہو کر ان کو موضع مچولہ تک پہنچا دیا، وہاں سے سرسید نے بچھراؤں پہنچ کر بسبب علالت اور رستے کی کوفت کے چند روز مولوی محمود عالم کے مکان پر، جو اُن کے دوست تھے قیام کیا اور اپنی مفصل سرگزشت حکام انگریزی کو لکھ بھیجی اور چند روز بعد خود بھی میرٹھ چلے گئے۔''[۱]

مولوی محمود عالم کی تین بیٹیاں بدر النسا، شمس النسا اور لطف النسا تھیں اور ایک بیٹے مولوی محمد علیم تھے۔ بدر النسا کی شادی مولوی مسعود عالم سے ہوئی۔ شمس النسا کا نکاح مولوی محمد علی سے ہوا اور لطف النسا کا عقد مولوی قطب عالم سے ہوا اور مولوی محمد علیم کی شادی سکینہ بی بی سے ہوئی۔ ان سے سات بچے ہوئے۔ ان میں سے محمد حسن (اول) محمد احسن اور کلثوم خاتون ایامِ طفلی میں ہی وفات پا گئے۔ بڑی بیٹی آمنہ خاتون تھی جن کی شادی فخر عالم سے ہوئی۔

مولوی محمد حسن ثانی کا نکاح صغرا خاتون سے ہوا۔ بڑے بیٹے مولانا احمد حسن تھے۔ ان کی شادی جمیلہ خاتون سے ہوئی اور سب سے چھوٹے بیٹے مولوی محمد محسن فاروقی تھے ان کی شادی طاہرہ خاتون سے ہوئی۔

حامد حسن قادری کے والد صاحب کا نام مولوی احمد حسن تھا۔ مولوی احمد حسن بچھرایوں ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم مدرسہ رامپور میں حاصل کی۔ مولوی احمد حسن رامپور کی ایک عدالت میں وکیل تھے۔ ۱۸۵۷ء میں عدالت عالیہ کے جج مقرر ہوئے۔ مولوی احمد حسن شاعر بھی تھے۔ ان کی مثنوی ''گلزارِ ارم'' حامد حسن قادری کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ ان کی ایک نظم ''قصہ قاضیِ جون پور'' یعنی ''نظمِ رنگین'' کے نام سے ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی۔ اس کے متعلق خود حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''نظمِ رنگین کہ والدِ ماجدِ راقم حضرت مولوی احمد حسن صاحبؒ برائے تعلیم خاکسار حامد حسن قادری نظم موجودہ و خاکسار از غایت شوق طفلانہ من جانب خود طبع گردانید واسم تاریخی ''نظمِ رنگین'' موسوم کرد''۔[۲]

۱۔ خواجہ الطاف حسین حالی، حیات جاوید، چوتھا ایڈیشن، ص ۸۱-۸۲، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۱۹۹۹ء

۲۔ ڈاکٹر سرور اکبر آبادی، حامد حسن قادری: ادبی کارنامے، ص ۲۰، مغربی پاکستان اردو اکادمی، کراچی ۱۹۹۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مولوی احمد حسن کے متعلق ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''قادری صاحب کے والد مولوی احمد حسن رام پور میں وکیل تھے، اس کی چمن بندی لکھنؤ اور دہلی کی خزاں سے ہوتی تھی اور وہ غدر کے بعد اہلِ کمال کے لیے ''دارالسّرور'' بن گیا تھا۔ ''ناظم منیر آئے یہاں''، ''ہم ہیں قدردان''، مخصوص دعوت کے ساتھ صلائے عام بھی ہے۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء میں امیر رام پور پہنچ گئے اور عدالت عالیہ کا منصب افتاء ان کے سپرد کیا گیا''۔[۱]

مولوی احمد حسن کی شادی مولوی قطب عالم کی بیٹی جمیلہ خاتون سے ہوئی۔ گھر میں سب انھیں ''بی بی'' کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ حامد حسن قادری کی والدہ سخت پردہ نشیں خاتون تھیں۔ ان کا رعب گھر کے افراد، بچوں اور محلے والوں پر تھا۔ مولوی احمد حسن کی سختی کا اثر ان کی تمام زندگی پر تھا۔ ان کے سات بچے ہوئے مگر قضائے الٰہی سے حامد حسن قادری (اول) اور حامد حسن قادری (ثانی) پیدا ہوتے ہی فوت ہو گئے۔ اس بات کی تصدیق حامد حسن قادری کے صاحب زادے ڈاکٹر خالد حسن قادری کے انگریزی مضمون سے ہوتی ہے۔

پانچ پشتوں کے بعد حامد حسن قادری اپنے آبائی وطن بچھرایوں میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں وہ بہت ہی کمزور تھے۔ چوں کہ ان سے پہلے ان کی والدہ کی دو اولادیں (دونوں فرزند) فوت ہو چکی تھیں اس لیے سب کو خدشہ تھا کہ یہ بھی بچیں گے یا نہیں مگر کرمِ الٰہی سے انھوں نے ۸۰ سال کی عمر پائی۔

حامد حسن قادری کے بھائی عابد حسن فریدی نے دو شادیاں کیں۔ ان کی پہلی بیوی زارہ خاتون کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح راشدہ خاتون سے ہوا۔ حامد حسن قادری کی ایک چھوٹی بہن فاطمہ تھی۔ ان کی شادی مولوی احمد علی کے صاحب زادے مولوی حامد علی سے ہوئی۔ حامد حسن قادری کے چھوٹے بھائی ساجد حسن اور ہاجرہ ایام طفلی میں ہی وفات پا گئے۔

حامد حسن قادری کی تعلیم و تربیت میں ان کے چھوٹے چچا مولوی محمد محسن فاروقی نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ وہ اپنے عزیزوں کے درمیان چچا میاں کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے متعلق حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''مولوی محمد محسن فاروقی (رحمۃ اللہ علیہ ۱۴/ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ دسمبر ۱۸۷۶ء) کو دوشنبہ کے

---

[۱] ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی: مولانا حامد حسن قادری، رسالہ نقوش، شخصیات نمبر، ص ۲۷۳، لاہور، ادارہ فروغ اردو، شمارہ ۴۷-۴۸، جنوری ۱۹۵۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

روز اپنے وطن قصبہ بچھرایوں ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کی ولادت سے ایک ماہ بیس روز قبل ۲۴ رمضان المبارک ۱۲۹۳ھ (۱۳/اکتوبر ۱۸۷۶ء) کو بروز جمعہ ان کے والد مولوی محمد علیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات مناجات ہو چکی تھی۔۔۔

چچا میاں کی پرورش ان کے بڑے بھائی میرے والد مغفور مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ جو چچا میاں کی ولادت کے وقت برسرِ روزگار تھے۔ ان کے منجھلے بھائی مولوی حاجی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت تعلیم پا رہے تھے۔۔۔

چچا میاں کے بڑے بھائی میرے والد مغفور مراد آباد میں ملازم تھے۔ چچا میاں کی ابتدائی تعلیم وہیں ہوئی، مراد آباد میں ایک بڑے جید عالم مولوی محمد گل صاحبؒ افغانی تھے۔ جن کے شاگرد میرے والد اور عم محترم مولوی حاجی حبیب الرحمٰن صاحب بھی تھے۔ چچا میاں نے بھی مولوی گل صاحبؒ سے پڑھا اور بہت تھوڑی عمر میں اکثر درس نظامی ختم کر لیا۔ اس کے بعد سترہ سال کی عمر میں ایک دوست مولوی شفیق الرحمٰن صاحب امروہوی کی معیت میں لاہور چلے گئے اور وہاں مشرقی کالج میں داخل ہو کر پنجاب یونیورسٹی کا امتحان منشی فاضل پاس کیا اور تمام یونیورسٹی میں اول نمبر پر کامیاب فرمار ہے۔ اتفاق سے ان کی تاریخ کامیابی منشی فاضل کے لفظ سے نکلتی ہے۔ ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۴ء۔ اس وقت چچا میاں کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔

اس سے ایک سال بعد ۲۶ دسمبر ۱۸۹۵ء (۱۰ رجب ۱۳۱۳ھ) کو چچا میاں کا نکاح ان کی حقیقی خالہ زاد بہن بتول خاتون بنت مولوی ناظر انوار الحق صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا۔ اسی سال چچا میاں انہی مولوی شفیق الرحمٰن صاحب امروہوی کے ساتھ مدرسہ طبیہ دہلی میں طب پڑھنے چلے گئے اور حکیم عبد المجید خاں صاحب دہلوی اور حکیم اجمل خاں صاحب دہلوی کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔۔۔

ابھی چچا میاں مدرسہ طبیہ میں پڑھ رہے تھے اور تعلیم قریب تکمیل تھی کہ ان کے بڑے بھائی ریاست رامپور میں برسرِ روزگار ہو گئے اور اس خاندان کے حالات و ماحول میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ رامپور کے نواب کلب علی خاں جانشین

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نواب مشتاق علی خاں کا انتقال ہوا تو ان کے جانشین نواب حامد علی خاں نابالغ تھے۔ وہ تعلیم و تربیت کے لیے لندن بھیج دیے گئے اور ریاست میں کونسل آف ریجنسی قائم ہوگئی، جس کے صدر جنرل اعظم الدین خان شہید تھے۔ کونسل کے مشیر قانونی ہمارے خاندان کے ایک بزرگ مولوی مظہر اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے۔ انھوں نے اپنے خاندان کے لائق اور کارگزار عزیزوں کو بلا کر ریاست میں ملازمتیں دلوانی شروع کر دیں۔ چنانچہ ان کے صاحب زادے مولوی سراج احمد صاحب اور مولوی سلطان احمد صاحب اور داماد مولوی اشفاق علی صاحب اور میرے والد صاحب اور بڑے چچا صاحب اور ان کے علاوہ بہت سے اور ریاست میں جا جا کر نوکر ہونے لگے۔ میرے والد نے وکالت پسند کی۔ ان کو امتحان وکالت سے مستثنیٰ کر کے وکالت درجہ اول کی سند دے دی گئی۔ بڑے چچا صاحب منصرم فراش خانہ مقرر ہوئے۔

اب بزرگوں اور عزیزوں کی یہ صلاح ٹھہری کہ چھوٹے چچا میاں کو بھی دہلی سے بلا کر ملازم کرا دیا جائے۔ چنانچہ وہ تعلیم طب ترک کر کے رامپور میں سرکاری باورچی خانہ انگریزی کے منصرم ہو گئے۔

ستمبر ۱۸۹۸ء میں بتول چچی کا حالت زچگی میں انتقال ہوگیا۔ اس سے تقریباً دو سال بعد اکتوبر ۱۹۰۰ء میں چچا میاں کا نکاح ثانی ان کی حقیقی پھوپھی زاد اور ماموں زاد بھائی مولوی نصیر عالم صاحب قبلہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی بڑی صاحب زادی طاہرہ خاتون کے ساتھ ہوا جن کی عمر ۱۴ سال سے کچھ کم تھی۔

چچا میاں منصرمی باورچی خانہ سے کچہری کے کسی دفتر میں منتقل ہو گئے۔ لیکن بہ قول ان کے ''کاغذ پیٹنے'' میں کچھ مزہ نہ آیا تو کوشش کر کے اسٹیٹ ہائی اسکول رامپور میں ہیڈ مولوی ہو گئے۔ یہ غالباً ۱۹۰۳ء ہوگا۔ ۱۹۰۴ء میں انھوں نے ہم تینوں بھائیوں، یعنی مجھے اور برادران عزیز عابد حسن فریدی اور ظہیر عالم چشتی کو اسکول میں ساتویں درجے میں داخل کر دیا۔ اب تک ہم گھر پر انگریزی اور مدرسہ میں عربی پڑھتے تھے۔

۱۹۰۶ء کے شروع میں چچا میاں جاڑے بخار میں سخت بیمار ہو گئے۔ علالت کو طول ہوا تو

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ان کو لے کر دہلی گیا۔ مدرسہ طبیہ میں قیام ہوا اور حکیم اجمل خاں صاحب کا علاج ہوا۔ چند روز میں آثار صحت شروع ہو گئے تو چچا میاں نے آگرہ سے حافظ ممتاز الرحمٰن صاحب امروہوی کو بلایا اور ان کے اور میرے ساتھ دہلی سے آگرہ آ گئے۔ یہاں آ کر چند روز میں چچا میاں کی طبیعت بالکل بحال ہو گئی۔۔۔۔

آگرہ سے رامپور واپس آ کر چچا میاں کو اطلاع ملی کہ ان کا تقرر مشن کالج اندور میں فارسی کی پروفیسری پر ہو گیا ہے۔"[۱]

مولوی محمد محسن فاروقی صاحب کا شمار اپنے زمانے کے ادیبوں اور شاعروں میں تھا۔ ان کی وفات بہ حالتِ ملازمت ہوئی۔ اِن بزرگوں کے علاوہ حامد حسن قادری کے دیگر عزیز و اقارب کے نام حسب ذیل ہیں:

۱-	مولوی انوار الرحمٰن	(دوست)
۲-	مولوی قیام الدین	(دوست)
۳-	مولوی عبد الحفیظ	(دوست)
۴-	مولوی محمد علی	(بہنوئی)
۵-	مولوی ظہیر عالم چشتی	(ماموں زاد بھائی)
۶-	مولوی فرید عالم چشتی	(ماموں زاد بھائی)
۷-	مولوی حسن صوفی	
۸-	مولوی محمد عظیم الحق جنیدی	(خالہ زاد بھائی)
۹-	مولوی حامد علی	(بہنوئی)
۱۰-	مولوی عابد حسن فریدی	(بھائی)
۱۱-	مولوی ناصر عالم چشتی	(داماد)
۱۲-	محمد طاہر فاروقی	(چچازاد بھائی)
۱۳-	زاہد حسن فریدی	(داماد)
۱۴-	قطب عالم	(پھوپھی زاد بھائی)
۱۵-	محمد اظہر فاروقی	(چچازاد بھائی)

---

[۱] حامد حسن قادری، خطوطِ قادری، ص ۳۰۲-۳۰۵، کراچی، فرید آرٹ پریس ۱۹۹۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۱۶- محمد احسن فاروقی (چچازاد بھائی)

۱۷- مولوی فخر عالم (پھوپھا)

حامد حسن قادری ایک ایسے خاندان کے فرد تھے جو اپنے حسب ونسب اور علم وادب کے اعتبار سے بڑی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ان کے آباواجداد اور اقربا میں سے اکثر نے شہرت حاصل کی۔ ناموری حامد حسن قادری کو بھی حاصل ہوئی۔

حامد حسن قادری کے سنہ پیدائش کے متعلق محققین میں اختلاف ہے۔ان کے چچازاد بھائی محمد طاہر فاروقی اپنے مضمون ''حضرت الحاج مولانا حامد حسن قادری'' میں لکھتے ہیں:

''آپ کی ولادت ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۰ مارچ ۱۸۸۷ء کو ہوئی''۔[۱]

بہ قول ڈاکٹر ملک حسن اختر:

''۲۵ مارچ ۱۸۸۴ء کو ضلع مرادآباد میں پیدا ہوئے''۔[۲]

عبداللطیف خاں کشتہ لکھتے ہیں:

''الحاج، مولانا حامد حسن قادری ۱۸۸۷ء بچھرایوں (ضلع مرادآباد) میں پیدا ہوئے''۔[۳]

حامد حسن قادری کے بیٹے ڈاکٹر خالد حسن قادری اپنی انگریزی کتاب "Janab Maulana Hamid Hasan Qadri and the art of the Chronogram 1988 AD" میں لکھتے ہیں:

"My father, Maulana Hamid Hasan Qadri (1887-1964) was born in his anscestral home in Mohalla Baqa Abad in Bachhraon, a Villge in Moradabad District of U.P in northern India, on March 25, 1887- Friday 29th Jamadi us Sani 1304 A.H."[۴]

---

۱ محمد طاہر فاروقی، سیرت امیر ملت، ص ۷۳۰، کراچی، قادری اکادمی، طبع سوم، ۱۴۱۰ھ

۲ ڈاکٹر ملک حسن اختر، تاریخ ادب اردو، ص ۶۲۵، لاہور، ابلاغ، ۱۹۷۹ء

۳ عبداللطیف خاں کشتہ، حامد حسن قادری، رسالہ اردو نامہ، ص ۸، شمارہ ۱۹، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء

۴ K.H. Qaadri, J. Hamid Hasan Qaadri and art of Chronogrannes. P. 3, Kranchi, Anjuman Press, Qadri Accadimy 1988

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

چوں کہ خالد حسن قادری حامد حسن قادری کے بیٹے ہیں اس لیے ان کی اطلاع زیادہ مستند ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک ۲۵ مارچ ۱۸۸۷ء ہی حامد حسن قادری کی تاریخِ ولادت ہے۔ حامد حسن قادری بچپن میں اکثر علیل رہتے تھے۔ علالت کی وجہ سے دبلے پتلے تھے۔ رفتہ رفتہ صحت مند ہو گئے۔ ان کا مکان اردو کے مشہور شاعر امیر مینائی کے گھر کے قریب تھا۔ حامد حسن قادری اپنی کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' ص ۴۰۰ کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

''میں رامپور میں حضرت امیر مینائی کے محلے میں ان کے مکانات سے قریب ہی رہتا تھا۔ میرا لڑکپن کا زمانہ تھا۔ . . . امیر صاحب اور جلیل صاحب کو دیکھنا اچھی طرح یاد ہے۔ بعض تقریبیں جن میں شریک ہوا یاد ہے۔ (قادری)'' [۱]

حامد حسن قادری کے گھر کا ماحول مذہبی، ادبی اور علمی تھا۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی احمد حسن اور مدرسہ عالیہ رامپور سے حاصل کی۔ بچپن میں ان کے شوقِ مطالعہ کے متعلق ان کی والدہ فرماتی ہیں:

''میری جب بھی آنکھ کھلتی، دیکھتی کہ حامد پڑھ رہے ہیں۔ میں تاکید کرتی کہ اب بہت رات ہو چکی ہے، لالٹین گُل کرو اور سو جاؤ۔ میں تو پھر سو جاتی اور یہ کبھی دو بجے رات سے قبل نہ سوتے۔ حالاں کہ ان دنوں چھٹی جماعت کے طالب علم تھے۔'' [۲]

حامد حسن قادری کو مطالعہ کا شوق بچپن سے تھا، یہ عادت تمام عمر قائم رہی۔ حامد حسن قادری مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد رامپور کی مشہور درسگاہ اسٹیٹ ہائی اسکول میں داخل ہو گئے۔ اسی زمانے سے وہ مضامین اور نظمیں لکھنے لگے تھے۔ یہ ابتدائی تحریریں تھیں۔ اس لیے ان میں کسی قسم کی فنی پختگی کی تلاش بے سود ہے۔ تاہم اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بچپن سے ہی انھیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ لکھنے کا بھی شوق تھا۔ انھوں نے اس زمانے میں چھوٹے چھوٹے واقعات پر نظمیں لکھیں۔ ان نظموں سے ان کے قومی درد کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

''۱۹۰۴ء میں سر سید احمد خاں کے پوتے اور سر محمود کے بیٹے راس مسعود تعلیم حاصل کرنے

۱۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۴۰۰، دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۲۔ محمد طاہر فاروقی، سیرت امیر ملت، ص ۷۳۰، کراچی، قادری اکادمی، طبع سوم، ۱۴۱۰ھ

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کے لیے لندن گئے۔ سفر سے پہلے اخبار ''وکیل'' امرتسر نے ایک مضمون لکھا۔ جس میں راس مسعود کو خطاب کر کے ان توقعات کو بیان کیا جو ان کی ذات سے وابستہ تھیں۔ جب اکابرین قوم راس مسعود کو جہاز پر سوار کرنے بمبئی گئے تو نواب محسن الملک نے تقریر کی اور راس مسعود کو اخبار وکیل کا وہ پرچہ دے کر اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ حامد حسن قادری کے گھر اخبار وکیل بھی آتا تھا اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ بھی۔ ان سے یہ حالات معلوم ہوئے تو انھوں نے راس مسعود کو خطاب کر کے ایک طویل نظم لکھی۔

نظم ملاحظہ فرمائیں:

''مسعود راس آئے تجھے مغربی سفر
او جانے والے میری بھی سن دیکھ تو ادھر
لندن کی سیر تم کو مبارک ہو راس ہو
جتنے ہوں امتحان تم ان سب میں پاس ہو
جس طرح تم نے پیٹھ دکھائی ہے منہ دکھاؤ
جس طرح خوش یہاں سے گئے ہو وہاں سے آؤ
تم نو نہال ہو ابھی گلزار قوم کے
اک رکن ہونے والے ہو دربار قوم کے
تم باعثِ وقار ہو اس قوم کے لیے
تم وجہ افتخار ہو اس قوم کے لیے
مسعود تم تو مایۂ صد فخرو ناز ہو
محمود ملک و قوم ہیں اور تم ایاز ہو
جس وقت آپ گلشنِ ہستی میں آئے تھے
لاکھوں امیدیں قوم کی ہمراہ لائے تھے
کی قوم نے دعائے ترقی عمر و علم
حق نے دکھائی تم کو تجلی عمر و علم

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

آخر قبول ہوکے رہیں یہ دعائے قوم
سن لی خدا نے پوری ہوئی التجائے قوم
جاتے ہو آج فضل خدا سے سفر کو تم
لیکن نہ ہم کو بھولیو اور اپنے گھر کو تم'' [۱]

مدتوں بعد یہ نظم ''علی گڑھ میگزین'' (انتخاب نمبر) شمار ۱۹۷۱ء میں دوبارہ شائع ہوئی۔ مکمل نظم ۲۸ اشعار پر مشتمل ہے۔

جب علامہ اقبال جرمنی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لے کر واپس ہندوستان آئے اس وقت حامد حسن قادری میٹریکولیشن کے امتحان کی تیاری میں مشغول تھے۔ اس مصروفیت کے باوجود انھوں نے ایک نظم ''خیر مقدم'' لکھی اور اسے مدیر ''مخزن'' شیخ عبدالقادر کو بھیج دی۔ یہ نظم اس طرح ہے:

''ہو مبارک حضرت اقبال آنا ہند میں
ہو مبارک آپ کو تشریف لانا ہند میں
آئے ہو کر علم کی دولت سے مالا مال تم
بن گئے اقبال سے اب ڈاکٹر اقبال تم
ہو کے کامل فلسفہ کے علم میں آئے ہو تم
خوبیاں حکمت کی کیا کیا دل میں بھر لائے ہو تم
اب یہ مرضی پر تمھاری ہے کہ بیرسٹر بنو
یا کسی کالج میں جاکر تم پروفیسر بنو
ہند پر چھائی گھٹا ادبار کی نکبت کی ہے
اب ضرورت اس کو ایسے شخص کی خدمت کی ہے
صرف ایک پنجاب ہی تم پر نہیں نازش کناں
بلکہ ہو تم مایہ صد فخر کل ہندوستاں
مدتوں سے نظم ہم نے آپ کی دیکھی نہیں

---

[۱] حامد حسن قادری، رسالہ علی گڑھ منتھلی، ج ۴، نمبر ۱۱، ص ۴۴۱-۴۴۳، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، نومبر ۱۹۰۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

سچ تو یہ ہے کہ اس کی فرصت آپ کو تھی بھی نہیں
آپ کی نظموں کے اک مدت سے ہم مشتاق ہیں
آپ فنِ شاعری میں شہرۂ آفاق ہیں
اب تو فرصت آپ کو تعلیم سے بھی ہوگئی
ہر مہینے اب تو ہم دیکھیں گے نظمیں آپ کی
اب تو مخزن میں چھپیں گے آپ کے اشعار بھی
دیکھیں گے ہم آپ کے افکارِ گوہر بار بھی''۔[۱]

''مخزن'' میں حامد حسن قادری کی نظم پڑھ کر علامہ اقبال خوش ہوئے اور انھوں نے حامد حسن قادری کے ادبی ذوق کی داد ان لفظوں میں دی:

''اس کم عمری میں نظموں اور غزلوں کی طرف راغب ہونا اور ان میں وہ پہلو پیش کرنا کسی نقاد سے کم نہ تھا.....''۔[۲]

حامد حسن قادری کو سب سے زیادہ مزا لکھنے پڑھنے میں ہی آتا تھا۔ بچپن میں جب دوسرے بچے کھیل کود میں مصروف ہوتے، حامد حسن قادری کتابوں سے دل بہلاتے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

''مشغلہ زندگی بجز لکھنے پڑھنے کے کچھ نہیں رہا۔ لڑکپن اور طالب علمی میں بھی کھیلوں اور میچوں میں حصہ نہیں لیا بلکہ عجیب بات ہے کہ کھیلنا کیا معنی۔ کھیل دیکھنا بھی نہیں آتا... ہر وقت لکھتا پڑھتا رہتا ہوں دیگر کاموں میں جی بالکل نہیں لگتا۔''[۳]

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حامد حسن قادری لکھنے پڑھنے کے علاوہ کسی دوسری چیز میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ دوست واحباب سے بھی کم تعلق تھا۔ بچپن میں پڑھنے لکھنے سے ان کی غیر معمولی دلچسپی کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

''... مضامین نثر ونظم لکھنے کا شوق طالب علمی کے زمانے سے ہوگیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا

۱۔ حامد حسن قادری، خیر مقدم، رسالہ مخزن، ج ۱۵، شمارہ ۶، ص ۶۳-۶۴، لکھنؤ، مخزن پریس، ستمبر ۱۹۰۸ء

۲۔ ڈاکٹر سرور اکبر آبادی، حامد حسن قادری، ادبی کارنامے، ص ۳۱، مغربی پاکستان اردو اکادمی، کراچی ۱۹۹۹ء

۳۔ حامد حسن قادری 'حامد حسن قادری'، رسالہ اردو نامہ، شمارہ ۱۹، ص ۳۳، کراچی ترقی اردو بورڈ، جنوری تا مارچ، ۱۹۶۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کہ گھر میں علم و ادب تعلیم و تعلم کا ہی چرچا تھا۔ . . . والد عالم، فقیہ و محدث تھے۔ فارسی کے شاعر تھے۔ ضخیم کلیات ان کی یادگار موجود ہے۔ تاریخ گوئی میں بھی کمال رکھتے تھے۔ حامد حسن قادری کو تاریخ گوئی کا شوق انھیں کا فیضان ہے۔ ان کے چچا فارسی و عربی کے پروفیسر رہے، ان کے پاس اخبارات و رسائل آتے تھے، ان رسالوں کو پڑھ کر حامد حسن قادری کو بھی مضامین لکھنے کا شوق ہوا۔ سب سے پہلے ''انتخاب لا جواب'' لاہور ۱۹۰۲ء پھر رسالہ ''زمانہ'' کانپور ۱۹۰۵ء سے علی گڑھ منتھلی (علی گڑھ میگزین کا پیش رو) ۱۹۰۶ء، مخزن لاہور ۱۹۰۸ء سے لکھنا شروع کیا۔ ان کے علاوہ بھی اس زمانے میں اکثر رسائل میں مضامین لکھتے مثلاً زبان دہلی، شمس کلکتہ، صبح بہار میسور، آزاد لاہور، تہذیب رامپور، تہذیب نسواں لاہور، . . .'' [۱]

ان کی نظمیں مقبرہ اکبر، حسن قدرت، وطن کی حالت، شادی و غم، مناجات، یادِ ہند، عورت، دردِ دل، انتہائے عشق، محشرِ خیال، مآل عشق، سیلاب اور راحتِ مرگ وغیرہ طالب علمی کے زمانے کی یادگار ہیں۔ ان کی غزلیں بھی مختلف رسائل میں شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اُس زمانے کی غزلوں کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

''ہوتی رہی خلش درد کی اکثر دل میں
رہ گیا ہو نہ کہیں ٹوٹ کے نشتر دل میں [۲]

سر میں سودا گھر میں صحرا چاہیے
اور وحشی کو ترے کیا چاہیے [۳]

جاتا ہے دل وحشی ویرانے کو کیا کہیے
دیوانِ الفت ہے دیوانے کو کیا کہیے [۴]

---

[۱] حامد حسن قادری، رسالہ اردو نامہ، شمارہ ۱۹، ص ۳۳-۳۴، کراچی ترقی اردو بورڈ، جنوری تا مارچ، ۱۹۶۵ء

[۲] حامد حسن قادری، رسالہ مخزن، ج ۱۵، شمارہ ۶، ص ۷۲، لاہور، مخزن پریس، جولائی ۱۹۰۸ء

[۳] حامد حسن قادری، رسالہ گلدستۂ جلوۂ یار، ج ۱۲، ص ۸، مئی ۱۹۰۹ء

[۴] حامد حسن قادری، رسالہ صبحِ بہار، ج ۴، نمبر ۱۱، میسور، جولائی ۱۹۱۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

یہ کون آتا ہے وہ آتے ہیں شاید سیر گلشن کو
خبر کے ساتھ اڑنے لگی پھولوں کی رنگت بھی''[۱]

مضامین کے علاوہ انھوں نے بچوں کے لیے چار چھوٹی چھوٹی کتابیں گلدستہ اخلاق، رفیقِ تنہائی، حسنین اور جادوگرنی لکھیں۔ ان کا ذکر حامد حسن قادری نے اپنے مضمون میں یوں کیا ہے:

''...تین چار چھوٹی چھوٹی کتابیں بھی لکھ کر شائع کرائیں۔ ان کے لیے اتفاق سے ایک صورت پیدا ہوگئی تھی۔ یعنی میر حبیب اللہ صاحب امرتسری مرحوم (ڈاکٹر میر ہدایت اللہ صاحب سول سرجن، مرحوم کے برادر بزرگ) نے امرتسر میں ایک انجمن رفیق الاسلام قائم کی تھی۔...سکریٹری انجمن کی اجازت اور پسند سے تین کتابیں لکھ کر انجمن کو بھیج دیں جو چھپوا کر تقسیم کی گئیں۔ (۱) گلدستہ اخلاق (اخلاقی کہانیوں کا مجموعہ)، (۲) رفیق تنہائی (اخلاقی نظموں کا مضموعہ)، (۳) حسنین (سوانح عمری حضرت امام حسن و امام حسین) اور چوتھی ایسی ہی چھوٹی سی کتاب ایک انگریزی افسانے کا ترجمہ تھا، جس کو جادوگرنی کے نام سے ''پیشہ اخبار'' لاہور نے ۱۹۰۵ء میں شائع کیا۔''[۲]

حامد حسن قادی کی ان کتابوں کا تذکرہ علمی اور ادبی حیثیت سے نہیں کیا جاسکتا ہے، یہ کتابیں ان کے ابتدائی ذوق وشوق کا نتیجہ ہیں۔

۱۹۰۹ء میں حامد حسن قادری نے اسٹیٹ ہائی اسکول رامپور سے میٹرک پاس کیا۔ تعلیم کے دوران کچھ دنوں کے لیے مدرسہ عالیہ رامپور میں ملازمت کی۔ اس کے بعد وہ اپنے چھوٹے چچا میاں پروفیسر محمد محسن فاروقی کے پاس پشاور چلے گئے۔ اس وقت پروفیسر محمد محسن فاروقی کنیڈین مشن کالج پشاور میں عربی اور فارسی کے استاد تھے۔

باقاعدہ طور پر حامد حسن قادری نے ملازمت کی ابتدا دسمبر ۱۹۱۰ء میں ریزیڈنسی ہائی اسکول اندور چھاؤنی سے کی۔ وہاں فارسی اردو کے استاد مقرر ہوئے۔ وہ طلبا کو ان مضامین کے علاوہ انگریزی بھی پڑھایا کرتے تھے۔ کچھ ہی دنوں بعد حامد حسن قادری نے مزید تعلیم کے شوق میں ملازمت چھوڑ دی۔ اور ۱۹۱۱ء

---

[۱] لالہ سری رام، خم خانہ جاوید، ج ۲، ص ۳۷۳، امپیریل بکڈپو پریس، دہلی، ۱۹۱۱ء

[۲] حامد حسن قادری، رسالہ اردو نامہ، شمارہ ۱۹، ص ۳۴، کراچی ترقی اردو بورڈ، جنوری تا مارچ، ۱۹۶۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور ادیب فاضل میں داخلہ لیا۔ جون ۱۹۱۱ء میں خان بہادر عادل جی پٹن جی زودشتی ہائی اسکول مہو چھاؤنی میں بہ حیثیت ہیڈ مولوی ملازم ہوئے۔

حامد حسن قادری نومبر ۱۹۱۲ء سے دسمبر ۱۹۱۳ء تک اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ میں اردو اور فارسی کے استاد رہے۔ اس کے متعلق عبداللطیف خاں کشتہ لکھتے ہیں:

''قادری صاحب اسلامیہ اسکول اٹاوہ میں ۱۹۱۲ء سے ۱۹۱۳ء تک تھوڑے ہی عرصہ رہے۔ مگر ان کی علمی اور ادبی زندگی پر اٹاوہ کی روشن خیال صحبتوں کا بہت گہرا اثر پڑا اور ان میں ٹھوس علمی و ادبی خدمات انجام دینے کا جذبہ پیدا ہوگیا۔''[۱]

جنوری ۱۹۱۴ء میں حامد حسن قادری کا تقرر فارسی، عربی اور اردو کے لکچرر کی حیثیت سے بڑودہ کالج میں ہوگیا۔ سنہ ۱۹۱۴ء ہی میں حامد حسن قادری کی شادی ان کے منجھلے ماموں مولوی نصیر عالم چشتی کی صاحبزادی سائرہ خاتون سے ہوئی، ان کے بطن سے پانچ لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں، جن میں سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں کم سنی ہی میں اللہ کو پیاری ہوگئیں، جن کے نام واجد حسن قادری، فاطمہ اور نجمہ تھے۔ لڑکوں میں ساجد حسن قادری، خالد حسن قادری، ماجد حسن قادری اور راشد حسن قادری، لڑکیوں میں صالحہ اور نعیمہ حیات ہیں۔ خالد حسن قادری ان دِنوں لندن میں مقیم ہیں۔ ان سے راقم الحروف نے E.mail کے ذریعہ رابطہ کیا اور کچھ مواد فراہم کرنے کی درخواست کی۔ انھوں نے وہاں سے بہ ذریعہ ڈاک جو تفصیلات بھیجیں ان کے اہم حصے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

''ہماری ننیہال اور ددھیال میں فرق نہیں تھا۔ ہمارے نانا مولوی نصیر عالم والد کے سگے ماموں تھے اور ہمارے دادا احمد حسن ہماری والدہ کے پھوپھا تھے۔ ہماری دادی ہماری والدہ کی سگی پھوپی تھیں۔ ہمارے یہاں رشتہ داریاں اسی طرح قریبی ہوتی رہی ہیں۔ میرے والد حامد حسن قادری کی اہلیہ میری والدہ سائرہ خاتون اور میرے چچا عابد حسن فریدی کی اہلیہ رشیدہ خاتون سگی بہنیں تھیں۔ یعنی رشید خاتون میری سگی خالہ اور سگی چچی بھی تھیں۔

ہمارے نانا نصیر عالم کی شادی علی گڑھ میں محلّہ چاہ گرم آیہ میں سادات گڑھ مکٹیشر میں محمد

---

[۱] عبداللطیف خاں کشتہ، حامد حسن قادری، رسالہ اردو نامہ، ص ۱۰، شمارہ ۱۹، ترقی اردو بورڈ، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

جمیل کی صاحبزادی زاہدہ خاتون سے ہوئی تھی۔ ہمارا ننیہال علی گڑھ میں سادات گڑھ مکٹیشر کہلاتا تھا....

ہمارے ننیہال کا کوئی ایک مخصوص پیشہ نہیں تھا۔ داروغہ عنایت علی حسن جن کی پوتی زاہدہ خاتون سے ہمارے نانا کی شادی ہوئی پولیس میں داروغہ تھے۔ کچھ بزرگ ملازمتیں کرتے تھے۔ کچھ صرف اللہ اللہ کرتے تھے....

ہمارے نانا نصیر عالم کا نکاح زاہدہ خاتون سے علی گڑھ میں ۷ مئی ۱۸۸۵ء کو ہوا۔

حامد حسن قادری کی شادی سائرہ خاتون سے ۲۱ مئی ۱۹۱۴ء کو ہوئی۔ والد صاحب نے تاریخ نکالی

کتخدا باشد

۱۳۳۲ھ''

حامد حسن قادری نے اپنی شادی کی تاریخ یوں نکالی ہے:

''نکاح ہوتا اگر اور ایک سال بعد
تھی نام زوجہ سے تاریخ سائرہ خاتون
۱۳۳۲ھ''[1]

بڑودہ کالج میں حامد حسن قادری عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ کو انگریزی بھی پڑھایا کرتے تھے۔ بڑودہ کالج کے چند اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے نثار اٹاوی اسلامیہ کالج ''اٹاوہ میگزین'' میں لکھتے ہیں:

''حامد حسن قادری بچھرایوں ضلع مرادآباد وطن ہے۔ اردو کے مشہور استاد، ادیب اور شاعر ہیں۔ اسی زمانے میں موصوف کی خدمت کا فخر اس کالج کو ہوا تھا۔''[2]

بڑودہ کالج سے وابستگی کے دوران حامد حسن قادری نے ایک کتاب "The Oriental Rhetoric" مرتب کی، جو انگریزی زبان میں تھی۔ یہ تصنیف بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوئی۔ عبداللطیف خاں کشتہ لکھتے ہیں:

''...قادری صاحب نے انگریزی زبان میں ایک کتاب فن معانی و بیان پر تصنیف کی

---

[1] K.H. Qaadri, J. Hamid Hasan Qaadri and art of Chronograrnnes. P.49, Krhanchi Anjuman Prees 1988.

[2] نثار اٹاوی، رسالہ اسلامیہ کالج میگزین، (ڈائمنڈ جوبلی نمبر)، ص ۲۱، شمارہ ۹، اسلامیہ کالج پریس، اٹاوہ، ۶۴-۱۹۶۳ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تھی۔ جس میں اردو، انگریزی، فارسی اور عربی کے یہ دونوں علم جمع کر دیے تھے۔''[۱]

طبیعت علیل رہنے کے سبب حامد حسن قادری زیادہ دنوں تک ملازمت نہ کر سکے۔ انھوں نے ۱۹۱۷ء میں ملازمت ترک کردی اور اپنی صحت کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کی علالت کے متعلق ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

''مولوی محمود علی صاحب برادر بزرگ مولوی حامد علی مرحوم ان کی بیماری کا یہ قصہ سنایا کرتے ہیں کہ میں ان کو لے کر ڈاکٹر انصاری کے پاس گیا، انھوں نے دیکھ کر فرمایا جیسے یہ چھوٹے سے ہیں۔ ایسے ہی ان کا معدہ بھی چھوٹا سا ہے۔ آپ تردد نہ کریں۔ یہ کھانے کے اوقات کا خیال رکھیں، اور صبح اٹھ کر ٹہلا کریں، ٹھیک ہو جائیں گے۔''[۲]

اُسی سال یعنی ۱۹۱۷ء میں ہی حامد حسن قادری کا انتخاب بہ حیثیت مولوی حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور میں ہوا اور ساتھ ہی ان کے چھوٹے بھائی عابد حسن فریدی اسی کالج میں ہیڈ مولوی ہوئے۔ عابد حسن فریدی نے تین سال بعد ہی آگرہ کے سینٹ جانس کالج میں ملازمت اختیار کرلی۔ حامد حسن قادری آٹھ برس کانپور میں رہے۔

۱۹۱۸ء میں حامد حسن قادری نے بچوں کے لیے ۱۴ صفحات پر مشتمل رسالہ ''سعید'' جاری کیا۔ انھوں نے عام اصول سے ہٹ کر پہلے اداریہ لکھنے کے بجائے حمد و ثنا سے آغاز کیا اور اس کے بعد رسالہ ''سعید'' کے اغراض و مقاصد بیان کیے۔ جس کے چند جملے نیچے درج کیے جاتے ہیں:

''ہم نے یہ ''سعید'' صرف تمھاری تفریح اور دل بہلانے کے لیے نکالا ہے۔ تم اسکولوں اور مدرسوں میں پڑھتے ہو۔ جب مدرسہ سے آتے ہو تو تم کچھ کھا پی کر، کھیل کود میں مصروف ہو جاتے ہو۔ کھا لینے کے بعد مدرسہ کا سبق یاد کرتے ہو، اس کے بعد جو وقت بچتا ہے اس میں تم چاہتے ہو کہ ایسا کام کروں کہ جس میں دل لگے اور تفریح ہو اس وقت تم ڈھونڈتے ہو کہ کوئی قصہ کہانی کی کتاب یا دلچسپ اخبار و رسائل ملے تو پڑھو... ہم نے یہی دیکھ کر کہ بچوں کو دلچسپ اخبار اور اچھی کتابوں کی بڑی ضرورت ہے یہ اخبار ''سعید''

---

[۱] عبداللطیف خاں کشتہ، حامد حسن قادری، رسالہ اردو نامہ، ص ۲۰، شمارہ ۱۹، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء

[۲] ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، مولانا حامد حسن قادری، رسالہ نقوش، (شخصیات نمبر)، ص ۲۷۵، شمارہ ۴۷-۴۸، لاہور، ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۵۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

جاری کیا ہے، جو مہینے میں دو بار پہلی اور پندرھویں تاریخ کو چھپا کرے گا۔ اس میں مزیدار کہانیاں، عمدہ لطیفے، دلچسپ باتیں، اچھی اچھی نظمیں اور نئی نئی خبریں چھپیں گی۔''[۱]

اس کے چند شمارے اخبار ''سعید'' کے نام سے بھی شائع ہوئے ہیں۔ جن میں مضامین نمبر، شاعری نمبر، لطیفہ نمبر، کہانی نمبر اور انعام نمبر شامل ہیں۔

۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۴ء تک یہ رسالہ برابر شائع ہوتا رہا۔ اس کے متعلق حامد حسن قادری اپنی کتاب ''پھولوں کی ڈالی'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

''۲۸ برس سے زیادہ ہوئے میں نے کانپور سے بچوں کا ایک پندرہ روزہ پرچہ اخبار ''سعید'' کے نام سے جاری کیا تھا۔ ۱۵ مارچ ۱۹۱۸ء کو پہلا پرچہ نکلا اور تقریباً سات برس جاری رہ کر ۱۵ دسمبر ۱۹۲۴ء کے پرچے کے بعد بند ہو گیا۔''[۲]

حامد حسن قادری کے رسالہ ''اخبار سعید'' کے متعلق علامہ اقبال نے ان لفظوں میں اظہارِ خیال کیا ہے:

''اخبار سعید' میں نے دیکھا، بچوں کے لیے نہایت مفید ہے۔ زبان نہایت سلیس اور سادہ ہے اور مطلب بھی بچوں کی سمجھ سے بالاتر نہیں ہیں۔''[۳]

اس پرچے کے متعلق سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی نے اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

''پرچہ سعید بے شک بچوں کے لیے بہت اچھا ہے۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ خط جلی میں نہایت روشن اور صاف چھپا ہے''[۴]

حامد حسن قادری نے کانپور میں ملازمت کے دوران کئی کتابیں بھی لکھیں۔

۱۹۲۰ء میں انھوں نے دو کتابیں ''ہمت کا پھل'' اور ''گدڑی کا لال'' تحریر کیں۔ یہ کتابیں سعید پریس کانپور سے شائع ہوئیں۔

۱۹۲۱ء میں ''الکحل اور زندگی'' لکھی۔ یہ کتاب بھی اسی ادارہ سے شائع ہوئی۔ اسی سال انھوں نے

۱۔ حامد حسن قادری، رسالہ سعید، ص ۴، ادارہ کانپور پریس، کانپور، ۱۵/ مارچ ۱۹۱۸ء

۲۔ حامد حسن قادری، پھولوں کی ڈالی، دیباچہ، ص ۱، کراچی، سپر آرٹ پریس ۱۹۶۸ء

۳۔ حامد حسن قادری، رسالہ سعید، ص ۱۴، جلد اول، ادارہ کانپور پریس، کانپور، ۱۵/ مارچ ۱۹۱۸ء

۴۔ ایضاً

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رابندر ناتھ ٹیگور کی مشہور کتاب دی گارڈنر 'The gardener' کا منظوم ترجمہ ''باغبان'' کے نام سے کیا۔ جسے کلکتہ کے میکملن اینڈ کمپنی نے شائع کیا۔

۱۹۲۲ء میں حامد حسن قادری نے ''کاغذ کے کھلونے'' لکھی۔ یہ کتاب سعید پریس کراچی سے شائع ہوئی۔

۱۹۲۴ء میں حامد حسن قادری نے چار کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ہلال اردو، جمال اردو اور ماہ اردو عزیزی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئیں اور نہال فارسی الہ آباد سے شائع ہوئی۔

آٹھ سال کانپور میں قیام کے بعد ۱۹۲۵ء میں حامد حسن قادری کا تقرر بہ حیثیت لکچرر سینٹ جانس کالج آگرہ میں ہوا۔ یہاں بھی انھوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔

۱۹۲۵ء میں حامد حسن قادری نے سائنسی موضوعات پر مضامین لکھے۔ یہ مضامین ۲۰۰۲ء میں ''مضامینِ کائنات'' کے نام سے لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے کتابی صورت میں شائع ہوئے۔

۱۹۲۶ء میں حامد حسن قادری نے کرسچین دی لارسن کی تصنیف ''دی سائنٹفک ٹریننگ آف چلڈرن'' کا ترجمہ ''فطرتِ اطفال'' کے نام سے کیا۔ یہ کتاب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہوئی۔

۱۹۲۷ء میں حامد حسن قادری نے دو کتابیں ''مرآتِ شعر و سخن اور ترانۂ ہند لکھی۔ یہ دونوں کتابیں سرفراز پریس لکھنؤ سے شائع ہوئیں۔

۱۹۲۹ء میں حامد حسن قادری نے فیضان ابو سعید ابو الخیر کی فارسی رباعیوں کا ترجمہ ''خزانہ رباعیات'' کے نام سے کیا۔ یہ ترجمہ رسالہ ''زمانہ'' کانپور اور رسالہ ''اردو نامہ'' کراچی میں شائع ہوا۔

۱۹۳۰ء میں حامد حسن قادری نے نعتیہ غزلوں کا مجموعہ ''بیاضِ نعتیہ'' مرتب کیا۔ جو مدتوں بعد ۲۰۰۵ء میں طبع ہوا۔

۱۹۳۲ء میں حامد حسن قادری نے غزلوں کا مجموعہ ''مرآتِ سخن دیوانِ غزلیات'' مرتب کیا۔ (یہ کتاب قادری اکیڈمی کراچی سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔) اسی سال حامد حسن قادری رسالہ ''شفق'' کے مدیر ہوئے۔

۱۹۳۴ء میں حامد حسن قادری نے تین کتابیں ''کمالِ داغ: مقدمہ و تنقید''، ''مختصر تاریخِ مرثیہ گوئی''

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اور ''شاہکار انیس'' لکھیں۔ یہ کتابیں آگرہ اخبار برقی آگرہ سے شائع ہوئیں۔

۱۹۳۵ء میں انھوں نے ''خم کدۂ رباعیات'' اور ''بہارِ انتخاب'' مرتب کیں۔

۱۹۳۶ء میں حامد حسن قادری نے ''چمنستانِ اردو'' لکھی۔

۱۹۳۷ء میں حامد حسن قادری نے تاریخی قطعات پر مشتمل دو مجموعے ''خلاصۂ تاریخ'' اور ''گنجینۂ تواریخ'' مرتب کیے۔ یہ کتابیں جناب افضال الرحمٰن صاحب کی نگرانی میں لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئیں۔

۱۹۳۸ء میں حامد حسن قادری نے ''تاریخ وتنقیدِ ادبیاتِ اردو'' اور ''چمنستانِ نثر'' لکھیں۔ یہ کتابیں آگرہ اخبار پریس سے شائع ہوئیں۔

۱۹۴۱ء میں موصوف کی شہرۂ آفاق تصنیف ''داستانِ تاریخِ اردو'' آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئی۔

۱۹۴۴ء میں حامد حسن قادری کی دو کتابیں ''صید وصیاد اور دوسرے افسانے'' اور ''رموزِ خطِ شکست'' آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ سے شائع ہوئیں اور ساتھ ہی انھوں نے سعید نفیسی کے فارسی طنزیہ اور مزاحیہ ڈراموں کا ترجمہ ''ایرانی افسانے'' کے نام سے کیا۔ یہ ترجمہ بھی آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ سے ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا۔ اسی سال حامد حسن قادری کی کتاب ''چمنستانِ ادب'' کے نام سے آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب دو حصوں میں ہے، پہلا حصہ نثر اور دوسرا حصہ شاعری پر مشتمل ہے۔

۱۹۴۵ء میں حامد حسن قادری سینٹ جانسن کالج آگرہ میں صدر شعبۂ اردو اور فارسی ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں حامد حسن قادری نے سلیمان حکیم کی مشہور تمثیل ''یوسف وزلیخا'' کا ترجمہ کیا۔ یہ کتاب مدتوں بعد بھارت آفسیٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔

حامد حسن قادری نے چار ہزار سے زیادہ تاریخی قطعات بھی لکھے۔ یہ قطعات ''دفتر التواریخ، میزان التواریخ، آثار التواریخ اور جامع التواریخ'' میں شامل ہیں۔ حامد حسن قادری نے ان مجموعوں کو اپنی زندگی میں ہی مرتب کرلیا تھا۔ لیکن ان کی اشاعت بعد میں ہوئی۔ ''جامع التواریخ'' بکس انٹرنیشنل لندن سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ ''آثار التواریخ'' یہ بھی کتاب بکس انٹرنیشنل پریس لندن سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ دفتر التواریخ لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا اس میں قطعات کی تعداد ۹۰۰ سے زیادہ

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ہیں۔ میزان التواریخ لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔ اس میں قطعات کی تعداد ۱۴۳۵ ہے۔ حامد حسن قادری نے امام الدین رامپوری کی مشہور تصنیف ''تحفۂ کرامت مجمع الکرامات'' کا ترجمہ ''مجمع الکرامات'' کے نام سے کیا۔ یہ کتاب آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئی۔ اس ترجمہ میں حضرت شاہ جمال اللہ اور حضرت محبوب الٰہی کے حالاتِ زندگی بھی درج ہیں۔

۱۹۵۱ء میں حامد حسن قادری نے ''جج اکبر: انتخابِ اکبرالہ آبادی'' مرتب کی۔ یہ کتاب بھی لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ اس تصنیف میں اکبرالہ آبادی کی مختصر سوانح حیات اور ان کے کلام کا انتخاب شامل ہے۔

۱۹۵۴ء میں حامد حسن قادری کی مرتبہ ''انتخابِ دیوانِ مومن مع شرح وتنقید'' سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

۱۹۵۷ء میں حامد حسن قادری نے اسٹرلنگ نارتھ (Sterling Narth) کی مشہور کتاب "ABE Lincoln log cabin to white house" کا ترجمہ ''ابراہم لنکن جھونپڑی سے ایوانِ صدر تک'' کے نام سے کیا جسے دفتر پنجاب اردو مرکز لاہور نے انجمن پریس کراچی سے شائع کیا۔

۱۹۵۷ء میں حامد حسن قادری پاکستان اپنے بیٹوں کے پاس چلے گئے۔ یہاں بھی انھوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس دوران ن کی کئی کتابیں دوبارہ شائع ہوئیں۔

حامد حسن قادری کی مرتب کردہ کتاب ''پھولوں کی ڈالی'' ان کے بیٹے ماجد حسن فریدی کی نگرانی میں سپر آرٹ پریس قادری اکادمی کراچی سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔

۱۹۹۵ء میں حامد حسن قادری کی سو رباعیات وقطعات کا مجموعہ ''گلِ صد برگ'' ماجد حسن فریدی کی نگرانی میں قادری اکادمی کراچی سے شائع ہوا۔

حامد حسن قادری کے خطوط کا پہلا مجموعہ ڈاکٹر خالد حسن قادری نے ''مکتوباتِ قادری'' کے نام سے مرتب کیا۔ یہ مجموعہ فرید آرٹ پریس کراچی سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں حیرت شملوی کو لکھے گئے خطوط شامل ہیں۔

۱۹۹۹ء میں حامد حسن قادری کے خطوط کا دوسرا مجموعہ ''خطوطِ قادری'' فرید آرٹ پریس کراچی سے شائع ہوا۔ اس مجموعہ کے بیشتر خطوط میں شعر وشاعری سے متعلق دلچسپ اور بصیرت افروز گفتگو کی گئی ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اس کے زیادہ تر خطوط نظیر صدیقی، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی، مالک رام اور مولوی سید حامد علی سنبھلی کے نام ہیں۔ اکثر خطوط طویل ہیں۔

حامد حسن قادری کے تاریخی قطعات کا مجموعہ ''سفینۂ تواریخ'' افضال الرحمٰن صاحب کی نگرانی میں لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔

۲۰۰۲ء میں حامد حسن قادری کے مقالات کا مجموعہ ''ادبی مقالات'' کے نام سے لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوا۔ اس مجموعے کے بیشتر مقالات تنقیدی ہیں۔ مقالات کا دوسرا مجموعہ ''مقالاتِ قادری'' کے نام سے زیرِ طبع ہے۔

''خطوطِ قادری'' میں شامل اطلاع کے مطابق حامد حسن قادری کی تین کتابیں ''کلامِ انتخابِ بیدل عظیم آبادی''، ''مضامینِ قادری'' اور ''غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین'' زیرِ طبع تھیں۔ مگر کچھ سال قبل ''غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین'' غالب انسٹی ٹیوٹ کراچی پاکستان سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہو چکی ہے۔

''ہماری زبان'' کے ایڈیٹر آل احمد سرور صاحب نے ۸ جولائی ۱۹۶۴ء کے شمارے میں حامد حسن قادری کی درج ذیل غیر مطبوعہ کتابوں کا ذکر کیا تھا:

اسبق الظفر

انتخابِ راز رامپوری

انتخابِ رسا رامپوری

انتخابِ دیوانِ غالب (اردو)

انتخابِ دیوانِ غالب (فارسی)

انتخابِ مرزا بیدل

انتخابِ میر درد

تصویر التواریخ

تذکرے و تبصرے

جلوہ گاہِ تضمین

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کنز الکرامات

جوہر شناسی اور دوسرے افسانے

تنقیدات پر ایک نظر

شجرۃ الاولیاء

شجرۃ الانبیاء

حامد حسن قادری اچھے کھانے کے شوقین تھے۔ سیخ کباب، شامی کباب، نرگسی قوفتہ، پسندے، چانپ اور چکنائی والی بوٹیاں پسند کرتے تھے۔ اپنے ۲۰/اکتوبر ۱۹۴۸ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''میں اچھا ہوں ...(عید کے روز) بعض احباب نے ڈیڑھ سو دو سو کو ایک ایک بکرا خریدا اور ڈھیر گوشت ہمارے گھر بھیج دیا پھر کیا تھا۔ کیسا بخار اور کہاں کا پرہیز۔ گوشت کیا تھا موٹی موٹی چکنائی سے محتاط و محصور۔ میں نے بھی خوب اڑایا... عمدہ گوشت کو میں بغیر روٹی کی لاگ کے کھایا کرتا ہوں۔''[۱]

میٹھی چیزوں میں فیرنی، میٹھے ٹکڑے، حلوا زیادہ پسند تھا۔ زردہ کے متعلق اپنے شعری مجموعہ ''مرآت سخن دیوانِ غزلیات'' کے دیباچے میں ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''...مجھے اس زمانے میں زردہ بہت پسند تھا...اب مجھے زردہ ناپسند ہے کہ کسی دعوت میں زردہ کبھی نہیں کھاتا، فیرنی میٹھے ٹکڑے، حلوا، پڈنگ، ہر میٹھی چیز کھاتا ہوں، لیکن زردہ کی طرف بالکل رغبت نہیں ہوتی۔... بورڈنگ ہاؤس (محسن وارڈ) میں رہا۔ ڈائننگ ہال کا کھانا کھاتا تھا۔ وہاں ہفتہ میں ایک بار زردہ بھی ہوتا تھا۔ لیکن اتنا بُرا اور بدمزہ ہوتا تھا کہ اس کو کھاتے کھاتے آخر زردہ ہی سے نفرت ہوگئی۔''[۲]

حامد حسن قادری پھلوں میں آم پسند کرتے تھے۔ اپنے دوست حفیظ الرحمٰن صاحب کو آموں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ۳۰ جون ۱۹۵۳ء کے خط میں لکھتے ہیں:

''...آج بلٹی ملی اور پارسل آ گیا۔ محفوظ پہنچا۔ اسٹیشن سے گھر تک قلی پر رس ٹپکتا آیا۔

۱۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، حامد حسن قادری، رسالہ نقوش، (شخصیات نمبر)، ص ۲۸۰، شمارہ ۴۷-۴۶، ادارہ فروغ اردو، لاہور جنوری ۱۹۵۵ء

۲۔ حامد حسن قادری، مرآۃ سخن: دیوانِ غزلیات، دیباچہ، ص ۱۵، کراچی، قادری اکادمی، ۱۹۹۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

چھوٹے آم نیچے تھے بالکل دب کر بہہ گئے۔ بڑے آم بھی دب کر نرم ہو گئے۔ بہر حال خوب آئے۔ کھائے ہی جائیں گے۔ بہت بہت شکریہ۔''[۱]

حامد حسن قادری پان کثرت سے کھایا کرتے تھے۔

لباس کے معاملے میں نفاست پسند تھے۔ چھوٹی بوٹی کے چکن کی صاف دھلی ہوئی شیروانی، بغیر نوک والی پلّے کی بیل دار سفید ٹوپی، علی گڑھ کٹ کا پاجامہ پہنتے تھے۔

انھیں تصویریں کھینچنے کا بھی شوق تھا۔ انھیں نیچرل تصویریں زیادہ پسند تھیں۔ انھوں نے تصویر نکالنے کے لیے اپنے گھر میں ڈارک روم بھی بنا رکھا تھا۔

تاریخ گوئی کا بھی خاص شوق رکھتے تھے۔ اس امر کے متعلق خود حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''مجھے تاریخ گوئی کا اس قدر خبط ہے کہ اس میں بڑا وقت ضائع ہوا ہے اور ہوتا رہتا ہے''[۲]

ایک جگہ اور لکھتے ہیں:

''...ایک عجیب وغریب خبط تاریخ گوئی کا تھا۔ جس کو میں اپنا ''مرض مزمن'' کہا کرتا ہوں۔''[۳]

حامد حسن قادری پاکستان جانے کے سات سال بعد ۶ جون ۱۹۶۴ء کو عصر اور مغرب کے درمیان اس دنیا سے رخصت ہوئے، پاپوش نگر کے ایک قبرستان میں انھیں سپردِ خاک کیا گیا۔

ان کی وفات پر ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کے ادبی حلقوں میں گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔

اردو کے مشہور نقاد اور ہفتہ وار اخبار ''ہماری زبان'' کے ایڈیٹر پروفیسر آل احمد سرور نے خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا:

''حامد حسن قادری بھی چل بسے۔ کراچی کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ حامد حسن قادری کا انتقال ''سنیچر ۶ جون ۱۹۶۴ء کو کراچی میں ہوگیا۔ اردو کے مشہور محقق، معلم اور مصنف

۱۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، حامد حسن قادری، رسالہ نقوش، (شخصیات نمبر)، ص ۲۸۰، شمارہ ۴۷-۴۸، ادارہ فروغ اردو، لاہور جنوری ۱۹۵۵ء

۲۔ حامد حسن قادری، رسالہ اردو نامہ، ص ۴۲، شمارہ ۱۹، کراچی، ترقی اردو بورڈ، جنوری-مارچ ۱۹۶۵ء

۳۔ حامد حسن قادری، رسالہ ادیب، ص ۲۱، ج ۲، شمارہ ۴، دیال پرنٹنگ پریس دہلی، فروری ۱۹۴۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

پروفیسر حامد حسن قادری کا انتقال ہوگیا۔ حق مغفرت کرے۔ عجب آزاد مرد تھا۔''[۱]

رسالہ ''اردو نامہ'' کے ایڈیٹر جناب ممتاز حسین نے ان الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا:

''اردو کے سربرآوردہ ادیب و نقاد مولانا الحاج حامد حسن قادری نے ہفتہ ۶ جون ۱۹۶۴ء کراچی مابین عصر و مغرب داعی اجل کو لبیک کہا۔ پاپوش نگر کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔''[۲]

کتاب ''سیرت امیر ملت'' میں محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں:

''آپ نے کراچی میں ۶ جون ۱۹۶۴ء مطابق ۲۶ محرم ۱۳۸۴ھ کو وفات پائی اور پاپوش نگر کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے''[۳]

حامد حسن قادری کے انتقال پر شمیم صہبائی متھراوی نے قطعۂ تاریخ وفات لکھا:

''حامد حسن قادری رحلت فرما گئے

۱۳۸۴ھ

اندوہ انتقال حامد حسن قادری نہ پوچھو
غم کی خبر وصال حامد حسن قادری سے نکلی
تاریخ انتقال حامد حسن قادری جو ڈھونڈھی
''تاریخ انتقال حامد حسن قادری'' سے نکلی''[۴]

۱۹۶۴ء

پروفیسر محمد اسلم اپنی کتاب ''خفتگانِ کراچی'' ص ۱۵۹-۱۶۰ میں حامد حسن قادری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پروفیسر مولانا حامد حسن قادری بچھرایوں ضلع مراد آباد کے رہنے والے اور پروفیسر طاہر

۱۔ آل احمد سرور، اخبار ہماری زبان، ج ۲، شمارہ ۲۳، ص ۲، ۵ جون ۱۹۶۴ء

۲۔ ممتاز حسین، ایڈیٹر اردو نامہ، شمارہ ۱۹، ص ۴۸، کراچی ترقی بورڈ، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء

۳۔ محمد طاہر فاروقی، سیرت امیر ملت، طبع سوم، ص ۷۳۴، کراچی، ۱۴۱۰ھ

۴۔ شمیم صہبائی، متھراوی، رسالہ قومی زبان، ص ۵۲، ج ۲۵، شمارہ ۸، کراچی، انجمن ترقی اردو، جون جولائی ۱۹۶۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

فاروقی کے ابن عم تھے۔ آزادی سے قبل ان کا تعلق سینٹ جانس کالج آگرہ سے رہا۔ اردو ادب کے نقادوں میں ان کا بڑا اونچا مقام ہے۔ مرحوم اہل دل بزرگ تھے اور حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری نے انہیں خلافت سے نوازا تھا۔ ان کا مزار اسی راستے پر ہے جس پر محمود الحسن بہارکوٹی کی قبر ہے۔ ان کے مزار پر چھتری بنی ہوئی ہے اور ان کی قبر کے سرہانے جو کتبہ نصب ہے اس پر یہ عبارت مرقوم ہے:

۷۸۶

۹۲

اللہ

باسمہ اللہ العلی الوہاب الحفیظ

تربت عنبرین

۱۳۸۴ھ

جناب مولانا الحاج حامد حسن قادری نور اللہ مرقدہ

۱۳۸۴ھ

خلیفۂ مجاز محبوب سبحانی امیر ملت قبلہ عالم قطب الاقطاب

محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۶۴ء ۱۹۶۴ء

جو ذات ہوئی فخر رسولاں سلف
حاصل ہے مجھے اس کی غلامی کا شرف
مرقد میں فرشتوں سے کہوں گا حامد
کھڑکی کوئی کھول دو مدینے کی طرف

.....

کیا خاک ہے اس دہر کے ویرانے میں
راحت ہے جہاں سے گزر جانے میں

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

آتشکدۂ حرص و ہوا تھی دنیا
آرام ملا قبر کے تہہ خانے میں

پیدائش	وفات
۲۹ جمادی الثانی تیرہ سو چار	۲۳ ماہ محرم تیرہ سو چوراسی
۲۵ از مارچ بروز سنیچر ۱۸۸۷ء	۶ ماہ جون ۱۹۶۴ء

جائے پیدائش اقدس بچھرایوں ضلع مراد آباد

قادری صاحب کی قبر سے جانب قبلہ ان کی اہلیہ محترمہ کی قبر ہے۔ ان کے لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے:

پاک باطن محترمہ.....رضی اللہ عنہا

۱۹۷۴ء

اہلیہ پروفیسر حامد حسن قادری نور اللہ مرقدہ

۱۹۷۴ء

بی صاحبہ ولادت ۱۳ دسمبر ۱۸۹۴ء بچھرایوں [1]

☆

[1] پروفیسر محمد اسلم، خفتگانِ کراچی، طبع اول، ص ۱۵۹-۱۶۰، ادارہ تحقیقات، پاکستان، دانش گاہ پنجاب لاہور، نومبر ۱۹۹۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

باب دوم

بہ حیثیت مؤرخِ ادب

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تاریخ کے لیے انگریزی میں لفظ ہسٹری History مستعمل ہے جو لاطینی کے لفظ Historia سے ماخوذ ہے۔ لاطینی میں Historia کے معنی اطلاع فراہم کرنا، تحقیق کرنا، اور معلومات حاصل کرنے کے ہیں انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopadia of Britanica) کے Vol II میں اس کی یہ تعریف درج ہے۔

"As the record of facts and an facts themselves."[1]

واقعات وحقائق کو بعینہ قلم بند کرنا، تاریخ بیان کرنے کے مترادف ہے۔ اردو میں لفظ تاریخ کا مادہ ''ارخ'' ہے۔ القاموس المنجمد اور محیط المحیط میں ''ارخ'' کا مفہوم احادیث اور حقائق کا مجموعہ لکھا ہے۔ واقعات اور حادثات کو تاریخی تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان کرنا اس کے مفہوم میں شامل ہے۔

جب ہم تاریخ ادب کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی زبان میں عہد بہ عہد ہونے والی تبدیلیوں کا ادب کے حوالے سے مطالعہ۔ اس میں اس زبان کا شعری وادبی سرمایہ بھی شامل ہے اور ادبا شعرا، محققین اور ناقدین کی علمی کاوشیں بھی۔

بہ قول ڈاکٹر سلیم اختر:

''ادب کی تاریخ کا معاملہ عام تاریخ کے مقابلے میں خاصا نازک اور پیچیدہ ہے، اس لیے کہ یہ تاریخ کے مروّج تصور کے مطابق محض ایّام شماری نہیں اور نہ ہی معلومات و کوائف مرتّب کرنا ہے۔ اگر چہ تاریخ میں یہ سب کچھ بھی شامل ہے۔ لیکن بنیادی طور پر یہ تخلیق اور تخلیق کاروں کا مطالعہ ہے۔ اگر ایک طرف تاریخ ادب سے تخلیق کی معیاری بندی ہوتی ہے تو دوسری طرف تخلیق کاروں کی انسانی اور تخلیقی شخصیت کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے..... کسی زبان کی جغرافیائی حدود سے مخصوص لسانی، روحانی، تہذیبی،

---

[1] Encyclopaedia of Britanica. Vol.II. P:594

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تمدنی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی عوامل و محرکات کے عمل اور ردعمل سے تشکیل پانے والے ذہنی تناظر میں وقوع پذیر ہونے والی تخلیقات کی معیار بندی، لسانی مضمرات اور تخلیقی شخصیات کا مطالعہ ... ادبی مورخ کا بنیادی فریضہ ہے''۔[۱]

جمیل جالبی اپنی کتاب ''تاریخِ ادب اردو'' جلد اول کے پیشِ لفظ میں تاریخِ ادب کی تعریف ان جملوں میں کرتے ہیں:

''ادب کی تاریخ ایک ایسی اکائی ہے، جسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ خود جدید ادب کو سمجھنے کے لیے قدیم ادب کا سمجھنا ضروری ہے۔ ادب کی تاریخ وہ آئینہ ہے جس میں ہم زبان اور اس زبان کے بولنے والوں اور لکھنے والوں کی اجتماعی و تہذیبی روح کا عکس دیکھ سکتے ہیں۔ ادب میں سارے فکری، تہذیبی، سیاسی، معاشرتی، لسانی عوامل ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک وحدت، ایک اکائی بناتے ہیں اور تاریخِ ادب ان سارے اثرات، روایات، محرکات اور خیالات و رجحانات کا آئینہ ہوتی ہے''۔[۲]

ادب کی تاریخ کس طرح لکھی جائے، کن اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے، کن باتوں کو شاملِ کتاب کیا جائے اور کن باتوں کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے۔ ان سوالوں پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ مختلف مورخینِ ادب نے الگ الگ انداز اپنائے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی کتاب ''تاریخِ ادب اردو'' میں "Eclectism" کے طریقہ کو اپنایا ہے۔ یعنی ہر نوع کے نظام فکر سے استفادہ کیا ہے اور معاشرتی تہذیبی عوامل کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے میر تقی میر اور دوسرے شاعروں کے مطالعہ میں ذاتی معاملات کو نگاہ میں رکھا ہے۔ رام بابو سکسینہ نے بھی اسی نقطہ نظر کو اپنی انگریزی کتاب ''ہسٹری آف اردو لٹریچر'' میں استعمال کیا ہے۔

تخلیق، تحقیق اور تنقید کی طرح ادب کی تاریخ بھی کسی ایک شخص کے تحریر کا نتیجہ ہوتی ہے۔ تاریخِ ادب لکھنے والے کا اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے جس سے وہ کسی فن پارے کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی تاریخِ ادب اردو میں جو خامیاں نکالی گئیں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی یہ تاریخ کئی

۱۔ ڈاکٹر سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ: آغاز سے ۲۰۰۰ء تک، ص ۱۵-۱۶، نئی دہلی، کتابی دنیا ۲۰۰۵ء

۲۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخِ ادب اردو، ج اول، ص ز، نئی دہلی، عفیف پرنٹرس ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مورخین کی کاوشوں کا نتیجہ تھیں۔

مختلف محققین کے یہاں سنین کا اختلاف تھا اور ایسا ہونا ناگزیر ہے سب کی ایک رائے تو نہیں ہوسکتی۔ قسم قسم کے مواد پر نظر ثانی کرنے کے لیے مدیر کا ہونا ضروری ہے۔

تاریخِ ادب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں صرف مستند واقعات کو ہی جگہ دی جائے، نئی تحقیق سے فائدہ اٹھایا جائے۔ مؤرخِ ادب کے لیے ذوق سلیم اور تنقیدی نظر کا ہونا ضروری ہے۔ مؤرخِ ادب کے پاس تنقید کرنے والا ذہن اور پرکھنے والی آنکھیں ہوں گی تو وہ کسی شاعر یا مصنف کے فن پارے کی خوبی اور خامی میں فرق کر پائے گا۔ ادب کی تاریخ لکھنے والے کے لیے ذوق سلیم، تنقیدی نگاہ، تحقیقی ذہن کے ساتھ ان تھک محنت کرنے کا حوصلہ بھی ضروری ہے۔

شعرائے اردو کے احوال اور نمونۂ کلام تذکروں میں ملتے ہیں۔ ان تذکرے کو تاریخ نہیں کہہ سکتے البتہ ان میں تاریخی مواد ضرور مل جاتے ہیں۔ تذکرے اور ادبی تاریخ کی درمیانی کڑی کے طور پر محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات'' کا نام لیا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۰۷ء میں لکھی گئی۔ بعض نقادوں نے اسے جدید طرز کا تذکرہ کہا ہے اور بعض اسے ادبی تاریخ کا اولین نمونہ قرار دیتے ہیں۔ ''آبِ حیات'' کے بعد آہستہ آہستہ ادبی تاریخ نگاری کے لیے راہ ہموار ہونے لگی۔ اس جگہ بعض ابتدائی تاریخوں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

نصیر حسین خاں خیال کی کتاب ''داستانِ اردو'' ادارہ اشاعت حیدرآباد سے ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ محمد اقبال سلیم ''داستانِ اردو'' کے پیشِ لفظ میں ص ۵ پر لکھتے ہیں:

> ''۱۹۱۶ء میں آپ جب اردو کانفرنس منعقدہ لکھنؤ کے صدر منتخب ہوئے اور اس موقع پر آپ نے جو خطبہ سنایا وہ آپ کی ضخیم تصنیف ''داستان اردو'' کا مکمل خاکہ ہے۔''[1]

اس کتاب میں انھوں نے آرین اور نوآرین کی مختصر تاریخ لکھی ہے۔ ان کے علاوہ عربی، فارسی، پالی، ترکی، بھاکھا، برج بھاشا، سندھی اور دوسری پراکرت زبانوں کے تذکرے اپنی کتاب میں شامل کیے ہیں۔ برج بھاشا کو اردو کا دوسرا روپ بتایا ہے۔ اردو زبان کے آغاز و ارتقا میں بادشاہ اکبر سے لے کر فورٹ ولیم کالج کے قیام تک مختلف شاعروں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

---

[1] نصیر حسین خاں خیال، داستانِ اردو، ص ۵، حیدرآباد، دارالاشاعت ۱۹۱۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نصیر حسین خاں خیال نے اپنی کتاب میں گجرات، پنجاب کے علاقوں اور ولی دکنی، خوب محمد چشتی اور شاہ باجن وغیرہ شخصیات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ انھوں نے امیر خسرو کی غرۃ الکمال کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا ہے اور بابر، اکبر، جہانگیر، اورنگ زیب، شاہ جہاں کو اردو کا سرپرست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''داستانِ اردو'' میں اردو کے ارتقا کا صحیح خاکہ سامنے نہیں آتا ہے۔ یہ کتاب صرف معلومات فراہم کرنے کا ذریعہ معلوم ہوتی ہے۔

سید نصیر الدین ہاشمی کی کتاب ''دکن میں اردو'' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۳ء میں ادارہ ادبیاتِ اردو حیدرآباد نے شائع کیا۔ زیر نظر دوسرا ایڈیشن قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب ۹۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مقدمہ میں سید نصیر الدین ہاشمی نے دکن میں اردو کی ابتدا، شمالی ہندوستان میں اردو کے اولین نقوش اور نشو نما، ولی کا شمالی ہندوستان کا سفر، شمالی ہند کے شعرا کے اثرات اور دکن میں اردو کے ارتقا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

سید نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب ''دکن میں اردو'' کو آٹھ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ آخر میں اخبار، رسالہ اور انجمن کا ذکر مفصل کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ کن اخبارات، رسائل اور انجمنوں نے اردو کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

مولوی محمد یحییٰ تنہا کی کتاب ''سیر المصنفین'' دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد دار الاشاعت غازی آباد سے ۱۹۲۴ء میں منظر عام پر آئی اور دوسری جلد مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ دونوں جلدیں نثری تاریخ ہیں۔ پہلی جلد دو ادوار پر مشتمل ہے۔ پہلا دور ۱۷۹۸ء سے ۱۸۳۶ء تک، دوسرا دور ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۷ء تک پھیلا ہوا ہے۔ دوسری جلد میں تیسرا دور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء اور چوتھا دور ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۴ء تک ہے۔ پہلی جلد ۲۲۶ صفحات اور دوسری جلد ۶۴۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ابتدا میں ''اردو کی پیدائش اور مختلف نظریات'' سے بحث کی گئی ہے۔ دیباچہ کے بعد تمہید ہے جس میں ''اردو ہندوستان کی مشترکہ زبان'' کے عنوان کے تحت زبان اور اس کی شرائط سے بحث کی گئی ہے اور انگریزی، فرانسیسی فرہنگ نویسوں کے خیالات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ تنہا نے اردو رسم خط سے بحث کرتے ہوئے اردو کی موجودہ رسم خط کی وکالت کی ہے۔ اس کتاب میں حقائق کی غلطیاں بھی ہیں۔

مرزا جان طپش کو طپش لکھا ہے۔ اسی طرح محمد خلیل علی خاں اشک کو محمد خلیل اللہ خاں اشک لکھا ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

للولال جی کے متعلق لکھتے ہیں:

''سری للو نے فصیح ہندی نثر کی بنیاد ڈالی اور متعدد کتابیں لکھیں اور فی الحقیقت ہندی نثر کے حق میں مسیحائی کی''[1]

حکیم سید شمس اللہ قادری کی کتاب ''اردوئے قدیم'' پہلی بار مضامین کی شکل میں ''قدیم شعرائے اردو'' کے عنوان سے رسالہ ''لسان العصر'' لکھنؤ میں ۱۹۱۰ء میں چار قسطوں میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن (۱۵۵ صفحات پر مشتمل) ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا اور ۶۰ صفحات کے اضافے کے بعد دوسرا ایڈیشن منشی نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۹۶۷ء میں منظر عام پر آیا۔ اس کتاب میں عادل شاہی سلطنت، قطب شاہی سلطنت اور مغلیہ سلطنت کے دس شاعروں کے تذکرے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں مرتب نے اردو زبان کی ابتدا سے بحث کی ہے اور محمد حسین آزاد کے اس خیال سے اتفاق کیا ہے کہ اردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔ اردو کے معنی ''لشکر'' بتایا ہے اور اردو کو ''لشکری'' کہا ہے اور لکھا ہے کہ قدیم اردو شعرا اردو کو ''ریختہ'' کہا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ سلطنت بہمنی، سلطنت گجرات، شعرائے اورنگ آباد، دہلی میں زبان اردو، نثر اردو کے عنوان کے تحت زبان کا جائزہ لیا ہے۔

اس کتاب میں معراج العاشقین، سب رس، شمائل الاتقیا، اسرار التوحید، معرفت السلوک، شرح مرغوب القلوب کے اقتباسات درج ہیں۔ شیخ بہاء الدین باجن کی کتاب خزانۂ رحمت غلط ہے ''خزائن رحمت اللہ'' ہونا چاہیے تھا۔ ملا وجہی کی مشہور مثنوی قطب مشتری کا نام نہیں لکھا ہے۔

شمس اللہ قادری نے اپنی کتاب میں گولکنڈہ، بیجاپور، اورنگ آباد کے شاعروں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے مگر احمد آباد، گجرات کے کسی شاعر کا ذکر نہیں کیا۔ اردو نثر کا اختصار سے ذکر کیا گیا ہے۔ شمالی ہند کے نثر نگاروں میں عطا حسین تحسین، فضل علی فضلی وغیرہ کی نثر کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

مولوی محمد عبد الرحمٰن کی کتاب ''مراۃ الشعراء'' ۳۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب پہلی بار دہلی سے ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی اور دوسرا ایڈیشن انجمن ترقی اردو ہند اورنگ آباد سے ۱۹۴۹ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ کتاب پانچ ادوار میں تقسیم ہے۔ ہر دور دو طبقے پر مشتمل ہے۔

دورِ اول: ۱۷۰۰ء سے ۱۷۳۹ء تک ہے، پہلے طبقہ میں مضمون، ولی، سراج، ناجی، آبرو، احسن اور

---

[1] مولوی محمد یحییٰ تنہا، سیر المصنفین، ج اول، ص ۱۲۰، دہلی، جمال پرنٹنگ پریس ۱۹۷۶ء

دوسرے طبقے میں میراں جی، یعقوب ہیں۔

دورِ دوم: ۱۷۳۹ء سے ۱۷۶۱ء تک ہے۔ طبقہ اول کے شاعروں میں حاتم، آرزو، مظہر، فغاں اور طبقۂ دوم میں یقین، تاباں، داؤد، عزلت، حزیں، کلیم، عاجز، بیاں، آرام اور مخلص ہیں۔

دورِ سوم: ۱۷۶۱ء سے ۱۸۰۰ء تک ہے۔ اس عہد کے پہلے طبقے میں درد، سودا، قائم میر تقی میر اور دوسرے طبقے میں ہدایت، ضیاء، فارغ، اثر، سوز، بقا، محبّ، فراق، رنگین، نثار، راسخ اور بیدار ہیں۔

دورِ چہارم: ۱۸۰۰ء سے ۱۸۳۸ء تک ہے۔ پہلے طبقے میں حسن، جرات، انشا، مصحفی، نظیر اور دوسرے طبقے میں حسرت، نصیر، شہیدی، جوش ہیں۔

دورِ پنجم: ۱۸۳۰ء سے ۱۸۷۰ء تک ہے۔ پہلے طبقے میں ناسخ، آتش، مومن، غالب، ذوق، انیس اور دبیر ہیں۔ دوسرے طبقے میں وزیر، ظفر، صبا، رند، امیر، نسیم لکھنوی، ممنون، نسیم دہلوی، قلق اور شیفتہ ہیں۔

اس کتاب میں عزلت کی مثنوی ''راگ مالا'' کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ سعدی برہان پوری کو سعدی دکنی لکھا ہے۔ وجدی کی مثنوی ''تحفۂ عاشقان'' کو وجیہ الدین کی مثنوی لکھا ہے۔

''اربابِ نثر اردو'' فورٹ ولیم کالج کے اردو نثر نگاروں کا تحقیقی اور تنقیدی تذکرہ ہے۔ جسے مولوی سید محمد نے لکھا اور اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں منظر عام پر آیا۔ دوسرا ایڈیشن انجمن ترقی اردو ہندی نئی دہلی سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ موصوف نے شمالی ہند میں اردو کا پہلا مرکز فورٹ ولیم کالج کو بتایا ہے۔

فورٹ ولیم کالج کے متعلق مولوی سید محمد لکھتے ہیں:

> ''شمالی ہند میں اردو نثر نویسی منظم و مربوط طور پر سب سے پہلے اسی کالج کی طرف سے عمل میں آئی۔''[1]

انھوں نے لارڈ ویلزی کو اس کالج کا بانی اور ڈاکٹر گل کرسٹ کو نگراں بتاتے ہوئے ان کے حالات زندگی اور ادبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ فورٹ ولیم کالج میں ملازمت کرنے والے مصنفین کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس کتاب سے فورٹ ولیم کالج کا مکمل تعارف سامنے آجاتا ہے۔ یہ کتاب اپنے عہد کے تاریخی تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔

---

[1] مولوی سید محمد، اربابِ نثر اردو، ص ۲، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو ہندی، ۱۹۳۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رام بابو سکسینہ کی انگریزی کتاب ''ہسٹری آف اردو لٹریچر'' کا ترجمہ مرزا محمد عسکری نے ''تاریخِ ادب اردو'' کے نام سے کیا تھا۔ پہلی بار یہ کتاب ۱۹۲۸ء میں منظر عام پر آئی اور دوسرا ایڈیشن نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا مقدمہ فاضل لکھنوی، تمہید رام بابو سکسینہ اور تقریظ سر تیج بہادر نے لکھی ہے۔ زیر نظر کتاب ۶۰۸ صفحات اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ان دونوں حصوں کے انڈکس الگ الگ ہیں۔ پہلا حصہ اردو نظم کی تاریخ ہے۔ جو ۱۴/ابواب پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں اردو نثر کی تاریخ ہے جو پانچ ابواب پر منقسم ہے۔

حصہ شاعری کے پہلے باب میں اردو کی ابتدا، فارسی الفاظ اور تراکیب اور اردو رسم الخط سے بحث کی گئی ہے۔

دوسرے باب میں اردو ادب کی ترقی اور تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔

تیسرے باب میں اردو شاعری کی عام خصوصیات اور شاعری کی اصناف پر تبصرہ ہے۔

چوتھے باب میں دکن کی سلطنتوں اور قدیم شاعروں کا ذکر کرتے ہوئے اورنگ آباد کے شاعروں میں ولی اور سراج کے کلام پر تبصرہ کیا ہے۔

پانچویں، چھٹے، ساتویں اور آٹھویں باب میں حاتم، آبرو، میر، سودا، انشا، مصحفی، ناسخ اور آتش کے حالاتِ زندگی اور کلام کے نمونے ہیں۔

نویں باب میں نواب واجد علی شاہ اور دبستان لکھنؤ کا ذکر ہے۔

دسویں باب میں اردو مرثیہ اور مرثیہ نگاروں کے کلام پر تبصرہ ہے۔

گیارھویں باب میں نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

بارھویں باب میں ذوق اور غالب کی شاعرانہ خصوصیات سے بحث کی گئی ہے۔

تیسرھویں باب میں رام پور اور حیدر آباد سے وابستہ شاعروں کا ذکر ہے۔

چودھویں باب میں اردو نظم اور آزاد، حالی کی نظم گوئی پر تبصرہ ہے۔

پندرھویں باب میں اردو نثر کی ابتدا اور ترقی کا ذکر ہے۔

سولھویں باب میں نثر اردو کا درمیانی دور ہے۔

سترھویں باب میں اردو کے ابتدائی ناول نگاروں کا ذکر ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اٹھارھویں باب میں اردو ڈرامہ کی ابتدا اور ترقی سے بحث کی ہے۔

انیسواں باب اردو زبان کی خوبیاں اور مؤرخین کے نظریات پر مشتمل ہے۔

احسن مارہروی کی کتاب ''تاریخ نثر اردو نمونۂ منثورات'' مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۶۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور چھ ادوار میں منقسم ہے۔ ہر دور سو سال کا احاطہ کرتا ہے۔

پہلا دور	۱۳۹۸ء سے ۱۴۹۴ء
دوسرا دور	۱۴۹۵ء سے ۱۵۹۲ء
تیسرا دور	۱۵۹۳ء سے ۱۶۸۹ء
چوتھا دور	۱۶۸۹ء سے ۱۷۸۶ء
پانچواں دور	۱۷۸۷ء سے ۱۸۸۳ء
چھٹا دور	۱۸۸۴ء سے ۱۹۳۰ء

اس کتاب میں مذہبی، اخلاقی، سیاسی، قانونی، دفتری، مکتوباتی، اخباری، تقریری، اشتہاری نثر کے نمونے ہیں۔ مقدمہ ۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مرتب نے مقدمہ میں اردو زبان کی ابتدا، لفظ اردو کی تحقیق اور اردو زبان کی خصوصیات، زبان کس طرح بنتی ہے، زبان کی افزائش، اردو نظم کے اولین نمونے، شمالی ہند میں اردو زبان کیوں دیر میں مروّج ہوئی، اردو زبان کا عام اثر، اردو زبان کی باقاعدہ تدوین، اردو کے متعدد نام، اردو نثر کی تصنیف کی ابتدائی کتابوں کے نام، موجودہ اردو کی ابتدا، عدالتی اور کتابی اردو وغیرہ سے بحث کی ہے۔

آغا محمد باقر کی کتاب ''تاریخ نظم ونثر اردو'' امرت سر کے راما آرٹ پریس سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۳۷۶ صفحات اور دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں تاریخ نظم اردو اور دوسرے حصے میں تاریخ نثر اردو سے بحث کی گئی ہے۔ پہلے حصے میں اردو زبان کے آغاز وارتقا، اردو شاعری کی عام خصوصیات اور قلی قطب شاہ سے لے کر علامہ اقبال تک کا ذکر ہے۔

دوسرے حصے کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے دور کا عنوان ''اردو نثر کی ابتدا اور ترقی'' ہے۔ اس دور میں پادریوں کی کاوشوں کا ذکر ہے۔ دوسرا دور ''نثر اردو کا دور متوسط اور جدید'' کے عنوان سے ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

یہ نواب فقیر محمد گویا وغیرہ کے ذکر پر مشتمل ہے۔ تیسرے دور کا عنوان ''اردو ناول کی ابتدا'' ہے۔ اس میں سرشار سے نیاز فتحپوری تک کا ذکر ہے۔

چوتھا دور اردو ڈرامہ ہے۔ امانت لکھنوی کو اردو کا پہلا ڈرامہ نگار بتاتے ہوئے اُس دور کے ڈراموں کی اصلاح اور ترقی سے متعلق تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

پانچواں دور زبان اردو کی خاص خوبیاں اور اس کے متعلق نظریات کے عنوان سے ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی کی کتاب ''نقوشِ سلیمانی'' معارف پریس اعظم گڈھ سے ۲۷/اپریل ۱۹۳۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ان کے خطبات، مقالات اور مقدمات کا مجموعہ ہے اور ۴۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ سید سلیمان ندوی دیباچہ میں یوں رقم طراز ہیں:

''آج کل ملک میں زبان کے مسئلہ سے جس دلچسپی کا اظہار کیا جارہا ہے، اس کو دیکھ کر یہ خیال آیا کہ ہندوستانی زبان و ادب کے تعلق سے اب تک جو تقریریں میری زبان سے اور جو تحریریں میرے قلم سے نکلی ہیں ان کو ایک جگہ شائع کردیا جائے تاکہ لوگوں کو اس مسئلہ کے ہر پہلو کے سمجھنے میں مدد ملے۔ بعد کو جب مجموعہ چھپنے لگا تو مجموعہ کے خیال سے کچھ اور چیزیں بھی اس میں پڑھادی گئیں''[۱]

اس کتاب کا پہلا حصہ خطبات پر مشتمل ہے۔

پہلا خطبۂ صدارت آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس پونا میں پڑھا گیا تھا۔

دوسرا خطبہ ''ہندوستان میں ہندوستانی'' کے عنوان سے انجمن اردوئے معلیٰ مسلم یونیورسٹی میں ۱۹۳۳ء میں پڑھا گیا۔ اس خطبہ میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور بولیوں کا ذکر کیا ہے۔

تیسرا خطبۂ صدارت ۱۶ جنوری ۱۹۳۷ء کو لکھنؤ میں ہندوستانی اکادمی کی پانچویں اردو کانفرنس میں پڑھا گیا۔ اس میں لکھنؤ کی ادبی خدمات کا ذکر ہے۔ اس کتاب کا دوسرا حصہ تیرہ مقالات پر مشتمل ہے۔

پہلا مقالہ اکبر کا ظریفانہ کلام ہے۔ اس میں اکبر کی شاعرانہ خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دوسرا مقالہ: اردو انسائیکلوپیڈیا ہے۔ تیسرا مقالہ: زبان اردو کی ترقی کا مسئلہ، چوتھا مقالہ: ہوم رول سے پہلے (ہوم لنگویج ملکی زبان) ہے۔ پانچواں مقالہ چند سوالوں کے جواب پر مشتمل ہے۔ چھٹا مقالہ ہے ''ہاشم علی کا مجموعہ مراثی''۔ ساتواں مقالہ: بہار کے نوجوان اور ادب کی خدمات ہے۔ آٹھواں مقالہ ''سفر گجرات کی

---

[۱] سید سلیمان ندوی، نقوشِ سلیمانی، دیباچہ، ص ا، اعظم گڑھ، معارف پریس، ۱۹۳۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

چند یادگاریں'' کے عنوان سے ہے۔ نواں مقالہ: بعض پرانے الفاظ کی نئی تحقیق ہے۔ دسواں مقالہ: تمہید ہے اس کے معنی اور دوسرے الفاظ سے بحث کی ہے۔ گیارھواں مقالہ: ہماری زبان ہے بارھواں مقالہ: جواہر الاسرار میں کبیر کی بات چیت ہے۔ تیرھواں مقالہ: اردو کیوں کر پیدا ہوئی ہے۔

اس کتاب کا تیسرا حصہ مقدمات پر مشتمل ہے جس میں گیارہ مقدمے ہیں۔ پہلا مقدمہ: مکتوبات شبلی ۱۹۱۷ء۔ دوسرا مقدمہ: مکتوبات مہدی ۱۹۳۸ء۔ تیسرا مقدمہ: گلستانِ امجد۔ ۱۳۵۴ھ۔ چوتھا مقدمہ: کلام شاد ۱۳۱۴ھ۔ پانچواں مقدمہ: کلیات عشق ۱۹۲۹ء۔ چھٹا مقدمہ شعلہ طور تعارف اور اردو شاعری ۱۹۳۲ء۔ ساتواں مقدمہ: خمستان ۱۹۳۳ء۔ آٹھواں مقدمہ: مسدسِ حالی ۱۹۳۵ء۔ نواں مقدمہ: خیابان ۱۹۳۷ء۔ دسواں مقدمہ عطرِ سخن ۱۹۲۹ء۔ گیارھواں مقدمہ: حقیقت علمی شاعری ۱۳۵۱ھ ہے۔ یہ کتاب ادب کے طالب علموں اور محققین کے لیے مفید اور معلوماتی ہے اور لسانی، ادبی، تہذیبی، تنقیدی اور مذہبی مباحث پر مشتمل ہے۔ ان کتابوں پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اب حامد حسن قادری کی ادبی تاریخوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

اردو ادب کی تاریخ سے متعلق حامد حسن قادری کی تین کتابیں ہیں۔ پہلی کتاب ''تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو'' دوسری کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' ہے جس کے اب تک پانچ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور تیسری کتاب ''خلاصۂ تاریخ'' ہے۔ ''تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو'' پہلی بار جنوری ۱۹۳۹ء میں لکشمی نرائن اگروال پبلشر آگرہ سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے ۴۲ صفحات کا مقدمہ ''مسئلہ زبانِ اردو'' کے عنوان سے ہے اور دس مضامین ہیں۔ آخر میں خلاصۂ تاریخ کے عنوان سے پانچ صفحات میں عہد بہ عہد اردو کے ارتقا کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ پہلے ایڈیشن کا نسخہ شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سیمینار لائبریری میں موجود ہے۔

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۴۷ء میں کچھ ترمیم و اضافے کے ساتھ شائع ہوا۔ جو ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلے نسخہ میں شامل مضامین میں سے ایک مضمون نکال دیا گیا۔ اس مضمون کا عنوان ''آگرہ اسکول'' ہے۔ ''غالب مومن اور ذوق'' اور ''سخن فہمی'' دو نئے مضامین شامل کیے گئے۔ پہلے نسخہ میں جو مقدمہ شامل تھا۔ دوسرے اور تیسرے ایڈیشن میں لفظ مقدمہ ہٹا دیا گیا ہے اور ''مسئلہ زبان اردو'' کے عنوان سے اسے شامل کیا گیا ہے۔ دوسرے اور تیسرے ایڈیشن میں دو صفحہ کا دیباچہ ہے۔ پہلے ایڈیشن میں شامل

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مضامین کی فہرست میں ایک مضمون ''ہمارے مشاعرے'' حامد حسن قادری کا نہیں ہے بلکہ ان کے بھائی عابد حسن فریدی کا ہے۔ جسے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر حامد حسن قادری نے اپنی کتاب میں شامل کرلیا ہے اور پہلے ایڈیشن کے مقدمے میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ یہ وضاحت بھی دوسرے اور تیسرے ایڈیشن کے دیباچہ میں موجود ہے۔ پہلی اشاعت کے بعد مختلف لوگوں نے مختلف رسالوں اور اخباروں میں جو تبصرے لکھے تھے ان میں سے تین تبصروں کے اقتباسات دوسرے ایڈیشن میں کتاب کی پشت پر شائع کیے گئے ہیں۔

کتاب کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس اشاعت میں کوئی تخفیف اور اضافہ نہیں۔ البتہ تبصروں کے اقتباسات جو دوسرے ایڈیشن میں کتاب کی پشت پر تھے انہیں تیسرے ایڈیشن کی ابتدا میں کردیا گیا۔ راقم الحروف کے سامنے کتاب کے تینوں ایڈیشن ہیں۔ تینوں ایڈیشن لکشمی نرائن اگروال پبلشر آگرہ نے شائع کیے ہیں۔ دوسرے ایڈیشن کے متعلق حامد حسن قادری اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> ''اس اشاعتِ ثانی میں اس قدر ترمیم کی گئی ہے کہ ایک مضمون جو کسی قدر محدود دلچسپی کا تھا خارج کرکے دو مضامین تمام افادہ اور وسیع دلچسپی کے اضافہ کردیے گئے ہیں۔ باقی تمام مضامین بجز تھوڑے سے ردّ و بدل کے وہی ہیں جو پہلے تھے۔ آخری مضمون ''خلاصۂ تاریخ'' کو البتہ زمانۂ حال تک مکمل کردیا گیا ہے''۔ [۱]

''تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو'' کے تیسرے ایڈیشن میں گیارہ مضامین شامل ہیں اور ساتھ ہی آخر میں ''خلاصۂ تاریخ'' کے عنوان سے چھ صفحات میں اردو کے عہد بہ عہد ارتقا کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے متعلق حامد حسن قادری اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> ''ان مضامین تاریخی و تنقیدی کے متعلق مجھے ایجاد وجدت کا دعویٰ نہیں۔ ان میں سے بعض مضامین میں نے اپنے کالج کے طالب علموں کے لیے بطور ''کلاس نوٹس'' کے تیار کیے تھے۔ اور کالج میگزین (مسمیٰ بہ ''شفق'') میں چھپوائے تھے۔ بعض کسی تحریک یا فرمائش سے لکھے ہیں، اور نگار لکھنو، عالمگیر لاہور، کنول آگرہ، تسنیم آگرہ، وغیرہ

---

[۱] حامد حسن قادری، تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو، ص ۴، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ ۱۹۶۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں''۔[۱]

متذکرہ بالا گفتگو کے بعد میں مناسب سمجھتی ہوں کہ کتاب کی اشاعت اول پر جو تبصرے کیے گئے تھے ان تبصروں سے جو اقتباسات اشاعتِ ثانی اور سوم میں شامل ہیں، ان کو نقل کرتی چلوں تا کہ کتاب کے متعلق رائے قائم کرنے میں مزید آسانی ہو سکے۔ پہلا اقتباس اعظم گڑھ سے نکلنے والے رسالہ معارف میں شائع شدہ تبصرے سے ماخوذ ہے:

''شروع میں اردو زبان کی اہمیت وسعت اور مقبولیت پر علمی اور تاریخی حیثیت سے بحث کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ہر دور کے مشاہیر شعراء کے نام، ان کے کلام کے نمونے، ان کے رنگ پر تبصرے، شاعری کے عہد بہ عہد کے تغیرات، ان کے مختلف اسکولوں کی خصوصیات، اصناف شاعری کی تاریخ، تنقید، جدید شاعری اور تغزل پر تبصرہ وغیرہ اردو شاعری کے تمام پہلوؤں پر مختصر نوٹس اور ستھری تنقید ہے''۔[۲]

اسی طرح ڈاکٹر محی الدین قادری زور حیدر آبادی کے تبصرے کا درج ذیل اقتباس بھی کتاب میں شامل ہے:

''ابتدا میں مصنف نے اردو زبان کے اہم مسائل اور اس کے قدیم ترین ادب کی نسبت تنقیدی معلومات درج کی ہیں اس کے بعد پہلے اردو نثر کی رفتار پر ایک نظر ڈالی گئی اور بعد میں پوری کتاب شاعری کے لیے وقف کی گئی ہے۔ شاعروں کے مختلف دبستان جدید شاعری، نقد و نظم اور ہمارے مشاعرے جیسے عنوانات پر تفصیل سے معلومات فراہم کی گئی ہیں۔''[۳]

آخری اقتباس اخبار ''دبدبہ سکندری'' (جو ریاست رام پور) سے ماخوذ ہے:

''اردو زبان کی تاریخ حیثیت پر نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ روشنی ڈالی ہے دلی اور لکھنؤ اسکول کی شاعری پر بھی بہت سے لاگ اور پر مغز تنقید کی گئی ہے جدید دور کی اردو شاعری

۱۔ حامد حسن قادری، تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو، ص ۳، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ ۱۹۶۹ء

۲۔ ایضاً، ص ا

۳۔ ایضاً

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کے سلسلے میں تمام مشہور اور ممتاز شعرا کا کلام درج کر کے اس پر تنقید کی گئی ہے۔ خصوصاً فانی کے فلسفے اور حسرت کی زبانوں کو خوب مزے لے لے کر بیان کیا گیا ہے۔''[۱]

اس کتاب میں شامل پہلا مضمون ''مسئلہ زبانِ اردو'' کے عنوان سے ہے جو پہلے ایڈیشن کا مقدمہ ہے۔ یہ مضمون اکتالیس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس مضمون میں اردو زبان کی پیدائش اور رفتارِ ترقی پر نظر ڈالی گئی ہے۔ اردو کو جن رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا ہے اور جن مسائل سے زبان دو چار رہی ہے انہیں حامد حسن قادری نے مختلف زاویہ سے پیش کیا ہے۔

مضمون ''مسئلہ زبانِ اردو'' میں حامد حسن قادری نے اپنی گفتگو کا آغاز اس تمہید کے ساتھ کیا ہے کہ اردو تیرھویں صدی عیسوی میں پیدا ہوئی اور سولھویں صدی عیسوی میں بول چال کی زبان بن گئی اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ اٹھارھویں صدی اور انیسویں صدی تک آتے آتے اردو زبان دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں سے آنکھیں ملانے لگی۔ اس کے آغاز کے سلسلے میں مختلف نظریات ہیں۔ مگر زیادہ تر محققین کی یہی رائے ہے کہ اردو کا باقاعدہ آغاز تیرھویں صدی عیسوی یا اس سے ذرا قبل ہوا۔ مسعود حسین خاں اپنی کتاب ''مقدمہ تاریخ زبانِ اردو'' میں لکھتے ہیں:

''پنجاب پر غوریوں کے حملے ۱۱۶۷ء سے شروع ہو جاتے ہیں۔ ۱۱۹۳ء میں بالآخر ایک شکست کھانے کے بعد شہاب الدین غوری دہلی کے آخری ہندو سمراٹ پرتھوی راج کو شکست فاش دے کر دہلی اور اجمیر پر قابض ہو جاتا ہے، جہاں اس کا سپہ سالار قطب الدین ایبک، اس کے انتقال کے بعد ۱۲۰۶ء میں سلطنتِ غلامان کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ اردو کی ابتدا اور ارتقا کی اصل تاریخ اس کے بعد ہی سے شروع ہوتی ہے''۔[۲]

ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ اپنی کتاب ''اردو کی لسانی تشکیل'' میں لکھتے ہیں:

''اردو کے باقاعدہ آغاز کی تاریخ ۱۱۹۳ء تسلیم کی گئی ہے۔ یہی فتح دہلی کی بھی تاریخ ہے''۔[۳]

اردو کے فروغ میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کی خدمات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

---

[۱] حامد حسن قادری، تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو، ص ا، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ ۱۹۶۹ء

[۱] مسعود حسن خاں، مقدمہ تاریخ زبان اردو، ص ۷۷-۷۸، ایم-کے-آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی ۲۰۰۲ء

[۲] مرزا خلیل احمد بیگ، اردو کی لسانی تشکیل، ص ۵۴، ایم-کے-آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی ۲۰۰۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

فرانسیسیوں میں گارساں دی تاسی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ جو پیرس کے السنہ مشرقیہ کالج میں اردو کے پروفیسر تھے۔ انھوں نے تدریسی کاموں کے ساتھ ساتھ کئی اردو کتابوں کا فرانسیسی میں ترجمہ بھی کیا۔ اردو صرف ونحو اور اردو ادب کی تاریخ سے متعلق کتابیں بھی تالیف کیں۔ ساتھ ہی ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۹ء تک، صرف ایک سال ۱۸۵۸ء کو چھوڑ کر، ہر سال کے آخر میں اردو زبان وادب کا سالانہ جائزہ اپنے لکچرز میں پیش کیا۔ اس درمیان اس نے تقریباً انیس لکچر دیے۔ ان لکچروں کو انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد نے کتابی شکل میں شائع کردیا ہے۔ یہ کتاب ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ بابائے اردو مولوی عبدالحق نے لکھا۔ ان مقدموں سے حامد حسن قادری نے حسب ضرورت مضمون کے درمیان اقتباسات نقل کیے ہیں۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''ان خطبوں کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اردو زبان سے دلی لگاؤ ہے۔ وہ اسے ہندوستان کی ترقی پذیر اور عام زبان خیال کرتا ہے اور ہر موقع پر ہندی کے مقابلے میں اس کی حمایت کرتا ہے اور اس کے فروغ اور ترقی کا دل سے خواہاں ہے..... ہندوستانی زبان سے اس کا شغف عشق کے درجہ تک پہنچ گیا تھا۔ اس کا کارنامہ اس قدر وقیع ہے کہ وہ ہماری زبان کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ایک لمحہ کے لیے سوچیے اور دیکھیے کہ یہ منظر کس قدر عجیب اور دلچسپ ہے کہ ایک بڈھا فرانسیسی عالم ہندوستان سے کالے کوسوں دور پیرس کی یونیورسٹی میں اپنے یورپین شاگردوں کو جن میں فرانسیسیوں کے علاوہ دوسری قوم کے لوگ بھی شریک ہیں، ہندوستانی زبان پر بڑے جوش اور شوق سے لکچر دے رہا ہے۔ ان کے دلوں میں اس غریب زبان کا شوق پیدا کررہا ہے۔ اپنی فرصت کا تمام وقت اسی زبان کی تحقیق میں صرف کرتا ہے۔ اہل زبان اور غیر اہل زبان دونوں سے خط وکتابت کرتا ہے۔ ایک ایک کتاب، ایک ایک اخبار اور رسالے کا حال پوچھتا ہے، قلمی نسخوں کی نقلیں منگواتا ہے، ان کی تصحیح کرتا ہے، مرتّب کرکے چھپواتا ہے۔ خود اس زبان کی تصنیف کا ذخیرہ جمع کرتا ہے اور ہندوستانی ادب کے مختلف شعبوں پر بحث کرتا ہے اور اس کی مفصل اور مبسوط تاریخ لکھتا ہے۔[۱]

---

[۱] عبادت بریلوی (مرتب) مقدمات عبدالحق، ص ص ۷۷۸-۷۷۹، ہندوستان پریس، نئی دہلی، ۱۹۷۵ء

دوسرے غیر ملکیوں میں ڈاکٹر جان گلکرسٹ اور کرنل ہالرائڈ کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔

بہ قول محمد عتیق صدیقی:

''اٹھارھویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں جن لوگوں نے ہندوستانی زبان اور ہندوستانی ادب کو نئے سانچوں میں ڈھال کر ہماری ادبی ولسانی تاریخ کے اوراق پر اپنے دوام کی مہریں ثبت کی ہیں، ان کی فہرست اگر مرتب کی جائے تو گل کرسٹ کا نام یقیناً سرفہرست ہوگا۔ اس نے ہماری زبان کے قواعد ولغت کو وسیع پیمانے پر مدوّن کرنے کی اہم خدمات ہی انجام نہیں دیں، بلکہ جدید ہندوستانی نثر کا وہ جنم داتا اور پالن ہار بھی تھا۔''[1]

ہندوستان میں گل کرسٹ نے جو کتابیں تیار کیں ان میں انگریزی ہندوستانی لغت، ہندوستانی زبان کی قواعد، لغت اور قواعد کا ضمیمہ، اورینٹل لنگوسٹ (Oriental linguist) اور ہندوستانی اور انگریزی فرہنگ وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

اردو کے متعلق ہندوستان کی اہم سیاسی شخصیات مثلاً پنڈت جواہر لال نہرو، گاندھی جی، سبھاش چند بوس نے ہندی اردو اور ہندوستانی کے متعلق اپنی تقریروں اور تحریروں میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے حامد حسن قادری نے انھیں بھی نقل کیا ہے اور اس زبان کی مقبولیت اور اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ہندوستان میں بولی جانے والی زبانوں کا نقشہ ڈاکٹر گستاؤلی نے اپنی کتاب میں پیش کیا تھا۔ حامد حسن قادری نے اسے بھی نقل کیا ہے۔ اس نقشے میں ڈاکٹر گستاولی نے کس زبان کے بولنے والے کتنے لوگ ہندوستان میں ہیں، اسے دکھایا ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس نے بھی دفعہ چار کے تحت ہندوستان کے کن صوبوں میں کون سی زبانیں بولی جاتی ہیں، اس کا نقشہ پیش کیا ہے۔ اسے بھی حامد حسن قادری نے درج کیا ہے۔ کانگریس نے ایک اور نقشہ پیش کیا تھا جس میں یہ دیکھا گیا تھا کہ کن صوبوں میں کتنے فی صدی لوگ اردو سمجھتے ہیں، اس نقشے کو بھی حامد حسن قادری نے نقل کیا ہے۔

ڈاکٹر گستاولی کا پیش کردہ نقشہ یہ ہے:

اردو	۸ کروڑ ۲۵ لاکھ
بنگالی	۳ کروڑ ۹۰ لاکھ

[1] محمد عتیق صدیقی، گلکرسٹ اور اس کا عہد، ص ۲۷، انجمن ترقی اردو، علی گڑھ ۱۹۶۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تلنگی	۱کروڑ ۷۰ لاکھ
مرہٹی	۱کروڑ ۷۰ لاکھ
پنجابی	۱کروڑ ۶۰ لاکھ
تامل	۱کروڑ ۳۰ لاکھ
گجراتی	۹۵ لاکھ
اڑیا	۷۰ لاکھ
کنڑ	۵۰ لاکھ
ملیالم	۵۰ لاکھ
سندھی	۴۰ لاکھ
ہندی	۳۰ لاکھ

انڈین نیشنل کانگریس نے دفعہ چار کے تحت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں کا جو نقشہ پیش کیا تھا وہ اس طرح ہے:

نام مقام	نام زبان
صوبہ متحدہ آگرہ	اردو
دہلی	اردو
اجمیر مارواڑ	اردو
بہار	اردو
صوبہ متوسط	اردو
پنجاب	اردو
بنگال	بنگالی
گجرات	گجراتی
بمبئی	مرہٹی و گجراتی
ناگپور	مرہٹی

Maulana Azad Library, Aligh Muslim University

برار	مرہٹی
مہاراشٹر	سندھی
کرناٹک	کنڑ
آسام	اسامی
برما	برمی
تامل ناڈ	تامل
کیرالا	ملیالم
اٹکل	اڑیا

اردو سمجھنے والوں کا اوسط فی صدی کا جو نقشہ کانگریس نے پیش کیا تھا، وہ اس طرح ہے:

نام مقام	اردو سمجھنے والوں کا اوسط
بنگال	۹۰ فی صدی
برار	۹۰ فی صدی
گجرات	۵۰ فی صدی
کرناٹک	۵۰ فی صدی
سندھ	۵۰ فی صدی
کیرالا	۴۰ فی صدی
مہاراشٹر	۴۰ فی صدی
تامل ناڈ	۲۵ فی صدی
اٹکل	۲۵ فی صدی
آندھرا	۲۰ فی صدی

کانگریس نے جن سات صوبوں کی زبان کو اردو تسلیم کیا تھا اور ان کی آبادی کا ایک خاکہ پیش کیا تھا، حامد حسن قادری نے اسے بھی نقل کیا ہے:

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نامِ مقام	آبادی
صوبہ متحدہ آگرہ	۵ کروڑ ۳۰ لاکھ
بہار واڑیسہ	۴ کروڑ ۲۵ لاکھ
اجمیر مارواڑ	۲ کروڑ ۸۰ لاکھ
پنجاب	۲ کروڑ ۲۵ لاکھ
صوبہ متوسط	۲ کروڑ
سرحد	۵۰ لاکھ
دہلی	۱۰ لاکھ

حامد حسن قادری نے اس نقشے کی روشنی میں اپنے خیالات کو ان لفظوں میں پیش کیا ہے:

''اس حساب سے ان مقامات کے اردو بولنے والوں کی تعداد سترہ کروڑ ۲۰ لاکھ ہوئی اس میں غیر زبان والے صوبوں کے اردو سمجھنے والوں کو شامل کرلیا جائے تو اردو سمجھنے والے کم سے کم ۲۵ کروڑ ہوتے ہیں۔ یعنی ہندوستانی آبادی کا تقریباً ۳/۴ حصہ، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ہندوستان بھر میں صرف خاص اور قلیل تعداد ایسی نکلے گی جو اردو کی عام گفتگو اور لین دین کی بات چیت بھی نہ سمجھ سکے''۔[۱]

حال ہی میں ڈاکٹر اے، آر، فتیحی نے ''ہندوستان میں ریاستی سطح پر اردو آبادی کا جائزہ: مردم شماری کے اعداد و شمار کی روشنی میں، آندھرا پردیش میں اردو آبادی، بہار اور جھارکھنڈ میں اردو آبادی اور اتر پردیش اور اترانچل میں اردو آبادی'' میں ہندوستان کے تمام اضلاع میں اردو بولنے والوں کی موجودہ صورتِ حال مختلف ٹیبلس کے ذریعہ اس طرح واضح کی ہے:

''ملک کی ترقیاتی منصوبہ سازی کے لیے ضروری ہے کہ منصوبہ بنانے والوں کے پیش نظر ملک میں بسنے والوں کی تعداد، اس میں اضافہ کی شرح تعلیمی معیار اور دیگر تفصیلات سے صحیح واقفیت ہو۔ مردم شماری ان تفصیلات کو حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ یہ ہمارے ملک میں ہر

---

[۱] حامد حسن قادری، تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو، ص ا، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ ۱۹۶۹ء

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

دس برس کے وقفے سے کی جاتی ہے۔ مردم شماری ملک کا سب سے بڑا سماجی، معاشی اور تعلیمی جائزہ ہے اور یہ ملک کی منصوبہ بندی کے لیے ناگزیر ہے۔...

ملک میں چودھویں مردم شماری کا کام ۲۰۰۱ء میں ختم ہو چکا ہے لیکن اس کی رپورٹ آنے میں ابھی سات آٹھ سال کا عرصہ لگے گا۔ اس صورت حال کے پیش نظر کونسل نے ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے ان اعداد و شمار کو پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے جن کا تعلق اردو آبادی سے ہے:

ہندوستان میں ریاستی سطح پر اردو آبادی کا جائزہ

نمبر	ریاست کا نام	کل آبادی	کل اردو آبادی	اردو آبادی فی صد میں
۱	آندھرا پردیش	66508008	5560154	8.36
۲	اروناچل پردیش	864558	1370	0.16
۳	بہار	86374465	8542463	9.89
۴	گوا	1169793	39944	3.41
۵	گجرات	41309582	547737	1.33
۶	ہریانہ	16463648	261820	1.59
۷	ہماچل پردیش	5170877	8252	0.16
۸	کرناٹک	44977201	4480038	9.96
۹	مدھیہ پردیش	66181170	1227672	1.86
۱۰	مہاراشٹر	78937187	5734468	7.26
۱۱	منی پور	1837149	193	0.01
۱۲	اڑیسہ	31659736	502102	1.59
۱۳	پنجاب	20281969	13416	0.07
۱۴	راجستھان	44005990	953497	2.17

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۱۵	تامل ناڈو	55858946	1036660	1.86
۱۶	اتر پردیش	139112287	12492927	8.98
۱۷	مغربی بنگال	68077965	1455649	2.14 [1]

آندھرا پردیش میں اردو آبادی

نمبر	اضلاع	مسلم آبادی لاکھ	اردو آبادی لاکھ	فی صد
۱	عادل آباد	1.9	1.8	94.6
۲	انت پور	3.5	3.2	92.1
۳	چتور	2.8	2.6	93.1
۴	کڈپا	3.3	3.1	92.0
۵	مشرقی گوداوری	0.6	0.4	73.7
۶	گنٹور	4.3	4.0	92.0
۷	حیدرآباد	12.3	12.2	98.7
۸	کریم نگر	1.7	1.6	95.3
۹	کھمم	1.3	1.1	87.1
۱۰	کرشنا	2.3	2.1	90.8
۱۱	کرنول	4.9	4.4	91.0
۱۲	محبوب نگر	2.6	2.6	98.0
۱۳	میڈک	2.6	2.5	99.2
۱۴	نالگونڈا	1.5	1.3	92.3
۱۵	نیلور	2.1	1.9	92.1

---

[1] اے، آر، فتحی، ''ہندوستان میں ریاستی سطح پر اردو آبادی کا جائزہ''، رسالہ اردو دنیا، ص ۷، جلد ۴، شمارہ ۴، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی، اپریل ۲۰۰۲

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۱۶	نظام آباد	2.8	2.8	98..3
۱۷	پرکاسم	1.8	1.4	81.7
۱۸	رنگاریڈی	2.9	3.0	101.4
۱۹	شری کاکولم	0.06	0.04	71.0
۲۰	وشاکھاپٹنم	0.5	0.4	75.7
۲۱	وجے نگر	0.1	0.09	67.3
۲۲	ورانگل	1.5	1.4	91.6
۲۳	مغربی گوداوری	0.7	0.5	76.8 [1]

بہار اور جھارکھنڈ میں اردو آبادی

(بہار)

نمبر	ضلعوں کے نام	کل اردو آبادی لاکھ	کل مسلم آبادی لاکھ	فی صد
۱	ارریا	5.29	6.52	81.1
۲	اورنگ آباد	1.03	1.46	70.7
۳	بیگوسرائے	1.86	2.23	83.4
۴	بھاگلپور	3.36	4.44	75.7
۵	بھوجپور	0.68	1.88	36.4
۶	دربھنگہ	5.05	5.55	91.0
۷	گیا	2.37	3.05	77.6
۸	گوپال گنج	0.75	2.82	26.7
۹	جہاں آباد	0.77	0.95	81.0
۱۰	کٹیہار	4.82	7.28	66.2
۱۱	کھگڑیا	0.79	0.96	82.8

[1] اے، آر، فتحی، ''آندھرا پردیش میں اردو آبادی''، رسالہ اردو دنیا، نئی دہلی، ص ص ۱۲-۱۳، جلد ۴، شمارہ ۵، مئی ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۱۲	کشن گنج	5.28	6.49	81.3
۱۳	مدھے پور	0.90	1.22	74.4
۱۴	مدھوبنی	3.71	4.73	78.4
۱۵	مونگیر	2.04	2.49	81.8
۱۶	مظفر پور	3.21	4.37	73.4
۱۷	نالندہ	1.35	1.70	79.2
۱۸	نوادہ	1.10	1.55	71.3
۱۹	مغربی چمپارن	1.87	4.80	39.0
۲۰	پٹنہ	2.11	2.71	78.0
۲۱	مشرقی چمپارن	3.02	5.60	53.8
۲۲	پورنیہ	5.36	6.49	82.6
۲۳	روہتاس	1.16	2.71	42.8
۲۴	سہرسا	2.86	3.59	79.8
۲۵	سمستی پور	2.30	2.73	84.0
۲۶	سارن	0.76	2.52	30.1
۲۷	سیتامڑھی	3.79	4.72	80.4
۲۸	سیوان	1.63	3.74	43.6
۲۹	ویشالی	1.44	2.03	70.9 [1]

(جھارکھنڈ)

نمبر	ضلعوں کے نام	کل اردو آبادی لاکھ	کل مسلم آبادی لاکھ	فی صد
۱	دیوگھر	1.01	1.67	60.6
۲	دھنباد	2.15	3.29	65.6

[1] اے، آر، فتحی، ''بہار اور جھاڑکھنڈ میں اردو آبادی''، رسالہ اردو دنیا، نئی دہلی، ص ۱۳، جلد ۴، شمارہ ۶، جون ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۳	دمکا	0.67	1.51	44.3
۴	گریڈیہہ	1.51	3.59	42.2
۵	گوڈا	1.09	1.53	71.7
۶	گملہ	0.20	0.35	57.7
۷	ہزاری باغ	2.12	3.74	56.5
۸	لوہارڈاگا	0.31	0.41	75.1
۹	پلامو	1.46	2.82	51.8
۱۰	مغربی سنگھ بھوم	0.32	0.43	74.8
۱۱	مشرقی سنگھ بھوم	1.17	1.31	89.7
۱۲	رانچی	1.65	2.29	72.1
۱۳	صاحب گنج	1.08	3.67	29.5 [1]

اتر پردیش اور اترانچل میں اردو آبادی

(اتر پردیش)

نمبر	اضلاع کے نام	اردو آبادی لاکھ	مسلم آبادی لاکھ	فی صد
۱	آگرہ	1.0	3.0	33.9
۲	علی گڑھ	2.5	4.8	52.2
۳	الہ آباد	2.2	6.4	35.0
۴	اعظم گڑھ	2.9	4.1	69.5
۵	بہرائچ	3.1	8.3	37.5
۶	بلیا	0.5	1.4	35.1
۷	باندہ	0.4	1.2	33.5
۸	بارہ بنکی	2.4	5.2	46.5

[1] اے، آر، فتحی، ''بہار اور جھاڑکھنڈ میں اردو آبادی''، رسالہ اردو دنیا، نئی دہلی، ص ۱۳، جلد ۴، شمارہ ۶، جون ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۹	بریلی	4.7	9.3	50.4
۱۰	بستی	2.1	4.5	46.0
۱۱	بجنور	7.2	9.9	72.3
۱۲	بدایوں	2.4	5.1	48.0
۱۳	بلندشہر	3.1	5.6	54.6
۱۴	دیوریا	1.1	9.0	12.3
۱۵	ایٹہ	1.3	2.5	51.5
۱۶	اٹاوہ	0.7	1.4	46.5
۱۷	فیض آباد	2.3	4.0	56.9
۱۸	فرخ آباد	1.7	3.5	49.1
۱۹	فتح پور	1.1	2.4	45.2
۲۰	فیروز آباد	0.8	1.6	51.2
۲۱	غازی پور	1.3	2.4	54.5
۲۲	گونڈہ	3.6	9.1	39.6
۲۳	گورکھپور	1.2	2.5	47.3
۲۴	حمیر پور	0.4	1.1	35.5
۲۵	ہردوئی	1.3	3.5	38.9
۲۶	جالون	0.5	1.1	45.0
۲۷	جونپور	1.3	3.1	41.9
۲۸	جھانسی	0.3	1.2	22.8
۲۹	کانپور دیہات	1.3	1.5	85.7
۳۰	کانپور شہر	2.9	4.3	66.9
۳۱	غازی آبادی	1.9	5.7	33.9

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۳۲	کھیری	1.4	4.4	31.8
۳۳	للت پور	0.09	0.2	42.7
۳۴	لکھنؤ	3.5	5.4	65.3
۳۵	مہاراج گنج	0.5	2.7	20.3
۳۶	مین پوری	0.5	0.7	72.1
۳۷	متھرا	0.3	1.6	20.6
۳۸	مؤ	2.0	2.6	77.6
۳۹	میرٹھ	9.0	9.5	94.9
۴۰	مرزاپور	0.2	1.2	20.6
۴۱	مرادآباد	11.6	17.6	66.1
۴۲	مظفرنگر	4.3	9.8	43.5
۴۳	پیلی بھیت	1.9	3.0	64.1
۴۴	پرتاپ گڑھ	1.0	2.9	33.6
۴۵	رائے بریلی	0.8	2.6	30.9
۴۶	رامپور	5.8	7.2	80.2
۴۷	سہارن پور	5.6	8.3	67.3
۴۸	شاہ جہاں پور	2.1	3.5	59.8
۴۹	سدھارتھ نگر	2.4	4.9	48.3
۵۰	سیتاپور	2.5	5.0	50.8
۵۱	سون بھدر	0.07	0.5	13.4
۵۲	سلطان پور	1.8	3.3	53.9
۵۳	اناؤ	0.8	2.3	35.4
۵۴	وارنسی	3.2	6.2	50.8[1]

[1] اے، آر، فتحی، ''اتر پردیش اور اترانچل میں اردو آبادی''، رسالہ اردو دنیا، نئی دہلی، ص ص ۱۱-۱۳، جلد ۴، شمارہ ۸، اگست ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

(اترانچل)

نمبر	اضلاع کے نام	اردو آبادی لاکھ	مسلم آبادی لاکھ	فی صد
۱	الموڑا	0.03	0.05	55.3
۲	چمولی	0.006	0.03	19.2
۳	دہرادون	0.5	1.03	45.8
۴	پوری گڑھوال	0.06	0.2	39.1
۵	نینی تال	1.6	2.3	70.3
۶	دھورا گڑھ	0.01	0.03	46.5
۷	ٹہری گڑھ وال	0.006	0.05	12.2
۸	اتر کاشی	0.008	0.02	37.6
۹	ہردوار	1.8	3.4	54.7 [1]

مہاراشٹر میں اردو آبادی اور مسلم آبادی کا تناسب

نمبر	اضلاع	اردو آبادی (لاکھ)	مسلم آبادی (لاکھ)	فی صد
1	احمد نگر	1.2	2.1	56.0
2	اکولہ	2.8	3.2	88.1
3	امراوتی	2.4	2.7	88.5
4	اورنگ آباد	3.7	4.1	90.7
5	بھنڈارا	0.1	0.4	25.1
6	بیڈ	1.8	2.0	90.1
7	بلڈانا	1.9	2.2	86.2
8	چندر پور	0.2	0.6	34.0
9	دھولے	1.2	1.3	91.6
10	گڈچرولی	0.1	0.1	74.2
11	گریٹ بمبئی	12.0	16.7	71.8
12	جلگاؤں	2.4	3.5	68.4
13	جالنا	1.5	1.7	89.1
14	کولہاپور	1.2	1.8	64.9

---

[1] اے، آر، فتحی، ''اتر پردیش اور اترانچل میں اردو آبادی''، رسالہ اردو دنیا، نئی دہلی، ص ص ۱۱-۱۳، جلد ۴، شمارہ ۸، اگست ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

15	لاتور	1.7	2.2	77.3
16	ناگپور	1.5	2.3	65.5
17	ناندیڈ	2.6	2.8	91.5
18	ناسک	3.4	3.9	86.7
19	عثمان آباد	0.9	1.2	73.5
20	پربھنی	2.3	2.7	85.9
21	پونے	1.6	3.2	49.9
22	رائے گڑھ	1.1	1.3	83.7
23	رتناگری	1.1	1.5	72.6
24	سانگلی	1.1	1.6	67.3
25	ستارہ	0.4	1.0	40.0
26	سندھودرگ	0.1	0.2	47.9
27	شوالاپور	2.4	3.1	77.5
28	تھانے	3.4	4.7	72.1
29	وردھا	0.2	0.4	49.7
30	ایوت محل	1.1	1.6	70.5"[1]

ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں اردو بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد کتنی ہے اور کن کن علاقوں میں اردو کم وبیش بولی اور سمجھی جاتی ہے، حامد حسن قادری نے اس کا نقشہ اس طرح پیش کیا ہے:

نام ممالک	اردو بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد
تمام ملک عرب مع عدن	ایک کڑوڑ
ایران واقعات مع علاقہ وغیرہ	ایک کڑوڑ
گلگت، بلخ، بخارا، ختن وغیرہ	۵۰ لاکھ
زنجبار، سیلون، افریقہ	۲۵ لاکھ
یورپ وامریکہ	۲۰ لاکھ
دیگر ممالک	۱۵ لاکھ
میزان	۳ کروڑ ۱۰ لاکھ

[1] اے، آر، فتحی، ''مہاراشٹر میں اردو آبادی''، رسالہ اردو دنیا، نئی دہلی، ص ۱۵، جلد ۴، شمارہ ۹، ستمبر ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری نے ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک کی یونیورسٹیوں میں جہاں جہاں اردو پڑھائی جاتی ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ان یونیورسٹیوں میں اردو صرف بولنے اور سمجھنے کی حد تک نہیں پڑھائی جاتی بلکہ باضابطہ اردو ڈپلوما کی ڈگری عطا کی جاتی ہے اور تحقیقی مقالے لکھے جاتے ہیں، ڈاکٹریٹ کی سند دی جاتی ہے۔ یہ حامد حسن قادری کا پہلا معیار ہے جس کی روشنی میں وہ اردو کی مقبولیت، اہمیت اور وسعت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

دوسرا معیار انھوں نے کسی زبان میں کتابوں کی نشر و اشاعت کو مانا ہے۔ لکھتے ہیں:

''کسی زبان کی وسعت اور مقبولیت کا دوسرا معیار اس زبان کی کتابوں کی تصنیف و اشاعت ہے۔ جب تک ہندو اور مسلمان دونوں مل کر متفقہ طور پر اردو کی ترقی کے لیے کوشش کرتے رہے، اردو کتابوں کی مقبولیت ہندی سے کم نہ رہی۔ البتہ بیسویں صدی کے دور جدید میں یہ کیفیت ہوگئی کہ ہندو مصنفین اردو کی طرف سے توجہ ہٹا کر ہندی کی جانب متوجہ ہوگئے ہیں۔ اس لیے اب سالانہ رپورٹ میں ہندی کی کتابوں کی تعداد اردو کی کتابوں سے زیادہ نظر آنے لگی ہے۔''[1]

کسی زبان کی مقبولیت کا جو تیسرا معیار حامد حسن قادری نے متعین کیا ہے، وہ یہ کہ اس زبان میں اخبار و رسائل کی اشاعت کی تعداد کیا ہے۔ انھوں نے مختلف زبانوں میں شائع ہونے والے اخبار و رسائل کی تعداد کا درج ذیل نقشہ پیش کیا ہے:

نام زبان	روزانہ	ہفتہ وار	ماہانہ و سالانہ	مجموعی تعداد
اردو	۵۷	۳۴۲	۴۱۳	۸۱۲
ہندی	۳۰	۱۰۶	۲۷۴	۴۲۰
مرہٹی	۱۳	۶۸	۱۷۳	۲۵۴
گجراتی	۱۸	۶۵	۱۵۸	۲۴۱
بنگالی	۸	۱۲۲	۱۰۸	۲۳۸
تامل	۱۰	۱۳۴	۱۰۹	۲۵۳

---

[1] حامد حسن قادری، تاریخ و تنقید ادبیات اردو، ص ۱۰، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ، ۱۹۶۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تیلگو	۲	۲۵	۸۱	۱۰۸
کناری	۱۱	۲۹	۴۹	۸۹
سندھی	۱۱	۴۷	۳۱	۸۹
ملیالم	۳	۱۴	۶۳	۹۰
اڑیا	۴	۱۴	۳۸	۵۶
گورمکھی	۳	۱۵	۲۳	۴۱
اسامی	-	۲	۸	۱۰

مذکورہ رسالوں اور اخباروں کی اشاعت کا ذکر کرنے کے بعد حامد حسن قادری نے گاندھی جی کے بعض خیالات سے اختلاف کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''گاندھی جی کی تعریف وتوضیح کے مطابق میر وسودا ہندی کے شاعر تھے، ناسخ وآتش ہندی کے شاعر تھے، مومن وغالب ہندی کے شاعر تھے، حالی واقبال ہندی کے شاعر تھے۔ جگر وجوش ہندی کے شاعر ہیں۔ فراق گورکھپوری وجگر بریلوی ہندی کے شاعر ہیں۔ آنند نرائن ملا اور پرنسپل رام پرشاد گھوسلہ ناشاد ہندی کے شاعر ہیں۔ مولانا آزاد دہلوی کی آب حیات ہندی زبان کی تاریخ ہے، مولانا شبلی کی شعرالعجم ہندی کی تصنیف ہے، مولانا عبدالحق کے مقدمات وتنقیدات ہندی کتابوں کے ریویو ہندی زبان میں ہیں۔ زمانہ کانپور، معارف اعظم گڑھ، نگار لکھنو، تیج دہلی، انقلاب لاہور، ہندی کے رسائل و اخبارات ہیں۔ یہ تعریف وتوضیع اردو زبان کی حیات و بقا کے لیے مضر ہے اور اس کا تسلیم کرنا ہندو مسلمان دونوں کے ضمیر کے خلاف ہے اس لیے ہندو مسلمان دونوں کو اس کی مخالفت کرنا لازم ہے اور اردو کی امتیازی حیثیت کو قائم رکھنا دونوں پر فرض ہے۔''[۱]

حامد حسن قادری نے اس مضمون میں زبان پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اردو زبان کو جو مسائل درپیش ہیں ان کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔

اس کتاب کا دوسرا مضمون ''رفتارِ اردو'' ہے۔ پہلے ایڈیشن میں یہ مضمون ''رفتارِ اردو نثر'' کے عنوان

---

[۱] حامد حسن قادری، تاریخ وتنقیدِ ادبیاتِ اردو، ص ۱۹، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ ۱۹۶۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

سے شامل ہے۔ اس مضمون میں اردو کے آغاز اور ارتقا کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ مضمون کچھ اضافے کے ساتھ بعد میں شائع ہونے والی کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' میں رفتارِ اردو کے بجائے ''آغاز اردو سے پہلے اردو زبان'' کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے۔ اس مضمون میں حامد حسن قادری نے دکن کی ابتدائی تحریروں کا جائزہ لیا ہے اور شعرا کا کلام بہ طور نمونہ پیش کیا ہے۔ مضمون کے آخر میں حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

> ''یہ مختصر خاکہ ہے اردو زبان کے اسباب ایجاد کا، ساخت کا، تاریخی ترقی کا۔ اس سے یہ نتیجے نکلتے ہیں کہ
>
> (۱) اردو زبان کا پیدا ہونا مسلمانوں اور ہندوؤں کے اجتماع کا لازمی نتیجہ تھا۔ (۲) اردو زبان کی ایجاد و رواج میں ہندوؤں کی شرکت مسلمانوں سے کم نہیں۔ (۳) پنجاب و دکن کے یہ دعوے بجا نہیں ہیں کہ اردو کی شاعری اور تصنیف و تالیف ان کے یہاں موجودہ ممالک متحدہ سے پہلے شروع ہوئی ہے۔ پھر بھی دورِ قدیم میں اردو ادبیات کی کثرت و ترقی میں دکن کو تقدیم و تفصیل حاصل ہے۔''[۱]

تیسرا مضمون ''رفتارِ اردو نظم'' ہے۔ اس میں ۱۵۵۰ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک کے شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ مضمون چار حصوں میں منقسم ہے۔ (۱) شعرائے متقدمین (۲) شعرائے متوسطین (۳) شعرائے متاخرین اور (۴) شعرائے عصر حاضر۔ شعرائے عصر حاضر کو چھوڑ کر ابتدائی تینوں حصوں کو الگ الگ ادوار میں بانٹ دیا گیا ہے۔

حامد حسن قادری نے ''شعراء متقدمین'' میں دورِ اول اور دوم کو دکنی شعرا تک محدود رکھا ہے۔ اور دورِ سوم میں دہلی کے شاعروں کو جگہ دی ہے۔ دورِ اول (۱۵۵۰ء سے ۱۷۰۰ء تک) میں قطب شاہی اور عادل شاہی دور کے مشہور اور معروف شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قطب شاہی دور کے شعرا میں قلی قطب شاہ، غواصی ابن نشاطی، نوری اور فائز کے نام قابلِ ذکر ہیں اور عادل شاہی دور کے شاعروں میں نصرتی، ہاشمی، نوری بیجاپوری وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

دور دوم ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۰ء تک کے دکنی شعرا پر مشتمل ہے۔ یہ دور تقریباً پچاس سال کی شاعری

۱۔ حامد حسن قادری، تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو، ص ۶۵، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ ۱۹۶۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کا احاطہ کرتا ہے۔ اس زمانے کے دکنی شاعروں میں بحری، فیضی اور ولی دکنی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ دکنی شعرا کا یہ مختصر تذکرہ ان کی خدمات کا احاطہ نہیں کرتا۔ جمیل جالبی کی ''تاریخِ ادبِ اردو'' جلد اول میں دکنی ادب پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ جمیل جالبی کا یہ خیال درست ہے کہ:

''بہمنی دور میں اردو چاروں طرف پھیل کر دکن کی سب سے بڑی اور واحد مشترک زبان بن جاتی ہے اور اس عظیم سلطنت کے مختلف علاقوں میں ایک ایسا سازگار ماحول پیدا ہوجاتا ہے کہ آئندہ دور میں ادبی تخلیق کے لیے راستہ صاف ہوجاتا ہے۔ جو بیج اس دور میں پھوٹ کر پیڑ بنا اس کے پھل ان سلطنتوں نے کھائے جو بہمنی سلطنت کی جانشین تھیں۔ عادل شاہی دور اور قطب شاہی دور باقی تینوں سلطنتوں کے جواہر اپنے دامن میں سمیٹ کر دکنی ادب کے نمائندہ بن جاتے ہیں'' [۱]

دورِ سوم میں ۱۷۰۰ء سے ۱۷۵۰ء تک دہلی کے شاعروں کو لیا گیا ہے۔ اس زمانے کے شاعروں میں آبرو، ناجی، کلیم، حاتم، مظہر جان جاناں وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ شعرائے متوسطین کے دورِ اول میں دہلی کے شاعروں کو لیا گیا ہے۔ یہ دور ۱۷۳۰ء سے ۱۸۰۰ء کے درمیان ستر سال پر محیط ہے۔ دورِ دوم میں ۱۷۵۰ء سے ۱۸۳۰ء کے درمیان کے دہلی شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی زمانے میں دہلی کے شعرا لکھنؤ منتقل ہو رہے تھے۔

دورِ سوم ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۰ء تک کے زمانے پر محیط ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ پہلا دور شعرائے متقدمین، دوسرا دکنی شعرا اور تیسرا دور متوسطین اور متاخرین پر مشتمل ہے۔

۱۹۰۱ء سے ۱۹۳۵ء تک کے شاعروں میں حسرت موہانی، عزیز لکھنوی، ثاقب لکھنوی، فانی، جگر، اصغر، اثر وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہے۔

اس کتاب میں ''شاعری کے اسکول'' کے عنوان سے ایک مضمون شامل ہے جس میں دہلی اسکول، لکھنؤ اسکول اور جدید اسکول کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مضمون ''نقد و نظم اردو: مختلف اصنافِ شاعری کی مختصر تاریخ'' میں حامد حسن قادری نے اردو شاعری کی مختلف اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی اور رباعی وغیرہ پر گفتگو کی ہے اور ساتھ ہی جدید شاعری کی

---

[۱] ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخِ ادب اردو، ج اول، ص ۱۷۹، دہلی، عفیف پرنٹرس ۲۰۰۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تاریخ، تعریف، اقسام اور خصوصیات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ حامد حسن قادری رباعی کی تاریخ کا مختصراً ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رباعی بھی اور اصنافِ شاعری کی طرح شروع ہی سے پائی جاتی ہے۔ مثلاً ۱۷۰۰ء سے پہلے کے ایک شاعر میر عبدالقادر حیدرآبادی کی یہ رباعی اپنے رنگ میں خوب ہے۔

ہر چند ہمیں سب سے اٹھایا ہے بات
اس پر بھی نہ آزاد کہائے سہیات
عالم ہنسے ہو ایک یہ کہتا ہوگا
دکھنی میں ہے قادر اجھون درقیدِ حیات''[۱]

اس کے متعلق ڈاکٹر فرمان فتحپوری اپنی کتاب ''اردو شاعری کا فنی ارتقا'' میں لکھتے ہیں:

''مولانا موصوف نے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ عبدالقادر اردو کے پہلے رباعی نگار ہیں۔ یا اس رباعی کو اردو کا قدیم ترین نمونہ سمجھنا چاہیے پھر بھی بعض نے غلط فہمی سے ''۱۷۰۰ء سے پہلے'' کو محمد قلی قطب شاہ سے بھی پہلے کا عہد سمجھ لیا ہے۔ حالاں کہ عبدالقادر حیدرآبادی ولی دکنی اور سراج کا ہم عصر ہے اور اس کا عہد تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد کا ہے۔''[۲]

حامد حسن قادری کے اس مضمون کا اصل مقصد عام قاری کو معلومات فراہم کرنا ہے۔ انھوں نے ان اصناف کی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی اپنے مضمون کے ذریعہ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً اصناف کی تعریف، تاریخ، ایجاد وغیرہ۔

حامد حسن قادری نے ''تنقید غزل جدید'' میں قدیم شاعروں سے لے کر جدید دور کے غزل گو کے کلام، کا جائزہ لیا ہے۔ انھوں نے پندرھویں صدی سے لے کر بیسویں صدی تک کے معروف شاعروں کے حوالے سے جدید دور کی غزل کی اہمیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن میں حسرت شاد، فانی اور عزیز لکھنوی کے نام شامل ہیں۔

''شاعر کا رنگ'' میں حامد حسن قادری نے مختلف شاعروں کے دو دو چار چار اشعار نقل کیے ہیں اور

۱۔ حامد حسن قادری، تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو، ص ۱۱۶، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ ۱۹۶۹ء

۲۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری، اردو شاعری کا فنی ارتقا، ص ۳۱۴، نئی دہلی، عفیف پرنٹرس ۱۹۹۸ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ان کے حوالے سے شاعر کے اندازِ بیاں اور ان کے کلام کی خوبیوں کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں میر، جرات، مومن، مرزا غالب، امیر مینائی، داغ دہلوی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے ان شعرا کے طرزِ اسلوب، انداز بیاں اور جدت تخیل وغیرہ کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

مضمون ''غالب، مومن اور ذوق'' میں حامد حسن قادری تینوں شاعروں کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غالب شاعری کے لیے پیدا ہوئے تھے، اور شاعری ان کے لیے، ان کے علوِ تخیّل کا یہ عالم ہے کہ ولی سے لے کر آج تک یہ بلندی کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ مومن بھی شاعرانہ طبیعت اور عاشقانہ دل لائے تھے۔ ان کی طبیعت میں ایک مزہ تھا اور یہ سچ ہے کہ لطافتِ تخیّل، رفعتِ فکر، اور جدتِ بیان میں غالب کے بعد مومن ہی کا درجہ ہے۔ ذوق صرف مشاق تھے، قادر الکلام تھے، استاد تھے اور بس ان کی پرواز سطح سے صرف چند گز بلند ہے''۔[1]

''سخن فہمی'' میں حامد حسن قادری نے ادبی ذوق کی ترویج میں رسالوں کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض دلچسپ مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

''ایک رسالے میں کسی نے غالب کے اس شعر کا مطلب دریافت کیا

رکھا غفلت نے دور افتادۂ ذوق فنا ورنہ
اشارت فہم کو ہر ناخن بُریدہ آبرو تھا

ایڈیٹر صاحب نے یہ جواب دیا ''مرزا غالب کے دیوان میں یہ شعر میری نظر سے نہیں گزرا۔ اطلاع دیجیے کہ کس نسخہ میں ہے۔ مجھے اس کی صحت میں شک ہے اور اسی لیے معنی پیدا کرنا مشکل غالب برّیدہ کو تشدید کے ساتھ کبھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ ترشے ہوئے ناخن سے ذوق فنا پیدا ہونا یا عقل کو کسی قسم کا اشارہ ملنا بعید از عقل سا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا نکتہ پوشیدہ ہے۔ اہل فکر و نظر بھی توجہ فرمائیں''۔

ایک علمی و ادبی رسالہ کے ذمہ دار ایڈیٹر کی یہ سخن فہمی جیسا دلچسپ لطیفہ ہے، اہل فکر و نظر

---

[1] حامد حسن قادری، تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو، ص ص ۱۶۱-۱۶۲، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ ۱۹۶۹ء

سے پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ شعر غالب کے مشہور دیوان میں نہیں ہے، ''نسخۂ حمیدیہ'' میں ہے۔ لیکن اس کی صحت میں شک کی گنجائش نہیں۔ شعر درست نقل ہوا ہے اور بامعنی ہے۔ برّیدہ کی تشدید پر اعتراض کرنا فارسی سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ بریدہ۔ بُرّ دبرّش میں نیز درّد، پرّ دوغیرہ میں تخفیف وتشدید دونوں جائز ہیں۔ فارسی میں بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً قاآنی لکھتا ہے:

زبمیش مرغ جاں پر زسمش زیر بادرّد
چواوچوں اژدہا غرق، دیاچوں دوکشد آدا

ایڈیٹر صاحب فارسی نہ جاننے کے سبب سے دوسرے مصرع کی ترکیب کو نہ سمجھ سکے اس لیے لکھ دیا۔ ''عقل کو کسی قسم کا اشارہ ملنا بعید از عقل سا ہے''۔

یعنی انھوں نے غالب کے الفاظ کے یہ معنی لیے کہ ''فہم کو اشارہ تھا'' حالاں کہ ''اشارت فہم'' اسم فاعل سماعی ہے (اشارہ سمجھنے والا)۔ مرزا غالب کہتے ہیں کہ ہم اپنی عقل سے بیگانہ ذوق فنا رہے ورنہ اشارت فہم و عاقل کے لیے ہر ناخن بریدہ مثل ابرو کے اشارہ کر رہا تھا کہ دیکھو اس طرح فنا ہوتے ہیں۔ ترشے ہوئے ناخن کا ابرو سے مشابہ ہونا شعر میں خاص لطف پیدا کر رہا ہے۔'' [1]

''ہمارے شاعر'' کے بارے میں ابتدا ہی میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ مضمون حامد حسن قادری کا نہیں بلکہ ان کے چھوٹے بھائی مولانا عابد حسن فریدی کا ہے۔ اس کے علاوہ دو مضامین اور بھی ہیں ''ہمارے مشاعرے'' اور خلاصۂ تاریخ اردو''۔ ان کا ذکر بھی کیا جا چکا ہے۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''داستانِ تاریخ اردو'' آگرہ اخبار برقی پریس سے ۲۳ نومبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد ۳۱ دسمبر ۱۹۴۱ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے دہلی ریڈیو اسٹیشن سے ایک تقریر میں حامد حسن قادری کی کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' پر اظہارِ خیال کیا تھا۔ اس تقریر کے چند جملے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

''مولّف نے ہر دور کے نثر کے مصنفین کے ضروری حالات اور ان کے کلام کا نمونہ دیا

---

[1] حامد حسن قادری، تاریخ وتنقیدِ ادبیاتِ اردو، ص ۱۶۸-۱۶۹، لکشمی نرائن اگروال پرنٹرس، آگرہ ۱۹۶۹ء

ہے اور ہر مصنف کے کلام پر تنقید بھی کی ہے۔ کلام کا نمونہ کہیں کہیں طویل ہوگیا ہے۔ تنقید بے لاگ ہے اور عیب و ہنر دونوں پر نظر رکھی ہے۔... یہ کتاب بہت جامع ہے اور اس وقت تک اس موضوع پر اردو میں کوئی کتاب اس پایہ کی نہیں لکھی گئی''۔[۱]

نیاز فتح پوری بھی ''داستانِ تاریخ اردو'' کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ تالیف اپنی جامعیت وحسن ترتیب کے لحاظ سے خاص امتیاز کی مالک ہے۔ مشاہیر نثر نگار حضرات کے حالات اور ان کے تصانیف کے اقتباسات درج کر کے ان پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور سب کچھ باوجود اختصار کے، اتنی تحقیق و کاوش کا حامل ہے کہ مجھے تو یہ کتاب تاریخ اردو کی اچھی خاصی انسائیکلو پیڈیا معلوم ہوتی ہے۔''[۲]

ڈاکٹر محی الدین قادری زور اس کتاب کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''احسن مارہروی مرحوم نے جو نقش اول شائع کیا تھا اس وقت کوئی بھی یہ خیال نہ کرسکتا تھا کہ اس موضوع پر کچھ دنوں بعد ایسی اعلیٰ پایہ کی کتاب شائع ہوسکے گی۔''[۳]

حامد حسن قادری کی کتاب ''داستانِ تاریخ اردو'' کے متعلق آل احمد سرور کا خیال ہے کہ:

''اس وقت تک اردو کے متعلق جتنی کتابیں ہیں۔ ان سب سے مستند، جامع اور مفصل ہے۔ اس کے سامنے سکسینہ اور عسکری اور احسن کی کتابیں محض طفلانہ کوشش معلوم ہوتی ہے۔ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کتاب محض مشاہیر کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ بہت سے دوسرے درجہ کے غیر معروف مصنفوں کا بھی ذکر ہے۔ خصوصاً انیسویں صدی کے نثاروں کا تذکرہ بہت مفید ہے۔ اس سے یہ خیال اور بھی واضح ہوجاتا ہے کہ جو لوگ فورٹ ولیم کالج اور سرسید کے درمیان کے زمانے کو تاریکی کا دور کہتے تھے، وہ کس قدر غلطی پر تھے۔ ۸۵۲ صفحہ کی کتاب میں نمونے بھی بکثرت ہیں اور تنقیدی حصہ بھی کافی ہے۔''[۴]

رسالہ ''زمانہ'' کے ایڈیٹر دیا نرائن نگم ''داستانِ تاریخ اردو'' کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان

۱۔ حامد حسن قادری، نقد و نظر، ص ا، کراچی، اکیڈمک آفسیٹ پریس ۱۹۸۶ء

۲۔ ایضاً، ص ۲

۳۔ حامد حسن قادری، گلِ صد برگ، ص ۱۰۳، کراچی، قادری اکیڈمی ۱۹۹۵ء

۴۔ حامد حسن قادری، نقد و نظر، ص ۲

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

جملوں میں کرتے ہیں:

''... جزوی باتوں کے متعلق اختلاف رائے کے باوجود، ہر انصاف پسند نقاد کو ماننا پڑے گا کہ پروفیسر حامد حسن قادری نے اس کتاب میں بڑی محنت و جاں فشانی سے کام لیا ہے۔ انھوں نے ہر معاملے میں اپنی رائے صاف صاف اور بیباکانہ ظاہر کر دی ہے۔ بے جا اعتراضات اور غلط تعریف و توصیف سے بھی ان کا قلم پاک رہا ہے۔... قادری صاحب نے اردو نثر کی یہ ضخیم تاریخ لکھ کر ملک کی ایک زبردست ادبی خدمت کی ہے۔ ساری کتاب کی عبارت شگفتہ اور دلکش ہے، اور اس کی تیاری میں بڑی محنت و کاوش سے کام لیا گیا ہے۔ جس کا احسان اردو زبان پر ہمیشہ رہے گا۔''[1]

پہلے ایڈیشن کے سولہ سال بعد ۲ راپریل ۱۹۵۷ء کو عزیزی پریس آگرہ سے دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔ حامد حسن قادری نے انتیسویں پارے کی سورۃ الحاقہ سے ''باسم ربک العظیم سے سنہ طباعت ۱۳۷۶ھ نکالی۔ حامد حسن قادری دوسرے ایڈیشن کو پہلے ایڈیشن سے بہتر بنانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن چند وجوہ سے ایسا نہیں کر سکے:

''میں چاہتا تھا کہ دوسرے ایڈیشن میں صرف نظر ثانی اور ترمیم و درستی ہی نہ ہو بلکہ کتاب کو دوبارہ لکھ دوں، لیکن یہ بڑا کام تھا۔ سوچتا اور ارادہ ہی کرتا رہا۔ حتیٰ کہ پاکستان چلا آیا اور کراچی میں آ کر بس گیا۔ یہاں آ کر اس کتاب کی اتنی مانگ دیکھی کہ میں حیران رہ گیا۔ میرے آنے کی خبر سن کر طلبا و اساتذہ نے طلب کیا ''مطالبہ'' کا ہنگامہ شروع کر دیا۔ میرے پاس جو کتاب تھی اس پر حملے رہے۔ اساتذہ نے کتاب کی مانگ اور مقبولیت کے قصے سنائے کہ پچیس روپے تک ایک کتاب فروخت ہوئی ہے اور آخری نسخہ تو ایک دوکاندار نے ۳۸ روپے کو دیا اور لینے والے نے لیا۔ اس وقت بھی جن داموں کو مل جائے لوگ خریدنے کو تیار ہیں۔''[2]

مصنف نے ''داستانِ تاریخِ اردو'' کی اشاعتِ اول پر موصول ہونے والے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

---

[1] حامد حسن قادری، نقد و نظر، ص ۲، کراچی، اکیڈمک آفسیٹ پریس ۱۹۸۶ء

[2] حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، دوسرا دیباچہ، ص ۳، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''مجھے بڑا اطمینان اس بات سے ہوا کہ تبصرہ نگاروں نے میری رعایت ومروت سے کام نہ لیا تھا۔ اور میں انھیں حضرات کا شکر گزار ہوں جنھوں نے میرے ''ہنر'' کے ساتھ میرے ''عیب'' بھی گنائے۔ اس معاملے میں سب سے زیادہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (الہ آباد یونیورسٹی) نے میرے لیے زحمت گوارا فرمائی اور تبصرہ میں کتاب کی کتاب لکھ کر روانہ فرمائی جس میں اغلاطِ کتابت سے لے کر زبان ومحاورہ، موضوع ومضمون، بحث وتنقید، مواد معلومات سب ہی پر نظر ڈالی، مشورے دیے، تلافی مافات کی راہ بتائی، معلومات فراہم کیں۔''[1]

''داستانِ تاریخِ اردو'' کا تیسرا ایڈیشن نئے دیباچہ کے ساتھ ۱۴ستمبر ۱۹۶۶ء کو اردو اکادمی کراچی سندھ سے شائع ہوا اور چوتھا ایڈیشن بھی بغیر کسی ترمیم واضافہ کے ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ پانچواں ایڈیشن عاکف بکڈپو نئی دہلی سے ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آیا۔ کتاب کے متعدد ایڈیشن سے کتاب کی مقبولیت اور افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ''داستانِ تاریخِ اردو'' کے دیباچہ میں سببِ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے حامد حسن قادری نے لکھا ہے:

''...تیرھویں صدی ہجری میں دہلی، دکن، گجرات وغیرہ مقامات پر آزاد کے ''آب حیات'' سے پہلے ایک درجن کے قریب تذکرے تالیف کیے گئے (یورپین مصنفین کے لکھے ہوئے تذکرے ان پر مزید اضافہ ہیں) لیکن یہ سب (مع آب حیات) شاعری اور شاعروں کے تذکرے تھے۔ کسی نے مصنفین نثر کی طرف توجہ نہ کی''۔[2]

کتاب کے نام کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں:

''کتاب کا نام ''داستانِ تاریخِ اردو'' (=۱۹۳۸ء) میں نے تاریخ گوئی کے شوق میں رکھ دیا تھا۔ بعضوں نے اس پر اعتراض کیا اور سوال اٹھایا کہ یہ ''داستان'' زیادہ ہے یا ''تاریخ'' زیادہ۔ لیکن اب اشاعت ثانی میں نام بدل دیا جائے تو کتاب پہچانی نہ جائے گی۔ نام بہت مشہور ہو چکا ہے۔ اس لیے اس ''چیستاں'' کو باقی ہی رہنے دیا۔''[3]

---

[1] حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، دوسرا دیباچہ، ص۲، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

[2] ایضاً، ص۲۱

[3] ایضاً، ص۴

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''داستانِ تاریخِ اردو'' چھ ادوار میں منقسم اور ۹۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن ادوار قائم کرنے سے قبل متعدد عنوانات مثلاً ''آغازِ اردو سے پہلے اردو زبان، آغازِ اردو، اردو پر اولیاء اللہ کا فیضان، اردو میں سب سے پہلی تصنیف، دکن میں اردو کا آغاز، گجرات میں اردو کا آغاز، اردو کی اہمیت اور مقبولیت اور شمالی ہند میں اردو شاعری کا دورِ قدیم'' کے تحت سرسری گفتگو کی گئی ہے۔

''آغازِ اردو سے پہلے'' کا ذکر کرتے ہوئے حامد حسن قادری نے لکھا ہے کہ گوتم بدھ اور مہابیر جین کے زمانے سے سیکڑوں سال قبل ہندوستان میں آریہ قوم آ چکی تھی۔ آریہ سنسکرت زبان کا استعمال کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے یہ زبان لسانی، علمی اور ادبی حیثیت اختیار کر گئی۔ لیکن صدہا سال بعد سنسکرت کی جگہ پراکرت رائج ہونے لگی۔ شورسینی پراکرت کی ایک شاخ برج بھاشا متھرا کے علاقے میں رائج ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس کا دائرہ پھیلنے لگا اور برج بھاشا کو علمی اور ادبی حیثیت حاصل ہوگئی۔ ایک پنڈت ورادوچی نے برج بھاشا کی قواعد صرف نحو ''پراکرت پرکاش'' کے نام سے مرتب کی۔ یہ کتاب ۱۸۶۸ء میں لندن سے شائع ہو چکی ہے۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں برج بھاشا کے بہت سے ایسے الفاظ موجود ہیں جو موجودہ اردو زبان میں شامل ہیں۔ برج بھاشا کے حوالے سے حامد حسن قادری مزید لکھتے ہیں:

> ''سکندر اعظم نے حضرت عیسیٰ سے ۳۲۵ سال قبل ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ اس وقت بھی برج بھاشا اور دیگر پراکرتیں ہندوستان میں رائج تھیں۔ راجہ اشوک حضرت عیسیٰ سے تقریباً ڈھائی سو برس پہلے تھا۔ اس کی زبان بھی یہی برج بھاشا تھی اور اس کے مشہور کتبوں پر یہی زبان پتھر کی لکیر بنی ہوئی ہے۔''[1]

پراکرتوں اور برج بھاشا کی قدامت کے بارے میں حامد حسن قادری کی معلومات جدید تحقیق کی رو سے درست نہیں۔

مصنف نے اردو کے آغاز و ارتقا سے پہلے کا ذکر کرتے ہوئے ان حملوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو عرب اور ہندوستان کے تجارتی معاملات کے درمیاں پیش آئے۔ مثلاً ۵۶۹ء میں ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے، ۹۸۶ء میں پنجاب کے علاقوں پر سبکتگین کے حملے، ۱۰۰۱ء سے ۱۰۲۷ء تک ہندوستان پر

---

[1] حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۸، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

محمود غزنوی کے سترہ حملوں اور پھر ۱۱۸۷ء میں ہندوستان پر غزنوی خاندان کی حکومت قائم ہونے کا مختصراً ذکر کیا ہے۔

حامد حسن قادری نے زبان کے لیے ہندوی، ریختہ اور لفظ اردو کے استعمال سے بھی بحث کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اردو کو لشکر اور لشکر گاہ کے معنی میں سب سے پہلے مغل بادشاہوں نے لکھنا شروع کیا۔ بابر نے اپنے دورِ حکومت میں اردو زبان کو ''اردوے نصرت'' کے نام سے موسوم کیا اور جہانگیر نے سکہ پر ''بادرواں تا کہ بود مہر ماہ سکہ اردوے جہانگیر شاہ'' شعر لکھوایا پھر شاہ جہاں نے اپنے دورِ حکومت میں اسے یعنی اردوے جہانگیر سے تبدیل کر کے ''اردوئے معلیٰ'' کیا۔

اردو کے آغاز وارتقا کے متعلق حامد حسن قادری حافظ محمود شیرانی کے خیال سے بہت حد تک متفق ہیں۔ حامد حسن قادری نے ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد، پنجاب میں مسلمانوں کے مستقل قیام، ان کی زبان اور ہندوستانی زبان کا ایک دوسرے سے متاثر ہو کر ملی جلی زبان سے اردو زبان کے پیدا ہونے کا ذکر اختصار سے کیا ہے۔ انھوں نے فارسی شاعری میں ہندی کے الفاظ، فارسی شاعروں کے ہندوی کلام، ہندوی شاعری میں عربی کے الفاظ کے استعمال اور ۱۱۷۵ء سے ۱۱۹۲ء تک ہندوستان پر محمود غوری کے حملوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے بہ قول ۱۱۹۲ء میں ہی ''دہلی میں اردو زبان کا رواج'' ہوا۔

حامد حسن قادری نے اپنی کتاب میں اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیاے کرام کی خدمات کا بھی جائزہ لیا ہے اور ان کے ملفوظات کے نمونہ پیش کیے ہیں صوفیاے کرام میں حضرت داتا گنج بخش ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت بابا فرید گنج شکر، حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی، حضرت نظام الدین اولیا، حضرت امیر خسرو، حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری، حضرت شیخ سراج الدین عثمانی، حضرت شاہ شرف الدین یحیٰ منیری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اردو نثر کی پہلی کتاب خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی کا رسالہ ''اخلاق وتصوف'' ہے۔ یہ کتاب ۱۳۰۸ء میں لکھی گئی۔ اس کے منظر عام پر آنے سے قبل عام رائے یہ تھی کہ اٹھارھویں صدی عیسوی سے پہلے شمالی ہند میں تصنیف وتالیف نثر اردو کا کوئی رواج نہیں تھا مگر سید اشرف جہانگیر سمنانی کے رسالہ ''اخلاق وتصوف'' کی دریافت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دکن اور گجرات میں اردو کی ابتدا سے بہت پہلے شمالی ہند میں سید اشرف جہانگیر کی کتاب سے اردو نثر کی ابتدا ہو چکی تھی۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

جدید تحقیق کی روشنی میں حامد حسن قادری کے مذکورہ رسالہ کی حیثیت مشکوک ہے۔ انھوں نے ''شمالی ہند میں اردو شاعری کا دورِ قدیم'' کے ذیلی عنوان کے تحت اردو کے چند ابتدائی شاعروں کا ذکر کیا ہے اور نمونہ کلام بہ طور مثال پیش کیے ہیں۔ حامد حسن قادری نے دورِ قدیم کے جن شاعروں کا ذکر کیا ہے ،ان کے نام نور اعظم پوری، کمال الدین، مخدوم شیخ سعدی کاکوروی، محمد افضل جھنجھانوی، پنڈت چندر بھان برہمن اکبرآبادی، معز الدین فطرت، مرزا عبدالقادر بیدل، جعفر زٹلی، میر عبدالجلیل بلگرامی، میرزا عبدالغنی، قبول کشمیری اور میرزا محمد رضا خاں ہمدانی امید ہیں۔

حامد حسن قادری نے ''دکن میں اردو'' کے عنوان سے دکن کی خود مختار سلطنتوں کا مختصراً ذکر کیا ہے اور ابتدائی دور کے چند مصنفین کا اجمالاً ذکر کرتے ہوئے رسالہ ''مسائل شرعیہ'' کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ رسالہ بہمنی دور کے پہلے نثر نگار شیخ عین الدین گنج العلم کا ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ یہ رسالہ دستیاب نہیں ہے۔ اس دور کی پہلی کتاب ''معراج العاشقین'' ہے۔ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی کتاب ہے، لیکن اب بہت سے محققین اس خیال کو درست نہیں مانتے۔ جمیل جالبی ''تاریخِ ادب اردو'' جلد اول میں لکھتے ہیں:

> ''عین الدین گنج العلم (۷۰۶ھ-۷۹۵ھ/۱۳۰۶ء-۱۳۹۲ء) کا نام ہر ادبی تاریخ میں لیا جاتا ہے۔ لیکن ان کی کوئی دکنی تصنیف اب تک دستیاب نہیں ہوئی، حتیٰ کہ وہ تین رسالے، جن کا ذکر شمس اللہ قادری نے ''اردوئے قدیم'' میں کیا ہے۔ ایک افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (۸۲۵ھ/۱۴۲۱ء) (جو فیروز شاہ بہمنی کے زمانے میں گلبرگہ آئے) کی تصنیف ''معراج العاشقین'' بھی، جو اب تک اردو کی پہلی نثری تصنیف مانی جاتی رہی ہے، نہ صرف اس دور کی تصنیف نہیں ہے بلکہ اس کے مصنف خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے بجائے مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری ہیں۔ جنھوں نے گیارھویں صدی ہجری کے نصف آخر یا بارھویں صدی کے اوائل میں ''تلاوۃ الوجود'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا''۔[۱]

جمیل جالبی نے اپنی کتاب ''تاریخِ ادب اردو'' میں مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری کی کتاب

---

[۱] ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، ص ۱۵۹، ج اول، پانچواں ایڈیشن، نئی دہلی ایجوکیشنل بک ہاؤس ۲۰۰۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''تلاوۃ الوجود'' کو دکن کا پہلا رسالہ تسلیم کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''معراج العاشقین'' جو دکن کی پہلی با قاعدہ نثری تصنیف مانی جاتی رہی ہے، یہ بندہ نواز گیسو دراز کی کتاب نہیں ہے۔ جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ دراصل یہ مخدوم شاہ حسینی بیجاپوری کی کتاب ہے جو ۱۱ویں صدی ہجری کے اخیر اور ۱۲ویں صدی ہجری کے شروع میں لکھی گئی تھی، مقتدمین نے جذباتی تعلق کی بنا پر ''معراج العاشقین'' کو بندہ نواز سے منسوب کر دیا۔

حامد حسن قادری نے معراج العاشقین کے ساتھ ''معراج نامہ'' اور رسالہ ''سہ پارہ'' کا بھی ذکر کیا ہے اور بندہ نواز کے فقروں، بیاضوں اور اشعار سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ بہمنی دورِ حکومت میں نثر اور شاعری کا عام موضوع تصوف تھا۔

بہمنی سلطنت کے زوال کے بعد دکن میں پانچ خود مختار سلطنتیں قائم ہوگئی تھیں۔ بیجاپور میں عادل شاہی، گول کنڈہ میں قطب شاہی، احمد نگر میں نظام شاہی، برار میں عماد شاہی اور بیدر میں برید شاہی۔

حامد حسن قادری نے عادل شاہی دورِ حکومت کے چار بادشاہوں یوسف عادل شاہ، ابراہیم عادل شاہ اول، علی عادل شاہ اور ابراہیم عادل شاہ ثانی کا سرسری ذکر کیا ہے اور اس دور میں فارسی اور اردو کے نشیب و فراز پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ بہمنی دورِ حکومت میں دفتر کی زبان قدیم اردو یعنی ہندوی تھی۔ یوسف عادل شاہ نے قدیم اردو کو ہٹا کر دکن کی سرکاری زبان فارسی کر دی۔ لیکن ابراہیم عادل شاہ اول نے اپنے زمانے میں دفتری زبان پھر اردو کر دی۔ ۱۵۳۸ء سے ۱۵۵۷ء کے بعد علی عادل شاہ اول نے فارسی کو پھر سے سرکاری زبان بنا دیا۔ جب ابراہیم عادل شاہ ثانی تخت پر بیٹھا تو اس نے دفتروں میں اردو زبان کو دوبارہ رائج کر دیا اور اس کے بعد عادل شاہی دورِ حکومت کے زوال تک دکن کی سرکاری زبان اردو تھی۔ رفتہ رفتہ اردو زبان دکن کی عوامی زبان بن گئی۔ مصنف نے شاہ میراں جی خدانما کی کتاب ''شرح مرغوب القلوب، جَل ترنگ، اور گلِ باس کے علاوہ رسالہ ''سب رس'' کا مختصراً بیان کیا ہے اور ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسالہ ''سب رس'' ملا وجہی کی کتاب ''سب رس'' سے قبل لکھا گیا تھا۔ انھوں نے شاہ برہان الدین جانم کی کتاب ''کلمۃ الحقائق'' کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کتاب میں بیان کیے گئے طریقت کے مسائل کو بہ طور نمونہ پیش کیا ہے۔ حامد حسن قادری نے جانم کے بعد شاہ امین الدین اعلیٰ کی کتاب ''رسالہ گنج مخفی'' کا ذکر کیا ہے۔ مگر حسینی شاہد نے اپنی کتاب ''سید شاہ امین الدین اعلیٰ'' میں شاہ

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

امین الدین اعلیٰ کی اور بھی کئی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً وجودیہ، کلمۃ الاسرار، ارشادات، رسالہ ظاہر و باطن، عشق نامہ اور شرح کلمۃ طیب۔

ان کتابوں سے ظاہر ہے کہ اس دور میں زیادہ تر مذہبی موضوعات کو فوقیت دی گئی۔ مقصد یہ تھا کہ تصوف اور اخلاق کے مسائل کو عوام اور خواص تک پہنچایا جائے۔

قطب شاہی دور کے آٹھ بادشاہوں نے ڈیڑھ سو سال سے بھی زیادہ حکومت کی اور ان کے تین حکمراں صاحبِ دیوان شاعر بھی تھے۔ بہمنی اور عادل شاہی دور کے مقابلہ میں اس دور میں نثری کتابیں زیادہ لکھی گئیں۔ حامد حسن قادری نے اس دور کے مصنفین شاہ میراں جی خدانما، مولانا عبداللہ، ملا وجہی اور میراں یعقوب کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ شاہ میراں جی خدانما نے عین القضات ہمدانی کی کتاب ''تمہیداتِ عین القضات'' کا اردو ترجمہ ''شرحِ تمہیدِ ہمدانی'' کے نام سے ۱۶۰۳ء میں کیا تھا۔ مگر نصیرالدین ہاشمی اپنی کتاب ''دکن میں اردو'' کے ص ۱۶۳ پر ''شرحِ تمہیدِ ہمدانی'' کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''شرحِ تمہیدِ ہمدانی'' ایک تصوف کی کتاب ہے۔ جو امام غزالی کے بھائی شیخ احمد کی تصنیف کا ترجمہ ہے''[1]

اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''تاریخِ ادب اردو'' کے ص ۴۹۸ پر لکھا ہے:

> ''تمہیداتِ ہمدانی'' عربی زبان کی مشہور تصنیف ہے جسے ابوالفضائل عبداللہ بن محمد عین القضاۃ ہمدانی (م ۵۳۳ھ/ ۱۱۳۸ء) نے لکھا تھا۔ عین القضاۃ ہمدانی شیخ محمد بن حمویہ کے شاگرد اور شیخ احمد غزالی کے تربیت یافتہ تھے۔ اس میں شرع وعقائد اور تصوف وسلوک کے مسائل کو قرآن واحادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔''[2]

حامد حسن قادری نے ذیلی عنوان کے تحت دکن میں مغل بادشاہوں کی حکومت کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ ۱۶۸۶ء میں اورنگ زیب نے بیجاپور فتح کیا اور ایک سال بعد یعنی ۱۶۸۷ء میں گول کنڈا پر قبضہ کرلیا۔ ۱۶۸۷ء سے ۱۷۳۰ء تک پورے دکن پر مغلیہ حکومت قائم ہوگئی۔ انھوں نے اس عہد کے کئی دکنی ادیبوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً سید شاہ محمد قادری، شاہ ولی اللہ قادری، سید شاہ میر قادری اور ابوالفضل وغیرہ۔ سید شاہ محمد

---

[1] نصیرالدین ہاشمی، دکن میں اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۱۶۳، نئی دہلی ایجوکیشنل پرنٹنگ پریس ۲۰۰۰ء

[2] ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخِ ادب اردو، ج اول، ص ۴۹۸، پانچواں ایڈیشن، نئی دہلی ایجوکیشنل بک ہاؤس ۲۰۰۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

قادری رائے پور کے خاندان ''نور دریا'' کے بزرگ، شیخ امین الدین اعلیٰ کے خلیفہ تھے۔ انھوں نے چند نثری رسالے تصوف کے موضوع پر لکھے۔ اسی طرح موصوف نے شاہ ولی اللہ قادری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انھوں نے شیخ محمود کی فارسی کتاب ''معرفت السلوک'' کا اردو ترجمہ کیا تھا۔ اس کتاب کا موضوع بھی تصوف ہے۔ مصنف نے اس ترجمے سے ایک اقتباس بہ طورِ مثال پیش کیا ہے۔ مگر شاہ ولی اللہ کی کتاب کا نام درج نہیں کیا ہے۔

حامد حسن قادری نے شاہ ولی اللہ کے بعد سید شاہ میر کے دو رسالوں کا ذکر کیا ہے جن کے نام ''اسرار التوحید'' اور رسالہ ''حقائق'' ہیں۔ رسالہ ''اسرار التوحید'' میں فلسفہ اور نفسیات کے موضوع سے بحث کی گئی ہے اور رسالہ ''حقائق'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ رسالہ فارسی کتاب ''وحدت الوجود'' کا اردو ترجمہ ہے۔ حامد حسن قادری نے ''طوطی نامہ قادری'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''طوطی نامہ قادری'' کی شہرت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ اس کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا گیا۔ جن میں بعض منظوم ترجمے بھی تھے۔ اصلاً یہ قصہ سنسکرت زبان میں سب سے پہلے لکھا گیا تھا۔ اس کا ترجمہ ضیاء الدین بدایونی نے ۱۳۳۰ء میں کیا اور اس کا نام طوطی نامہ رکھا۔ انھوں نے سنسکرت کی ۷۰ کہانیوں میں سے صرف ۵۲ کہانیوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ گیارھویں صدی ہجری میں ملا سید محمد قادری نے اس کتاب کی ۳۵ کہانیوں کا بامحاورہ آسان فارسی میں ترجمہ کیا اور طوطی نامہ نام رکھا۔ بہ قول حامد حسن قادری:

> ''ہمارے زیرِ نظر ''محمد قادری'' کے اسی طوطی نامہ کا اردو ترجمہ ہے جو ۱۷۲۹ء میں لکھا گیا ہے اور جس کا مترجم اب تک پردہ اخفا میں ہے''۔ [۱]

اس اقتباس کے بعد انھوں نے اس کتاب کی عبارت بہ طور نمونہ پیش کی ہے۔

حامد حسن قادری نے دکن کے علاوہ شمالی ہند میں بھی اردو کی رفتار اور ترقی کا جائزہ لیا ہے۔

حامد حسن قادری نے اس دور کو ۱۷۳۲ء سے ۱۷۹۹ء تک رکھا ہے۔ اس دور میں شمالی ہند کا سب سے پہلا نثر نگار فضلِ علی فضلی ہے۔ فضلی نے ملا حسین واعظ کاشفی کی فارسی کتاب ''روضۃ الشہدا'' کا اردو ترجمہ ''کربل کتھا'' کے نام سے ۱۷۳۱ء میں کیا۔ حامد حسن قادری نے ''کربل کتھا'' کی چوتھی مجلس کا ایک اقتباس اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ ''کربل کتھا'' اب شائع ہوگئی ہے جسے مالک رام اور مختار الدین احمد

---

[۱] حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۵۰، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نے مرتب کیا ہے۔ اسے خواجہ احمد فاروقی نے بھی مرتب کیا ہے۔

حامد حسن قادری نے مرزا محمد رفیع سودا دہلوی کے دیوان مرثیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سودا نے اپنے مرثیہ کے دیوان کا دیباچہ اردو میں لکھا تھا۔ شاہ رفیع الدین نے ۱۷۷۶ء میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ کیا۔ انھوں نے اس ترجمہ کی کمیوں کی یہ وجہ بتائی ہے کہ:

''عربی زبان کی وسعت و بلاغت اور قرآن کی معجزہ نما عبارت ترجمہ کی گرفت میں نہیں آسکتی''۔[۱]

شاہ عبدالقادر نے ۱۷۹۰ء میں قرآن مجید کا ترجمہ مع تفسیر لکھا اور اس کا نام ''موضع القرآن'' رکھا۔ احسن مارہروی نے ''تاریخ نثر اردو نمونہ منثورات'' میں شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کا سنہ ۱۷۸۸ء درج کیا ہے۔ احسن مارہروی نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''... ترجمہ اول کا سنہ تحریر صحیح معلوم نہ ہوسکا صرف اتنا علم ہوا کہ ترجمہ ثانی سے پہلے کیا گیا ہے اس لیے اس کا نمونہ اول قائم کیا گیا۔ ترجمہ اول بہت کم شائع ہوا ہے''[۲]

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے ''قدیم اردو'' میں شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کا سنہ ۱۷۹۱ء بتاتے ہوئے شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کی اولیت پر اس وجہ سے شک کا اظہار کیا ہے کہ شاہ عبدالقادر نے اپنے ترجمے کے دیباچہ میں اپنے والد شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمے کا ذکر کیا مگر اپنے بھائی شاہ رفیع الدین کے ترجمے کا کوئی ذکر نہیں کیا عبدالجلیل نعمانی کے حوالے سے مولوی عبدالحق نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

''... مولوی عبدالجلیل صاحب نعمانی نے اس ترجمے کے ایسے الفاظ کی ایک فرہنگ شائع کی تھی جو آج کل استعمال میں نہیں آتے۔ اس کے دیباچہ میں وہ اس ترجمے کا سنہ ۱۲۲۲ھ قرار دیتے ہیں۔''[۳]

حامد حسن قادری نے میر عطا حسین تحسین کی کتاب ''نوطرز مرصّع'' کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ امیر خسرو کی فارسی کتاب ''قصۂ چہار درویش'' کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں ''قصۂ چہار درویش'' کا

۱۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۶۴، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۲۔ احسن مارہروی، تاریخِ نثر اردو، نمونۂ منثورات، ص ۸۰، علی گڑھ یونیورسٹی پریس ۱۹۳۰ء

۳۔ مولوی عبدالحق، قدیم اردو، ص ۱۳۲، کراچی، انجمن ترقی اردو ۱۹۶۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

امیر خسرو سے کوئی تعلق نہیں ہے محمود شیرانی نے اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ہے۔

''نوطرز مرصّع'' ۱۷۹۸ء میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب کے علاوہ انھوں نے فارسی کتاب انشائے تحسین، تواریخ فارسی اور ضوابط انگریزی لکھی ہے جن کا ذکر حامد حسین قادری نے بھی کیا ہے۔

حامد حسن قادری نے یورپین مصنفینِ اردو کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے جس کے ذیلی عنوانات درج ذیل ہیں:

۱) قدیم اہل یورپ اور ہندوستان
۲) اہل یورپ کی آمد (پرتگالی)
۳) انگریز ہندوستان میں
۴) اہلِ ہالینڈ ہندوستان میں
۵) ایسٹ انڈیا کمپنی
۶) انگریزوں کے حکمرانی کے منصوبے
۷) اہل یورپ کی تجارتی جنگ ہندوستان میں
۸) فرانس وانگلستان کی جنگ حکومتِ ہند کے لیے
۹) ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت
۱۰) انگریزوں کی شہنشاہی
۱۱) گورنمنٹ کی طرف سے اشاعتِ تعلیم
۱۲) اہل یورپ اور اردو
۱۳) پہلا یورپین مصنف

اپنے مطالعہ اور تحقیق کی بنیاد پر حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''یورپ کا پہلا اردو مصنف جان جوشوا کیٹلر ڈچ تھا جو ۱۷۱۱ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔ اس نے ۱۷۱۵ء میں ''صرف ونحو ہندوستانی'' کے نام سے اردو زبان کی گرامر لکھی۔ اس کتاب کا ترجمہ ڈیوڈمل نے ۱۷۴۳ء میں لاطینی زبان میں کیا''۔[۱]

---

[۱] حامد حسن قادری، داستانِ تاریخ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۸۳، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری نے ڈاکٹر جان گل کرسٹ اور گارساں دتاسی کی ادبی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ڈاکٹر جان گل کرسٹ اسکاٹ لینڈ کے ایک شہر اڈنبرا کا باشندہ تھا۔ اس کا پورا نام جان بور گل کرسٹ تھا۔ اس کی پیدائش ۱۷۵۹ء میں ہوئی۔ وہ ۱۷۸۷ء میں ہندوستان آیا اور بیس سال تک مسلسل اردو کی خدمت کرتا رہا۔ ۱۸۰۰ء میں فورٹ ولیم کالج کا پہلا پرنسپل مقرر ہوا۔

حامد حسن قادری کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ گل کرسٹ فورٹ ولیم کالج کا پرنسپل تھا۔ صحیح یہ ہے کہ گل کرسٹ ہندوستانی شعبے کا سربراہ تھا۔ محمد عتیق صدیقی اپنی کتاب ''گل کرسٹ اور اس کا عہد'' میں ص ۳۱ پر لکھتے ہیں:

> ''فورٹ ولیم کالج میں گل کرسٹ کی حیثیت صرف ''ہندوستانی پروفیسر'' کی تھی اور کالج سے مستعفی ہونے تک وہ اسی عہدے پر مامور رہا''۔[۱]

حامد حسن قادری نے اپنی کتاب میں گل کرسٹ کی گیارہ کتابوں کی فہرست درج کی ہے:

(۱)	انگریزی ہندوستانی ڈکشنری	۱۷۹۳ء
(۲)	ہندوستانی گرامر	۱۷۹۶ء
(۳)	اورینٹل لنگوئسٹ (مشرقی زبان داں)	۱۷۹۸ء
(۴)	خلاصۂ مشرقی زبان داں	۱۸۰۰ء
(۵)	فارسی فعل کا نظریۂ جدید مع مترادفاتِ ہندوستانی	۱۸۰۱ء
(۶)	قصصِ مشرقی	۱۸۰۲ء
(۷)	رہنمائے زبانِ اردو	۱۸۰۴ء
(۸)	ہندی عربی کا آئینہ	۱۸۰۴ء
(۹)	قواعدِ اردو	۱۸۰۴ء
(۱۰)	اردو رسائل گل کرسٹ	۱۸۲۰ء
(۱۱)	انگریزی ہندوستانی بول چال	۱۸۲۰ء

حامد حسن قادری نے ڈاکٹر جان گل کرسٹ کے بعد انیسویں صدی کے یورپین مصنفین کا بھی ذکر

---

[۱] محمد عتیق صدیقی، گل کرسٹ اور اس کا عہد، ص ۳۱، علی گڑھ انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۶۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کیا ہے مثلاً کپتان جوزف ٹیلر گلیڈوں، کپتان ٹامن، کپتان روبک، جان شیکسپیر، ولیم ٹیٹ، ایس ڈبلیو برٹین، اسٹیم فورڈ ارناٹ، جیمس آر بالن ٹائن، ڈنکن فاربس، ایف فیلن، ڈاکٹر گارساں دتاسی۔ دتاسی نے اپنے ملک پیرس میں رہ کر اردو کے متعلق لکچر دیے، بہت سی کتابیں، مضامین اور مجموعہ لکچر مرتب کیے بعد میں یہ کتابیں شائع ہوگئیں۔ مختلف موضوعات پر اس کی کتابوں کی تعداد ۱۷ ہے۔

(۱) پند آموز حکایات کا ترجمہ ۱۸۲۱ء

(۲) انتخابِ کلام میر تقی میر مع ترجمہ زبان فرنچ ۱۸۲۶ء

(۳) قصہ کامروپ مصنف تحسین الدین کا فرنچ ترجمہ ۱۸۲۴ء

(۴) انتخابِ کلام ولی اورنگ آبادی ۱۸۳۶ء

(۵) کتبہ جات عربی فارسی اردو ۱۸۲۸ء

(۶) ذکر تذکرہ جات مشتمل بر حالاتِ شعرا و مصنفین ہندی اردو ۱۸۳۸ء

(۷) مسلمانانِ مشرق کا علمِ عروضِ عربی و فارسی و اردو ۱۸۳۴ء

(۸) ہندوؤں کے کھانے جن کا ذکر اردو کتابوں میں ہے ۱۸۳۴ء

(۹) انتخابِ قصہ گلِ بکاؤلی مع ترجمہ زبان فرانسیسی ۱۸۳۵ء

(۱۰) اردو زبان کا ابتدائی رسالہ ۱۸۳۳ء

(۱۱) سعدی دکھنی ہندوستان کا ایک مشہور شاعر ۱۸۴۳ء

(۱۲) تذکرہ شعراء اردو (دو جلدوں میں) ۱۸۴۷ء

(۱۳) انتخاباتِ اردو ہندی ۱۸۵۴ء

(۱۴) تذکرۂ مصنفین و تصانیفِ اردو ۱۸۶۸ء

(۱۵) خطباتِ متعلق زبانِ اردو ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۹ء

(۱۶) خطباتِ متعلق زبانِ اردو ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۷ء

(۱۷) تذکرہ شعرائے اردو (تین جلدوں میں)

حامد حسن قادری نے پھر فورٹ ولیم کالج سے وابستہ مصنفین اور ان کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ کالج کے اغراض و مقاصد اور پالیسیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ یہاں مختلف زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مثلاً فارسی، سنسکرت، بنگالی، اردو اور مرہٹی وغیرہ۔ دیسی زبانوں کے ساتھ ساتھ وہاں غیر ملکی زبانوں کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ مثلاً انگریزی یونانی اور لاطینی۔ حامد حسن قادری نے کالج کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''کالج کی یہ خدمات کم و بیش بیس برس تک جاری رہیں، اس عرصہ میں اٹھارہ مصنفوں نے پچاس کتابیں اردو میں تصنیف، تالیف اور ترجمہ کیں۔''[۱]

اٹھارہ مصنفین کے ذکر کے باوجود حامد حسن قادری نے صرف پندرہ مصنفین کے نام درج کیے ہیں اور ان کی کتابوں کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ براہ راست تعلق رکھنے والے مصنفین کے نام اس طرح ہیں: میر امن، سید حیدر بخش حیدری، میر شیر علی افسوس، مرزا علی لطف، بہادر علی حسینی، مظہر علی خاں ولا، کاظم علی جواں، مولوی امانت اللہ شیدا، شیخ حفیظ الدین، خلیل علی خاں اشک، اکرام علی، نہال چند لاہوری، بنی نرائن جہاں، للولال جی اور مرزا جان طپش۔

ان حضرات کے علاوہ بالواسطہ طور پر کچھ لوگوں کا تعلق فورٹ ولیم کالج سے تھا جن کا ذکر عبیدہ بیگم نے اپنی کتاب ''فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات'' میں کیا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: سید منصور علی، میر بخش علی، میر نور علی، میر معین الدین فیض، سید حمید الدین، غلام حیدر عزت، کندن لال، تو تارام، نور خاں، مرزائی بیگم، محمد علی، میر ابوالقاسم، حاجی مرزا مغل نثار اور باسط خاں باسطؔ وغیرہ۔ ان حضرات نے کالج کونسل سے انعام حاصل کرنے کی غرض سے کتابیں لکھی تھیں۔

حامد حسن قادری میر امن دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کا نام میر امان تھا اور تخلص امن کرتے تھے۔ حامد حسن قادری کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ میر امن نے خود اپنی کتاب ''گنج خوبی'' کے مقدمہ میں اپنا نام میر امن 'دلی والا' لکھا ہے اس کے علاوہ اردو ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' جلد ۲۱ کے ص ۹۲۶ پر میر امن ہی درج ہے۔

جہاں تک تخلص کا سوال ہے وہ ''امن'' نہیں بلکہ ''لطف'' تھا جس کی تائید ''گنج خوبی'' کے ان اشعار سے ہوتی ہے۔

---

[۱] حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۱۶۱، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''گنج خوبی جب کیا میں نے تمام
کہنی اک تاریخ ہوئی مجھ کو ضرور
تب کہا دل سے کہ میری مدد
وہ لگا کہنے بہ شادی و سرور
''گنج خوبی'' لطف سے معمور ہے
ایک ''بدگو'' کو اس مصرع سے دور
(میر امن لطف)''[۱]

عبیدہ بیگم نے اپنی کتاب ''فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات'' کے ص ۱۲۷ پر میر امن کا تخلص ''لطف'' ہی لکھا ہے۔ رشید حسن خاں اپنی مرتب کردہ کتاب ''باغ و بہار'' کے ص ۳۲ پر لکھتے ہیں:

''انھوں نے ''باغ و بہار'' اور ''گنج خوبی'' میں کئی جگہ اپنے آپ کو ''میر امن دلی والا'' لکھا ہے۔[۲]

گل کرسٹ کی کتاب "Staranges east Indian guide to the east Indian guide Hindustani"

میں میر امن کی غزل رومن میں درج ہے، وہاں ''میر امن لطف'' ہی لکھا ہے۔ اس طرح بیش تر حضرات نے میر امن ہی لکھا ہے۔ حامد حسن قادری میر امن دہلوی کی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ۱۸۰۲ء میں انہوں نے دو کتابیں ''باغ و بہار'' اور ''گنج خوبی'' لکھی اور یہ دونوں ۱۸۰۲ء میں ہی شائع ہوئیں۔ جب کہ رشید حسن خان اپنی مرتب کردہ کتاب ''باغ و بہار'' کے مقدمہ ص ۱۴ پر لکھتے ہیں کہ:

''باغ و بہار مکمل صورت میں پہلی بار ۱۸۰۴ء میں کلکتے کے ''ہندوستانی چھاپا خانہ'' میں طبع ہوئی تھی۔''[۳]

اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی لکھتے ہیں کہ:

''...انھوں نے ۱۲۱۵ھ کے آخر یعنی ۱۸۰۱ء کے آغاز میں اسے تحریر کرنا شروع کیا تھا،

۱۔ میر امّن، گنج خوبی، ص ۳۲۰، ممبئی، ادبی پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۶ء

۲۔ رشید حسن خاں (مرتب) باغ و بہار، ص ۳۲، نئی دہلی، ثمر آفسیٹ پرنٹرس ۱۹۹۹ء

۳۔ ایضاً، ص ۱۴

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۱۲۱۷ھ کی ابتدا (مطابق وسط ۱۸۰۲ء) میں یہ پایہ تکمیل کو پہنچی۔ تاریخی نام باغ و بہار تجویز پایا۔''[۱]

فورٹ ولیم کالج کی کتابوں میں ''باغ و بہار'' کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ یہ کتاب مختلف زبانوں میں ترجمہ کی گئی۔ مثلاً انگریزی، پرتگالی، فرانسیسی اور لاطینی وغیرہ۔ اس کتاب کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''میر امن کی باغ و بہار اس قدر مقبول ہوئی کہ انگریزی، فرانسیسی، پرتگالی، لاطینی زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ اردو میں متعدد شاعروں نے نظم کیا۔ میر امن کی زبان و بیاں کو ہر ہندوستانی اور یورپین نے سراہا ہے۔ فرانسیسی مستشرق گارسن دتاسی نے اپنے خطبات میں بار بار باغ و بہار کا ذکر کیا ہے اور اس کی خوبیاں گنائی ہیں۔''[۲]

میر امن کے بعد دوسرا مشہور نام حیدر بخش حیدری کا ہے۔ حامد حسن قادری نے حیدری کا نام حیدر بخش حیدری لکھا ہے لیکن کلیم الدین احمد اپنی مرتب کردہ کتاب ''دیوان جہاں'' (مطبوعہ لیبل لیتھو پریس رمنہ روڈ پٹنہ ۱۹۵۹ء) کے ص ۹۹ پر لکھتے ہیں:

''حیدری تخلص، نام میر حیدر بخش، دہلی کے رہنے والے ...''[۳]

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ واضح ہے کہ ان کا اصل نام حیدر بخش حیدری نہیں تھا بلکہ میر حیدر بخش تھا، حیدری تخلص کرتے تھے۔ فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں حیدری نے سب سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ مثلاً قصہ مہر و ماہ، لیلیٰ مجنوں، گلدستہ حیدری، توتا کہانی، آرائش محفل۔ گلزار دانش، تاریخ نادری، ہفت پیکر، گلِ مغفرت اور گلشنِ ہند۔ حامد حسن قادری ''گلشنِ ہند'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''گلشنِ ہند شعرائے اردو کا تذکرہ ہے جو حیدری نے ۱۲۱۴ھ/۱۸۰۰ء میں ختم کیا۔ عجیب اتفاق ہے کہ فورٹ ولیم کالج ہی کے ایک اور متوسل مرزا علی لطف نے اسی زمانے میں شعرائے اردو کا ایک تذکرہ لکھا۔ اور اس کا نام گلشنِ ہند رکھا ہے''[۴]

۱۔ ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی، (مرتب)، باغ و بہار، ص ۱۱، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۲۰۰۴

۲۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۱۰۲، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۳۔ کلیم الدین احمد (مرتب)، دیوانِ جہاں، ص ۹۹، پٹنہ، لیتھو پریس ۱۹۵۹ء

۴۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۱۰۷، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری ''قصہ لیلیٰ مجنوں'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امیر خسرو کی فارسی مثنوی ''لیلیٰ مجنوں'' کا ترجمہ ہے، سنہ تکمیل ۱۲۱۴ھ/۱۸۰۰ء ہے۔ موصوف کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ حیدری نے ۱۲۱۴ھ میں امیر خسرو کی فارسی مثنوی ''لیلیٰ مجنوں'' کا ترجمہ کیا۔ بلکہ جدید تحقیق کے مطابق ڈاکٹر گیان چند جین اپنی کتاب ''اردو کی نثری داستانیں'' میں لکھتے ہیں:

''قصہ لیلیٰ مجنوں ۱۲۱۵ھ۔... خسرو کی مثنوی لیلیٰ مجنوں کو خواجہ یٰسین شاہ جہاں آبادی نے شاہ عالم کے عہد میں زبانِ ریختہ ہندی (اردو) میں نظم کیا تھا۔ گلکرسٹ نے حیدری سے فرمائش کی کہ اسے اردو نثر میں لکھ دیں۔ چنانچہ ۱۲۱۵ھ میں یہ نثری قصہ وجود میں آ گیا۔'' [۱]

میر شیر علی افسوس فورٹ ولیم کالج کے شعبہ اردو میں مترجم تھے۔ انھوں نے سعدی شیرازی کی فارسی کتاب ''گلستاں'' کا ترجمہ ''باغِ اردو'' کے نام سے ۱۸۰۲ء میں کیا اس کتاب کے علاوہ انھوں نے نثر بے نظیر، قصہ گُلِ بکاؤلی، مادھونل، توتا کہانی، آرائش محفل اور باغ و بہار کی بھی اصلاح کی۔

حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ میر بہادر علی حسینی کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کی ملازمت کے دوران انھوں نے کئی کتابیں لکھی مثلاً نثر بے نظیر، اخلاق ہندی، تاریخ آسام اور رسالہ گل کرسٹ۔

حامد حسین قادری نے مظہر علی خاں ولا کا اصل نام مرزا لطف علی لکھا ہے۔ ان کا یہ خیال صحیح نہیں۔ بلکہ عبیدہ بیگم اپنی کتاب ''فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات'' میں ص ۱۴۰ پر لکھتی ہیں کہ:

''مختلف تذکروں میں ولا کا نام مظہر علی خاں اور تخلص ولا درج ہے۔ مظہر علی خاں ولا نے مختلف کتابیں لکھی ہیں۔ ۱۸۰۱ء میں مادھونل اور کام کندلا، بیتال پچیسی، ہفت گلشن اور ۱۸۰۲ء میں پند نامہ منظوم، ۱۸۰۵ء میں تاریخ شیر شاہی اور ۱۸۰۹ء میں جہانگیر شاہی وغیرہ''۔ [۲]

حامد حسن قادری نے فورٹ ولیم کالج میں ملازمت کرنے والے ایسے مصنفین کا بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے صرف ایک کتاب ہی لکھی ہے یا ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً شیخ حفیظ الدین کی خرد افروز، اکرام علی کا

---

[۱] گیان چند جین، اردو کی نثری داستانیں، ص ۳۰۹، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ۲۰۰۰ء

[۲] عبیدہ بیگم، فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، ص ۱۴۰، نصرت پریس لکھنؤ، ۱۹۸۳ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رسالہ ''اخوان الصفا''، نہال چند لاہوری کی مذہب عشق اور خلیل علی خاں اشک کی ''داستانِ امیر حمزہ'' ہے۔

حامد حسن قادری خلیل علی خاں اشک کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان کی ذاتی حالات دریافت نہیں ہوئے۔ ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء میں ڈاکٹر گل کرائسٹ کی فرمائش سے داستانِ امیر حمزہ اردو میں لکھی۔''[۱]

نئی تحقیق کی روشنی میں گیان چند جین اپنی کتاب ''اردو کی نثری داستانیں'' کے ص ۲۵۶-۲۵۷ پر لکھتے ہیں:

''اشک کا وطن اصلی دہلی ہے لیکن ان کی پرورش فیض آباد میں ہوئی ...امیر حمزہ ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۱ء کے درمیان تالیف کی گئی اور اگست ۱۸۰۳ء تک شائع ہوئی۔''[۲]

حامد حسن قادری نے اس دور کے دوسرے حصے کا عنوان رکھا ہے: ''مصنفین بیرون کالج ۱۸۰۱ء سے ۱۸۳۰ء''۔ اس میں انھوں نے فورٹ ولیم کالج سے باہر کے مصنفین کی ادبی خدمات کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ فورٹ ولیم کالج سے باہر لکھی گئی کتابوں میں رجب علی بیگ سرور کی کتاب ''فسانۂ عجائب'' بے حد اہم ہے۔ حامد حسن قادری ص ۱۹۸ پر لکھتے ہیں:

''فسانۂ عجائب کے آغاز و اختتام تصنیف کے صحیح سال دریافت نہیں ہوئے۔''[۳]

مگر نیر مسعود رضوی اپنی کتاب ''رجب علی بیگ سرور: حیات اور کارنامے'' میں لکھتے ہیں کہ فسانۂ عجائب ۱۲۴۰ھ میں مکمل ہوئی مگر بادشاہ کے سامنے پیش نہ کی جاسکی۔ چوتھے بادشاہ یعنی امجد علی شاہ کے سامنے پیش کرنے کا وقت آیا تو سرور نے وہ تمام عبارت جو نواب غازی الدین حیدر کی مدح میں لکھی تھی امجد علی شاہ کے نام کردی چوں کہ یہ کتاب غازی الدین حیدر کے دورِ حکومت میں مکمل ہوئی تھی لہٰذا انھوں نے عبارت تبدیل کردینے کے باوجود سنہ میں تبدیلی نہیں کی۔[۴]

۱۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۱۴۱، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۲۔ گیان چند جین، اردو کی نثری داستانیں، ص ۲۵۶، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ۲۰۰۰ء

۳۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۱۹۸، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۴۔ نیر مسعود رضوی، رجب علی بیگ سرور: حیات اور کارنامے، ص ۷۴-۹۰، الہ آباد، یونیورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری ''فسانۂ عجائب کے اسلوب کے بارے میں ص ۱۹۳ پر لکھتے ہیں کہ ''قدیم زمانے کا محبوب و مقبول انداز تھا۔''[۱] کلیم الدین احمد اپنی کتاب ''اردو زبان اور فن داستان گوئی'' کے ص ۱۴۷ پر لکھتے ہیں:

''الغرض فسانۂ عجائب کی عبارت ایک عجوبۂ روزگار ہے، اس کی ممکن ہے کہ کچھ تاریخی اہمیت ہو لیکن زندہ ادب میں اس کی کوئی جگہ نہیں.... انھوں نے اپنی کتاب میں شاعرانہ کا التزام کیا ہے۔ [۲]

کلیم الدین احمد کے مطابق ''فسانۂ عجائب کے اسلوب کی اہمیت صرف تاریخی ہے ادبی نہیں۔ یہ انتہا پسندانہ رائے ہے۔ حامد حسن قادری کی رائے درست ہے کہ فسانہ عجائب لکھنوی طرز اسلوب کی نمائندگی کرتی ہے۔

فسانۂ عجائب کے علاوہ رجب علی بیگ سرور کی اور بھی کتابیں ہیں۔ مثلاً سرور سلطانی ترجمہ شمشیر خوانی، شرر عشق، شگوفہ محبت، گلزار سرور، شبستان سرور اور انشائے سرور وغیرہ۔

حامد حسن قادری نے لکھا ہے کہ:

''سرور سلطانی ترجمہ شمشیر خانی'' ۱۸۴۷ء میں واجد علی شاہ کے حکم سے مرتب کی۔ کسی نے شاہ نامہ فردوسی کا خلاصہ نثر فارسی میں شمشیر خانی کے نام سے لکھا تھا۔ سرور نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔'' [۳]

حامد حسن قادری کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ ''سرور سلطانی'' ترجمہ شمشیر خانی'' شاہ نامہ فردوسی کا مکمل ترجمہ ہے۔ عابدہ بیگم اپنی کتاب ''اردو نثر کا ارتقاء ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء'' میں لکھتی ہیں کہ:

''سرور سلطانی''.. فردوسی کے شاہ نامہ کا ترجمہ نہیں تلخیص ہے۔ [۴]

حامد حسن قادری نے ''شبستان سرور'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''شبستان سرور'' الف لیلہ کے چند قصوں کا ترجمہ ہے۔ یہ خیال درست نہیں کے چند قصوں کا ترجمہ سرور نے ''شبستان سرور'' کے نام سے

۱۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۱۹۳، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۲۔ کلیم الدین احمد، اردو زبان اور فنِ داستان گوئی، ص ۱۴۷، لکھنؤ، ادارہ فروغ اردو ۱۹۶۵ء

۳۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخ اردو، پانچواں ایڈیشن، دوسرا دیباچہ، ص ۸۶-۱۸۷، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۴۔ عابدہ بیگم، اردو نثر کا ارتقاء: ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک، ص ۲۵۸، ثمر آفسیٹ پریس نئی دہلی ۱۹۹۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کیا ہے۔ نیر مسعود رضوی اپنی کتاب ''رجب علی بیگ سرور'' کے ص ۹۵ پر لکھتے ہیں کہ:

''سرور نے براہ راست عربی سے ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ الف لیلہ کے انگریزی ترجمہ ''عربین نائٹس'' کا اردو خلاصہ ان کے پیش نظر تھا۔ غالباً اسی لیے ''بصرہ'' کو ''باسرہ'' اور ''قاہرہ'' کو ''کیرہ'' لکھا ہے''۔[۱]

مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی شاہ عبدالغنی کے بیٹے اور حضرت شاہ ولی اللہ کے پوتے تھے۔ انھوں نے کئی کتابیں مرتب کیں۔ مثلاً رسالہ توحید، تقویت الایمان اور صرف ونحو اور اللغات وغیرہ۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ تقویت الایمان کے پہلے حصے کا انگریزی ترجمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے ایک رسالے میں شائع ہوا تھا۔

سید علی اکبر آبادی آگرہ کے رہنے والے تھے ان کے والد کا نام مولوی ببر علی تھا۔ انھوں نے ۱۸۰۵ء میں سکندر نامہ کا اردو ترجمہ کیا اور ۱۸۰۵ء میں ہی فارسی مثنوی ''اکبر اعظم'' لکھی۔ اس کتاب کی عبارتیں طویل ہیں۔

حکیم محمد بخش مہجور لکھنو کے مشہور نثر نگاروں میں تھے۔ انھوں نے گلشن نو بہار، عبرت گلزار اور انشائے چار چمن لکھی۔ ان کتابوں میں گلشنِ نو بہار زیادہ مشہور ہوئی۔ حامد حسن قادری نے مہجور کی کتاب کا نام ''گلشنِ نو بہاراں'' بتایا ہے۔ کتاب کا صحیح نام ''گلشنِ نو بہار'' ہے۔ گیان چند جین اپنی کتاب ''اردو کی نثری داستانیں'' کے ص ۴۸۶ پر لکھتے ہیں:

''انشائے گلشنِ نو بہار: یہ انھوں نے ۱۲۲۰ھ میں تصنیف کی۔''[۲]

مرزا قتیل فرید آباد، دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کا اصل نام محمد احسن قتیل تھا۔ انھوں نے بحرالفصاحت، چار شربت اور ایک فارسی دیوان مرتب کیا۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ قتیل کا اردو زبان کے متعلق یہی کارنامہ ہے کہ انشاء اللہ خاں انشا کی کتاب ''دریائے لطافت'' کا دوسرا حصہ جو کہ منطق ومعانی اور عروض پر مشتمل ہے، قتیل نے لکھا ہے۔

انشاء اللہ خاں انشا کے آباواجداد ایران سے کشمیر اور کشمیر سے دہلی آبسے تھے۔ انشا نے دو کتابیں ''رانی کیتکی کی کہانی'' اور ''دریائے لطافت'' لکھی ہیں۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ:

---

[۱] نیر مسعود رضوی، رجب علی بیگ سرور: حیات اور کارنامے، ص ۹۵، الہ آباد یونیورسٹی پریس، آلہ آباد۔ ۱۹۶۷ء

[۲] گیان چند جین، اردو کی نثری داستانیں، ص ۴۸۶، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ۲۰۰۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''رانی کیتکی کی کہانی انشا کی ذہانت کی عجیب ونادر کارستانی ہے، ایک داستان لکھی ہے جس میں عربی اور فارسی وغیرہ کسی ہندوستان سے باہر کی زبان کا کوئی نقطہ نہیں آیا۔ قصہ بھی دلچسپ اور انداز بیاں بھی دلکش۔ جا بجا رباعیاں ہیں۔ ان کو ''چوتکا'' لکھا ہے''۔[۱]

رانی کیتکی کی کہانی پر رشید احمد صدیقی اپنے خیال کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''رانی کیتکی کی کہانی اردو کا معیاری یا مثالی اسلوب نہیں ہے۔ جس میں کھڑی بولی کے الفاظ جس التزام سے رکھے گئے ہیں اسی التزام سے فارسی وعربی الفاظ خارج کیے گئے ہیں۔ یہ کھڑی بولی کا نمونہ ضرور ہے، جس کی شستہ وآراستہ شکل اردو ہے لیکن اس اسلوب کو کسی معتبر لکھنے والے نے آج تک قابلِ اعتبار نہیں سمجھا اس لیے کہ اتنی نیچرل نہیں جتنی صنعت گری ورنہ بازی گری۔''[۲]

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہے کہ انشا نے آسان اور سادہ زبان سے زیادہ صنعت گری کا نمونہ پیش کیا ہے۔ عربی اور فارسی کے الفاظ کو بے دخل کرنے کی کوشش کی ہے اور زبان کو پر تکلف اور غیر فطری بنادیا ہے۔ اس سے زبان کو بہ ظاہر کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

حامد حسن قادری نے اردو نثر کے چوتھے دور (۱۸۳۱ء سے ۱۸۷۰ء تک) میں تیئیس مصنفین کا اجمالی ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اس دور کے مشہور اور غیر معروف دونوں طرح کے ادیبوں کا سرسری ذکر کیا ہے۔ مثلاً سدا سکھ لال، فقیر محمد خاں گویا، نیم چند کھتری، مولوی قطب الدین دہلوی، مفتی صدر الدین آزردہ، مفتی سعد اللہ رامپوری، عباس بن ناصر علی، امام بخش صہبائی، مولوی مسیح الزماں، منشی عبد الکریم، ماسٹر رام چندر، آغا امانت لکھنوی، منشی چرنجی لال، ماسٹر بنسی دھر، مولوی ضیاء الدین، مرزا غالب دہلوی، خواجہ امام دہلوی، مولوی غلام امام شہید، خواجہ غوث بے خبر، محمد ابراہیم بیجاپوری، شمس الامرا کبیر ثانی، محمد عثمان مبین، غلام امان خاں ترین اور شاہ علی۔

حامد حسن قادری نیم چند کھتری کے متعلق لکھتے ہیں کہ انھوں نے فارسی کتاب ''قصہ گل باصنوبر'' کا اردو ترجمہ ۱۲۵۲ھ/ ۱۸۳۷ء میں کیا۔ لیکن حامد حسن قادری کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ نیم چند کھتری نے

۱۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۱۶۸، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۲۔ رشید احمد صدیقی، رسالہ فکر ونظر، ص ۹۶، جلد ۲، شمارہ ۴، علی گڑھ یونیورسٹی پریس، علی گڑھ، اکتوبر ۱۹۶۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''قصہ گل باصنوبر'' کا اردو ترجمہ ۱۸۳۷ء میں کیا۔ گیان چند جین اپنی کتاب ''اردو کی نثری داستانیں'' کے ص ۵۷۳ پر لکھتے ہیں:

''ان سب میں سے زیادہ مشہور ترجمہ نیم چند کھتری کا ہے۔ اس ترجمہ کی تاریخ ۱۸۳۶ء ہے۔ یہ اسی سال شائع ہوا۔ طبع اول خدا بخش لائبریری، پٹنہ اور انڈیا آفس میں ہے۔ سید رفیق مارہروی نے اسے مرتب کر کے ۱۹۶۲ء میں لکھنؤ سے شائع کیا ہے۔''[۱]

متذکرہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ نیم چند کھتری نے ''قصہ گل باصنوبر'' کا ترجمہ ۱۸۳۶ء میں کیا تھا۔ کتاب اسی سال یعنی ۱۸۳۶ء میں شائع ہوئی۔

منشی عبد الکریم لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ مگر کلکتہ میں گورنر جنرل کے دفتر میں شعبہ فارسی میں میر منشی تھے۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ ملازمت سے پینشن لینے کے بعد ''الف لیلہ'' کے انگریزی ترجمہ سے ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ء میں اردو ترجمہ کیا۔ حامد حسن قادری نے ''الف لیلہ'' کے انگریزی ماخذ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ نئی تحقیق کی روشنی میں پروفیسر گیان چند جین نے اپنی کتاب ''اردو کی نثری داستانیں'' میں اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

''الف لیلیٰ از عبد الکریم ۴ حصے یکجا مجلد ۵۲۳ صفحے ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء۔ عبد الکریم نے فارسٹر کی انگریزی ''الف لیلہ'' سے ترجمہ کیا ... اس اردو ترجمہ کے پہلے دو حصے کو Pincot نے لندن سے ۱۸۸۲ء میں رومن رسم الخط میں شائع کیا۔ جس کی ایک کاپی برٹش میوزیم میں ہے۔[۲]

حامد حسن قادری خواجہ امان دہلوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ خواجہ امان نے میر تقی خیال کی فارسی داستان ''بوستان خیال'' کا اردو ترجمہ ''بوستانِ خیال'' کے نام سے کیا۔ میر تقی خیال گجرات کا رہنے والا تھا۔ بادشاہ محمد شاہ کے دور میں دہلی آیا۔ اس زمانے میں ''داستانِ امیر حمزہ'' بہت مقبول تھی۔ میر تقی خیال نے اس کے جواب میں ''بوستانِ خیال'' لکھی۔ مگر حامد حسن قادری نے ''بوستانِ خیال'' کے کا سنہ نہیں لکھا۔ گیان چند جین ''اردو کی نثری داستانیں'' ص ۸۱۲ پر لکھتے ہیں:

۱۔ گیان چند جین، اردو کی نثری داستانیں، ص ۵۷۳، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء

۲۔ ایضاً، ص ۶۱۷

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''خواجہ امان نے ۱۸۴۷ء میں ''بوستانِ خیال'' کے ترجمے کا ارادہ کیا۔ لیکن عملی جامہ ۱۸۵۹ء ہی میں پہنا سکے۔''[۱]

حامد حسن قادری اس دور میں شامل مصنفین کے سنہ ولادت، وفات اور احوالِ زندگی کے سلسلے میں ص ۲۲۹ پر لکھتے ہیں:

''اب تک جن مصنفوں کے حالات لکھے گئے ان میں مشکل سے کوئی ایسا ہوگا جس کے مفصل حالات اور مکمل سوانح حیات علیحدہ یا تذکروں یا تاریخوں میں ملتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جن کے سنینِ ولادت و وفات مولد و تسکن، معمولی احوال زندگی بھی نامعلوم ہیں، اس لیے ہم بھی زیادہ تفصیل نہ دے سکے۔ مرزا غالب پہلے شخص ہیں جن کی ساری زندگی کے پورے حالات ہمارے سامنے ہیں۔''[۲]

مذکورہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ حامد حسن قادری نے غالب سے قبل جن مصنفین کے حالات بیان کیے ہیں، وہ معلومات کے لحاظ سے ناکافی ہیں۔

حامد حسن قادری نے غالب کی علمی اور ادبی خدمات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں فارسی کی کتابیں مثلاً مہر نیم روز، دستنبو، پنج آہنگ، کلیاتِ نظم اور قاطعِ برہان کا ذکر کیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے حکم سے غالب نے ۱۸۵۰ء میں شاہانِ تیمور کی تاریخ لکھی۔ اور اس کا نام مہرِ نیم روز رکھا۔ اس کتاب کے پہلے حصے میں تیمور سے بادشاہ ہمایوں تک کے حالات ہیں اور دوسرے حصے میں اکبر بادشاہ سے بہادر شاہ ظفر تک کے احوال درج ہیں۔ اس کے علاوہ غالب کی دستنبو میں غدر کے حالات، پنج آہنگ میں فارسی انشا پردازی کے نمونے، کلیات نظم میں فارسی کے دس ہزار اشعار اور سبد چین میں فارسی کی غزلیں قصیدے اور رقعات ملتے ہیں۔ مرزا غالب نے برہان تبریزی کی فارسی کتاب ''برہانِ قاطع'' پر اعتراض کیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک عرصہ تک غالب اور برہان تبریزی کے مداحوں کے درمیان قلمی معرکہ آرائیاں چلتی رہیں یہاں تک کہ غالب نے اپنی فارسی دانی ثابت کرنے کے لیے ایک فرضی استاد ملا عبد الصمد کا بھی ذکر کیا کہ ہندوستان والے فارسی کیا جانیں، میں نے فارسی ملا عبد الصمد سے پڑھی ہے جو کہ ایران کا باشندہ تھا،

۱۔ گیان چند جین، اردو کی نثری داستانیں، ص ۸۱۲، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء

۲۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۲۲۹، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۱۸۱۱ء میں اتفاق سے آگرہ آیا اور میرے یہاں دو برس قیام کیا۔ مجھے فارسی اسی نے پڑھائی ہے ان باتوں کا ذکر حامد حسن قادری نے بھی کیا ہے۔ جدید تحقیق کی رو سے ملا عبدالصمد کا وجود فرضی ہے۔

حامد حسن قادری نے اردو نثر کے پانچویں دور کو ۱۸۷۱ء سے ۱۹۰۰ء تک رکھا ہے اور اسے دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ پہلے حصے میں اس دور کے غیر معروف مصنفین کو شامل کیا ہے اور دوسرے حصے میں ادب کے مشاہیر یعنی سر سید احمد خاں اور ان کے رفقا کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ حامد حسن قادری نے پہلے حصے میں جن مصنفین کا ذکر کیا ہے ان میں سید محمد میر لکھنوی، یوسف خاں کمبل پوش، شاہ محمد قادر دانا پوری، مفتی اکرام اللہ صدیق، حکیم قطب الدین باطن اکبر آبادی، نیاز علی پریشان، منشی بینی پرشاد، مولوی محمد رضا لکھنوی، مولوی محمد علی، مفتی امیر مینائی، پنڈت گرراج کشور دت شامل ہیں۔

مذکورہ بالا مصنفین میں یوسف خاں کمبل پوش کا نام اس لحاظ سے قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے اردو کا پہلا سفر نامہ لکھا۔ ان کے متعلق حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ ۲۰ مارچ ۱۸۳۷ء کو یورپ کا سفر کیا اور واپسی کے بعد سفر نامہ ''عجائبات فرنگ'' لکھا جسے اردو کا پہلا سفر نامہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ خالد محمود نے اپنی کتاب ''اردو سفر نامہ کا تنقیدی مطالعہ'' کے ص ۹۵ پر اس سفر نامہ سے متعلق اس طرح اظہارِ خیال کیا ہے:

> ''عجائبات فرنگ'' کی صرف یہی ایک خوبی نہیں ہے کہ وہ اردو کا پہلا سفر نامہ ہے۔ پہلا سفر نامہ ہونا اس کی تاریخی خصوصیت ہے ورنہ اگر اسے پہلا سفر نامہ ہونے کا شرف حاصل نہ ہوتا اور یہ کسی اور نمبر پر رہتا تو بھی زبان و بیان کی بے باکی، بے ساختگی وارفتگی اور حقیقت نگاری کی وجہ سے اس کی شہرت اور اہمیت میں کوئی فرق نہ آتا۔''[۱]

تحسین فرخی اپنی مرتب کردہ ''عجائبات فرنگ'' کے ص ۴۷ پر رقم طراز ہیں:

> ''اس سفر نامہ کو اردو کا پہلا سفر نامہ قرار دیا ہے''۔[۲]

انور سدید اپنی کتاب ''اردو ادب میں سفر نامہ'' کے ص ۱۱۲ پر لکھتے ہیں:

> ''یوسف خاں کمبل پوش کے سفر نامے ''عجائبات فرنگ'' کو جس کا ایک عنوان

۱۔ خالد محمود، اردو سفر نامہ کا تنقیدی مطالعہ، ص ۹۵، نئی دہلی لبرٹی آرٹ پریس ۱۹۹۵ء

۲۔ تحسین فرخی، مرتب: عجائبات فرنگ، ص ۴۷، لاہور، یمانی پرنٹرز ۱۹۸۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''تاریخِ یوسفی'' بھی ہے، بجا طور پر اردو کا پہلا سفر نامہ تسلیم کیا گیا ہے۔''[۱]

اس دور کے دوسرے حصے میں سرسید احمد خاں، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک اور مولوی چراغ علی کی علمی اور ادبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کی بہتری کے لیے بہت سے کام کیے اور ہندوستانی مسلمانوں کو تعلیم سے روشناس کرانے کے لیے اپنی تمام تر قوت صرف کر دی۔ انھوں نے اصلاح معاشرے کے لیے رات دن ایک کر دیے۔ زبان و ادب سے بھی انھوں نے اصلاح معاشرے کا کام لینا چاہا۔ ان کی اصلاحی کوششوں نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ اسے ہم سرسید تحریک یا علی گڑھ تحریک کہتے ہیں۔

موصوف نے سرسید احمد خاں کی علمی اور ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی تصانیف کے نام گنائے ہیں اور ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اسباب بغاوت ہند کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ اس کتاب میں غدر کے اسباب تلاش کیے گئے ہیں اور بدامنی کے لیے ایسٹ انڈیا کمپنی کی غلط پالیسیوں کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

محسن الملک نے ''آیاتِ مبینات'' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۸۷۰ء میں مرزا پور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں انھوں نے غیر مذہب کے مختلف عقائد سے مفصل بحث کی ہے۔ انھوں نے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' کے لیے بھی مذہبی اخلاقی، اصلاحی اور تاریخی نوعیت کے مضامین لکھے تھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایجوکیشنل کانفرنس کی اصلاح کے لیے سرسید احمد خاں کو بہت سے خطوط لکھے ان کی تحریروں کے مجموعے ''مضامینِ محسن الملک''، ''خطوطِ محسن الملک'' اور ''تقریرِ محسن الملک'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

محسن الملک کی طرح وقار الملک کا بھی شمار سرسید احمد خاں کے رفقاء میں ہوتا ہے۔ انھوں نے کتابیں کم لکھی ہیں مگر رسالہ تہذیب الاخلاق اور دوسرے میگزین کے لیے مضامین کثرت سے لکھے۔ ان میں سے بیش تر کی نوعیت مذہبی، قومی اور اصلاحی تھی۔ انھوں نے انگریزی کتاب ''فرنچ ریوولیوشن اینڈ نپولین''، یعنی ''انقلابِ فرانس اور نپولین'' کا اردو میں ترجمہ ''سرگذشت نپولین بونا پارٹ'' کے نام سے کیا جو کہ ۱۸۷۱ء میں شائع ہوا۔ وقار الملک نے بھی سماجی، سیاسی اور معاشرتی معاملات پر تقریریں اور بے لاگ

---

[۱] انور سدید، اردو ادب میں سفر نامہ، ص ۱۱۲، مغربی پاکستان، اردو اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مضامین لکھے ہیں۔

سرسید احمد خاں کے دوستوں میں مولوی چراغ علی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے زیادہ تر کتابیں اور مضامین عیسائیوں اور پادریوں کے اعتراضات کے جواب میں لکھے ہیں۔ انھوں نے ''تاریخِ محمدی'' کے جواب میں ایک مضمون ''تعلقات'' کے نام سے لکھا۔ مولوی چراغ علی کی کتابوں کے نام اس طرح ہیں: تحقیق الجہاد، اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام، محمد پیغمبر برحق، اسلام کی دنیوی برکتیں، قدیم قوموں کی مختصر تاریخ، تعلقات اور رسائل چراغ علی وغیرہ۔

مذکورہ مصنفین کتاب کے پانچویں دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب چھٹے دور کا جائزہ لینے کی کوشش کرتی ہوں۔ یہاں پر ایک قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حامد حسن قادری نے جن مصنفین کو چھٹے دور میں رکھا ہے ان کا شمار بھی سرسید احمد خاں کے معاصرین میں ہوتا ہے۔ انھیں بھی پانچویں دور میں رکھا جاسکتا تھا لیکن حامد حسن قادری نے اپنی سہولت کے مطابق اس کے لیے الگ دور قائم کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ نثری خصوصیات کے بنا پر انہیں چھٹے دور میں رکھا ہے۔ پانچویں دور اور چھٹے دور کے سلسلے میں حامد حسن قادری نے اپنے خیالات کا اظہار ص ۴۴۶ پر یوں کیا ہے:

> ''زمانے کے لحاظ سے پانچواں اور چھٹا دور الگ الگ نہیں ہے۔ دونوں کی ابتدا و انتہا تقریباً ساتھ ساتھ ہے بلکہ یہ تفریق نثر نگاری کی خصوصیات کے سبب سے کی گئی ہے۔''[۱]

اس دور میں محمد حسین آزاد، نذیر احمد، خواجہ الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی کے علاوہ مولوی ذکاء اللہ دہلوی، مولوی سید علی بلگرامی، مولوی سید احمد دہلوی، میر ناصر علی دہلوی اور خواجہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

محمد حسین آزاد کی کتابوں میں آبِ حیات، نیرنگِ خیال، دربارِ اکبری، سخندانِ فارس، نگارستانِ فارس وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات'' اردو زبان کی ساخت اور ارتقا کے متعلق پہلی کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ یہ کتاب ادبی تاریخ کی ایک کڑی ہے جو کہ ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی۔ پروفیسر ابوالکلام قاسمی اپنی کتاب ''مشرقی شعریات اور روایتی اردو تنقید'' کے ص ۱۹۵ پر محمد حسین آزاد کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[۱] حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۴۴۶، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''محمد حسین آزاد کی کتاب ''آبِ حیات'' شعرا اردو کے تذکروں کی تنقیدی روایت کی آخری کڑی بھی ہے اور ادبی تاریخ کے ساتھ ادبی تنقید کی شیرازہ بندی کی ابتدائی کوشش بھی۔''[۱]

حامد حسن قادری نے ''نیرنگِ خیال'' کے سببِ تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ پنجاب ایجوکیشن کے ڈائریکٹر کرنل ہالرائڈ نے خیالی اور تمثیلی مضامین کی ایک تحریک چلائی تھی۔ ان کی رائے تھی کہ جس طرح سے انگریزی میں سوئفٹ وغیرہ نے ڈرامائی مضامین اور کتابیں لکھی تھیں، اسی طرز پر اردو میں بھی کتابیں لکھی جائیں جو کہ محمد حسین آزاد نے لکھی۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں باضابطہ تمہید کے طور پر مضمون ہے اور انگریزی انشا پردازی کا ذکر ہے۔ جس پر مضامین ''نیرنگ خیال'' کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ اسی طرح ''سخن دان فارس'' کا ذکر کرتے ہوئے حامد حسن قادری ص ۴۹۵ پر لکھتے ہیں:

''سخندانِ فارس کے دو حصے یکجا ہیں۔ پہلے میں فارسی زبان کی اصلیت اور ساخت کو بیاں کیا ہے۔ دوسرے حصے میں ایک درجن سے زیادہ لکچر ہیں، جو کالج کے طلبا کے سامنے پڑھنے کے لیے تیار کیے گئے تھے۔''[۲]

جدید تحقیق کے مطابق اسلم فرخی اپنی کتاب ''محمد حسین آزاد: حیات اور تصانیف'' حصہ دوم کے ص ۳۷۳ پر لکھتے ہیں:

''سخندانِ فارس دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اول کے لکچر جن کی تعداد کا تعین اب مشکل ہے ۱۸۷۲ء میں دیے گئے تھے۔ حصہ دوم میں کل گیارہ لکچر ہیں۔ یہ ۱۸۷۴ء میں دیے گئے تھے۔ حصہ اول ۱۸۷۲ء میں شائع کیا گیا تھا لیکن حصہ دوم کی اشاعت کی نوبت بہت بعد میں آئی۔ ۱۸۸۷ء میں آزاد نے پورے مجموعہ کی نظر ثانی کی۔ پھر بھی اس کی اشاعت نہ ہوسکی اور نظر ثانی کے پورے بیس برس بعد یعنی ۱۹۰۷ء میں آغا ابراہیم کے اہتمام سے شائع ہوا۔''[۳]

حامد حسن قادری نے مولوی ذکاء اللہ کی کتابوں کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بتایا ہے کہ انھوں نے زیادہ تر تاریخی نوعیت کے مضامین اور کتابیں لکھی ہیں۔ انھوں نے ''تاریخِ ہندوستان''، ''تاریخِ عہد

۱۔ ابوالکلام قاسمی، مشرقی شعریات اور روایتی اردو تنقید، ص ۱۹۵، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ۲۰۰۲ء

۲۔ حامد حسن قادری، داستانِ تاریخِ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۴۹۵، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۳۔ اسلم فرخی، محمد حسین آزاد اور تصانیف، حصہ دوم، ص ۳۷۳، کراچی، انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۶۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

انگلشیہ'' اور ''مضامینِ ذکاء اللہ'' کی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

حامد حسن قادری نے مولوی نذیر احمد کی ادبی خدمات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور انھیں اردو کا پہلا ناول نگار قرار دیا ہے۔ ص ۵۵۹ پر لکھتے ہیں:

''اردو کے پہلے ناول نگار ڈپٹی صاحب ہیں... اردو کے دوسرے ناول نگار پنڈت رتن ناتھ سرشار ہیں۔''[۱]

حالاں کہ اردو کے بعض ناقدین نے نذیر احمد کے ناولوں کو ناول کے بجائے تمثیلی قصے قرار دیا ہے ہے۔ مثلاً سلیم اختر اور رشید امجد کی مرتب کردہ کتاب ''پاکستانی ادب'' کے ص ۵۳۵ پر مرزا حامد بیگ ڈپٹی نذیر احمد کو ایک اچھا تمثیل نگار اور رتن ناتھ سرشار کو ''قصہ گو'' قرار دینے کے بعد فیصلہ یہ کرتے ہیں کہ:

''پہلے ناول نگار ہونے کا سہرا سر والٹر اسکاٹ کے مقلد عبد الحلیم شرر کے ماتھے پر ہی سجتا ہے''[۲]

اسی طرح سلطان حیدر جوش نے بھی اپنے ناول ''ہوائی'' کے دیباچہ بہ عنوان ناولچہ میں اس خیال کا اظہار یوں کیا ہے:

''ہندوستان میں ناول نگاری کی اولیت شرر مرحوم کو نصیب ہوئی''[۳]

لیکن زیادہ تر ناقدین اور محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ڈپٹی نذیر احمد ہی ایسی شخصیت ہیں۔ جنھوں نے قصہ کی پرانی روایت کو چھوڑ کر ناول اور جدید افسانے کی بنیاد رکھی۔

نور الحسن نقوی صاحب اپنی کتاب ''تاریخِ ادب اردو'' کے ص ۳۱۰ پر لکھتے ہیں:

''... بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ ان کے قصے ناول نہیں تمثیلیں ہیں مگر یہ درست نہیں ہے۔ یہ التبہ درست ہے کہ ان ناولوں میں کچھ نقص پائے جاتے ہیں۔ ان کے سامنے اردو ناول کا کوئی نمونہ موجود نہیں تھا۔ اردو میں وہ اس صنف کا آغاز کر رہے تھے۔ جب کسی چیز کا پہلا نقش تیار کیا جاتا ہے تو اس میں ضرور کچھ نہ کچھ خامیاں رہ جاتی ہیں۔ بس

۱۔ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۵۵۹، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

۲۔ سلیم اختر اور رشید امجد (مرتب)، پاکستانی ادب، حصہ نثر، ص ۵۳۵، کرسٹل پرنٹرس، اکیڈمی ادبیات اسلام آباد، پاکستان ۱۹۹۵ء

۳۔ سلطان حیدر جوش، ہوائی، ص ۵، بدایوں نظامی پریس ۱۹۴۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اسی طرح کی خامیاں ان کے ناولوں میں نظر آتی ہیں۔''[۱]

حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ نذیر احمد کا پہلا ناول ''مراۃ العروس'' فسانہ آزاد سے دس برس پہلے ۱۸۶۹ء میں شائع ہو چکا تھا۔ سلیم اختر اور رشید امجد کی مرتب کردہ کتاب ''پاکستانی ادب'' میں محمود الٰہی نے تاریخی حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو کا پہلا ناول ''مراۃ العروس'' نہیں ہے بلکہ مولوی کریم الدین پانی پتی کا ناول ''خط و تقدیر'' (۱۸۶۴ء) ہے۔

حامد حسن قادری نے خواجہ الطاف حسین حالی کے حالات لکھنے میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ انھوں نے یہ بتایا ہے کہ غالب پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے خطوط میں جا بجا اپنے سوانحی حالات لکھے جسے یکجا کر کے غالب کی خود نوشت سوانح عمری مرتب کی جا سکتی ہے۔ ان سے پہلے اردو میں اپنے حالات تفصیل سے لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ پہلی بار حالی نے یہ کام کیا۔ حالی نے اپنی رودادِ زندگی نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کی فرمائش پر لکھی۔ حامد حسن قادری نے ان کے قلم سے لکھا ہوا ایک طویل اقتباس جو تقریباً ۹ صفحات پر مشتمل ہے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے بابائے اردو مولوی عبد الحق کی کتاب ''چند ہم عصر'' سے تقریباً ۱۰ دس صفحات حالی کے بارے میں نقل کیے ہیں اور اس طرح حالی کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

حالی اردو کے بلند مرتبہ ادیب، شاعر اور ناقد ہیں۔ ان کی کتابیں تریاق مسموم، طباق الارض اصول فارسی، مولود شریف، تاریخ محمدی، شواہد الالہام، مجالس انساء، سوانح عمری حکیم ناصر خسرو، حیاتِ سعدی، مقدمہ شعر و شاعری، یادگارِ غالب، حیاتِ جاوید، سوانح عمری مولانا عبد الرحمٰن، مضامینِ حالی، مقالاتِ حالی، مکتوباتِ حالی اور خطوطِ حالی وغیرہ اردو کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔

حالی نے دو اہم کام کیے۔ اردو کی پہلی باقاعدہ سوانح حیات اور تنقید کی کتاب لکھی۔ اسی طرح انھوں نے اردو شاعری میں بھی جدید نظم کی بنیاد ڈالی۔ حامد حسن قادری لاہور میں ہوئے مشاعرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حالی کی ''برکھارت'' اور ''حب وطن'' محمد حسین آزاد کی نظموں سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئیں۔ ان کی نظموں نے اردو شاعری میں انقلاب پیدا کر دیا۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ مسدسِ حالی کو اردو ادب میں جو مقام حاصل ہے وہ کسی دوسری نظم کو حاصل نہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس

---

[۱] نور الحسن نقوی، تاریخ ادب اردو، ص ۳۱۰، علی گڑھ ایجوکیشنل ہاؤس ۲۰۰۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سرسید نے اسے اپنے نجات کا ذریعہ تسلیم کیا ہے ''حیاتِ سعدی'' اردو میں سوانح نگاری کی پہلی باقاعدہ کوشش ہیں۔ حالی نے سعدی شیرازی کی کتابوں یعنی گلستاں اور بوستاں کے علاوہ ہر ممکن ذریعہ سے ان کے حالاتِ زندگی معلوم کیے۔

حامد حسن قادری نے حالی کی ''یادگارِ غالب'' کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ محمد حسین آزاد کی ''آبِ حیات'' اور شیفتہ کی ''گلشنِ بے خار'' کے علاوہ غالب کے سوانحی حالات اسی کتاب سے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔

حالی نے سرسید احمد خاں کی سوانح حیات ''حیاتِ جاوید'' کے نام سے لکھی یہ کتاب ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی۔ حالی نے سرسید احمد خاں کی ابتدائی تحقیقی کاوشوں کی تعریف کرتے ہوئے ان کوششوں پر جو تنقیدی نگاہ ڈالی ہے وہ قابل ستائش ہے۔

تنقید میں جس اسلوب کا استعمال حالی نے کیا ہے وہ بھی غور کرنے کے قابل ہے جب کہ حالی کے سامنے پہلے سے کوئی تنقید کی کتاب موجود نہیں تھی۔ حالی کو پہلا باضابطہ تنقید نگار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ حالی کے خطوط کی بھی اپنی الگ اہمیت ہے۔ ان کے خطوط میں علمی اور ادبی مسائل پر بہت ساری ایسی باتیں ملتی ہیں جو بے حد اہم ہیں۔ ان کے بیشتر خطوط میں علمی اور ادبی مسائل کے حل تلاش کیے گئے ہیں۔ ان خطوط کو مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے مرتب کیا ہے۔ ان خطوط کے چند اقتباسات حامد حسن قادری نے بھی درج کیے ہیں۔

حامد حسن قادری حالی کی ''مقدمہ شعر وشاعری'' کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ حالی کے دیوان کا مقدمہ ہے جو کہ پہلی بار دیوان کے ساتھ ۱۸۹۳ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ''مقدمہ شعر وشاعری'' کے نام سے الگ شائع ہوا۔

حامد حسن قادری نے سید علی بلگرامی کی ادبی خدمات کا بھی ذکر کیا ہے۔ بلگرامی نے فرانس کے ایک مؤرخ ڈاکٹر سیوسید یوگستاولی جاں کی فرانسیسی کتاب کا اردو ترجمہ ''تمدنِ عرب'' اور ''تمدنِ ہند'' کے نام سے کیا تھا۔ ان کتابوں کے علاوہ انھوں نے عربی زبان میں سہ ماہی رسالہ ''الحقائق'' بھی جاری کیا تھا۔

علامہ شبلی نعمانی ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا۔ انھوں نے تقریباً ۵۷ سال کی عمر پائی۔ انھوں نے اپنی مختصر سی زندگی میں جو کارنامے انجام دیے ان کا ذکر حامد حسن قادری نے اپنی کتاب

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

میں مفصل کیا ہے انھوں نے علامہ شبلی نعمانی کی سماجی ، مذہبی ، علمی اور ادبی خدمات پر جامع گفتگو کی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی مختلف زبانوں پر مہارت رکھتے تھے مثلاً عربی ، فارسی اور اردو وغیرہ ۔ انھوں ں نے مولوی فاروق سے عربی ، فارسی ، فلسفہ اور منطق کی تعلیم حاصل کی اور پھر وہاں سے رامپور کا رخ کیا اور وہاں مولوی ارشاد سے فقہ کی کئی کتابیں پڑھیں پھر لاہور چلے گئے ۔ وہاں مولانا فیض الحسن سے رزمیہ نظمیں پڑھیں۔ لاہور سے سہارن پور گئے اور مولوی احمد علی سے حدیث کی تعلیم حاصل کی ۔ انھوں نے ہندوستان کے علاوہ بیرون ممالک جیسے حجاز ، مصر ، روم اور شام کا بھی سفر کیا۔ اس ضمن میں حامد حسن قادری ص ۷۹۱ پر لکھتے ہیں کہ ''ایک طالب العلمانہ سفر تھا''۔

علامہ شبلی نعمانی کے والد پیشہ کے اعتبار سے وکیل تھے اور علامہ شبلی نعمانی کو بھی وکالت کی تعلیم دلانا چاہتے تھے۔ تمام علوم سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے وکالت کی تعلیم حاصل کی اور وکالت کا پیشہ اختیار کرلیا اور سرکاری ملازمت میں بحیثیت امین دیوانی ۔ کے فرائض انجام دینے پر مامور ہوگئے ۔ لیکن یہ کام ان کے مزاج کے مطابق نہیں تھا اس لیے انھوں نے اس سے کنارہ کشی اختیار کرلی ۔ ۱۸۸۲ء میں علی گڑھ آئے ۔ یہاں ان کی ملاقات سرسید احمد خاں سے ہوئی ۔ سرسید نے ان کے اندر چھپے ہوئے جوہر کو پرکھ لیا۔ علی گڑھ کی ملازمت کے دوران شبلی کی نگاہ سرسید کی ذاتی لائبریری پر پڑی جہاں انہیں بیش قیمت کتابوں کا ذخیرہ ملا اور ایسی کتابیں دیکھیں جو نایاب تھیں ۔ یہاں شبلی کو بھرپور علمی کام کرنے کا موقع ملا۔ نثر کے ساتھ ہی انھوں نے قومی نظمیں بھی لکھیں ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ سرسید احمد خاں کی وفات کے بعد علامہ شبلی نے علی گڑھ چھوڑ دیا۔ مولوی سید علی بلگرامی نے انہیں حیدرآباد بلالیا۔ حیدرآباد کی ملازمت کے دوران علامہ شبلی نے کئی کتابیں لکھیں مثلاً الغزالی ، سوانح مولانا روم ، علم الکلام اور موازنہ انیس و دبیر وغیرہ ۔ یہ سبھی کتابیں سید علی بلگرامی کے قائم کردہ پریس سے شائع ہوئیں ۔ حیدرآباد میں ہی علامہ شبلی کو یہ معلوم ہوا کہ ندوہ کی حالت خراب ہے جسے بچانا چاہئیے انھوں نے وہاں کی ملازمت ترک کردی اور لکھنؤ چلے آئے ۔ یہاں آنے کے بعد ہی انھوں نے عربی ٹیچر ٹریننگ اور جدید تعلیم پر زور دیا لیکن وہاں کے قدامت پسندوں نے علامہ شبلی نعمانی کی ان پالیسیوں کو پسند نہیں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علامہ نے وہاں سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اور اعظم گڑھ چلے گئے وہاں دارالمصنفین کی بنیاد ڈالی ، اپنی ساری جائداد دارالمصنفین کے نام وقف کردی۔

علامہ شبلی حنفی مسلک کے ماننے والے تھے ۔ جس کا ذکر حامد حسن قادری کے علاوہ عبدالحلیم شرر اور

خواجہ غلام الثقلین نے اپنے مضامین میں کیا ہے۔ علامہ شبلی کی مذہبی، قومی اور سیاسی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ علامہ سیاست میں بھی آزاد خیال تھے۔ جس کی جھلک ان کی کئی نظموں میں دیکھی جاسکتی ہے مثلاً مثنوی صبحِ امید، قومی مسدس اور تاریخ اسلام وغیرہ۔

علامہ شبلی کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مصر کے بادشاہ سلطان عبدالحمید خاں نے انھیں ''تمغات مجیدی'' سے سرفراز کیا۔ اور حکومت ہند نے انہیں ''شمس العلماء'' کا خطاب عطا کیا۔ حامد حسن قادری نے علامہ کی کتابوں کی ترتیب وہی رکھی ہے جو کہ ان کے دیوان میں موجود ہے۔

سیرت وسوانح:	المامون، سیرۃ النعمان، الفاروق، سیرت النبی (دوجلد)
فلسفہ کلام:	علم الکلام، الکلام، الغزالی، سوانح مولانا روم
ادبیات:	موازنہ انیس ودبیر، شعرالعجم (۵ حصہ)
سفرنامہ:	سفرنامہ مصروشام وروم
تاریخ اسلام:	مضامین عالم گیر
تعلیمات:	مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم
تقریرات:	ندوۃ العلوم اور ایجوکیشنل کانفرنس کی تقریر
خطوط:	مکاتیب شبلی کے تین حصے
مقالات:	مقالات شبلی کے آٹھ حصے
نظم اردو:	مثنوی صبحِ امید اور مسدس، مجموعہ کلامِ اردو
عربی تصانیف:	الانتقاد علی التمدن الاسلامی (مصر کے عیسائی مصنف جرجی زیدان کی کتاب ''التمدن الاسلامی'' کی تنقید) بدء الاسلام، اشاعت المقتدی۔
فارسی تصانیف:	دیوانِ شبلی، بدالاسلام، اشاعت المعتدی (جس میں دستۂ گل، بوئے گل وغیرہ مختصر مجموعے شامل ہیں)

حامد حسن قادری نے علامہ شبلی نعمانی اور حالی کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر علامہ شبلی کی کتابوں کا بہ غور مطالعہ کیا جائے تو اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ علامہ شبلی کے سامنے حالی کی تنقیدی کتاب ''مقدمہ شعروشاعری'' نمونہ کے طور پر موجود تھی۔ لیکن شبلی کی تحریروں میں کہیں بھی یہ محسوس نہیں ہوتا ہے کہ

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

انھوں نے ''مقدمہ شعر و شاعری'' سے استفادہ کیا ہے جب کہ خلیل الرحمٰن اعظمی اپنی کتاب ''مضامینِ نو'' کے ص ۴۴ پر علامہ شبلی نعمانی کی تنقید کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''شبلی کی تنقید حالی کی تنقید کا ردِ عمل معلوم ہوتی ہے۔ شعر العجم براہ راست تو نہیں لیکن بالواسطہ مقدمہ شعر و شاعری کا جواب ہے''[۱]

حامد حسن قادری شبلی کی کتاب ''شعر العجم'' کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ابتدائی تین جلدوں میں صرف فارسی ادب کے ابتدائی یعنی طاہری اور سلجوقی دور کے چار شاعروں کا مفصل ذکر کیا ہے جو تقریباً ۷۲۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور چوتھی جلد میں شاعری کے محاسن و معائب اور اصول شعر سے بحث کی ہے۔ حامد حسن قادری نے جہاں ''شعر العجم'' کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے وہیں اس کی خامیوں کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔ علامہ شبلی جہاں تاریخ رقم کرتے ہیں وہاں بھی وہ تاریخ نگار سے زیادہ تنقید نگار نظر آتے ہیں کیونکہ ان کی تاریخوں میں بھی ذاتی رائے محسوس ہوتی ہے۔ حامد حسن قادری کا خیال ہے کہ علامہ شبلی اپنے مزاج کی مناسبت سے موضوع کا انتخاب کرتے ہیں۔

حامد حسن قادری نے علامہ شبلی کی تنقیدی کتابوں میں ''شعر العجم'' اور ''موازنہ انیس و دبیر'' پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ علامہ شبلی نے مختلف موضوعات پر کئی کتابیں لکھیں ہیں مگر ''شعر العجم'' اور ''موازنہ انیس و دبیر'' کی تنقیدی اہمیت ان سب میں زیادہ ہے۔ ان کی زیادہ تر کتابیں عرب اور ایران کی تاریخ، شاعروں اور مصنفین کے حالات پر مشتمل ہیں۔ ''موازنہ انیس و دبیر'' ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہندوستان اور اردو زبان کے شاعروں کے متعلق تنقیدی بحث کی گئی ہے حالانکہ ''موازنہ انیس و دبیر'' بھی ناقدوں کے اعتراض سے نہیں بچ سکی اور ''المیزان'' اور ''ردّ الموازنہ'' جیسی کتابیں وجود میں آئیں۔ ''موازنہ انیس و دبیر'' کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ انھوں نے انیس کو اپنا ممدوح تصور کرلیا ہے اور دبیر کی خوبیوں سے چشم پوشی کی ہے کیوں کہ پورے موازنہ میں دبیر کے صرف پانچ بند نقل کیے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ یہاں انیس اور دبیر ہم پلہ نظر آتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دبیر کا بہت سا کلام ایسا ہے جو انیس کے کلام سے بہتر ہے اور موازنہ میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

حامد حسن قادری نے علامہ شبلی کی ان کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ بعد میں ''دارالمصنفین'' سے آٹھ جلدوں میں مقالاتِ شبلی کے نام سے شائع ہوئیں۔ جس کی ترتیب حامد حسن قادری نے یوں رکھی ہے۔

---

[۱] خلیل الرحمٰن اعظمی، مضامینِ نو، ص ۴۴، علی گڑھ ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۷۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

جلد اول مذہبی مضامین، جلد دوم ادبی مضامین، جلد سوم تعلیمی مضامین، جلد چہارم تنقیدی مضامین، جلد پنجم سوانحی مضامین، جلد ششم تاریخی مضامین جلد ہفتم فلسفیانہ مضامین، جلد ہشتم قومی مضامین ہے۔

حامد حسین قادری نے علامہ کے ان خطوط کا بھی ذکر کیا ہے جو کہ مکاتیب شبلی کے نام سے شائع ہوئے۔ حامد حسن قادری ان خطوط کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''خطوطِ شبلی چھوٹا سا مجموعہ ہے۔ نوّے ۹۰ صفحوں میں بیاسی خط ہیں۔ پچپن ۵۵ عطیہ بیگم کے نام اور ستائیس ۲۷ زہرا بیگم کے نام۔ سب خط ساڑھے تین سال کے عرصے میں لکھے گئے ہیں۔''[۱]

حامد حسن قادری نے مولوی سید احمد دہلوی، میر ناصر علی خاں دہلوی اور خواجہ سید ناصر نذیر فراق کے ساتھ ہی دو لغت نگاروں کا بھی مفصل ذکر کیا ہے۔ جن میں منشی امیر احمد مینائی اور مولوی نور الحسن کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

موصوف نے سید احمد دہلوی کی ۲۳ کتابوں کے نام گنائے ہیں جن میں تقویۃ الصبیان، کنز الفوائد (مناظرہ تقدیر و تدبیر)، وقائع درانیہ (تاریخ)، انشاء ادی انشاء، قصہ راحت زمانی (عورتوں کے لیے اخلاقی افسانہ) تحریر النساء (لڑکیوں کی درسی کتاب) اخلاق النساء، للغات النساء (عورتوں کے خاص الفاظ و محاورات)، طبعی تعلیم، قواعد اردو، علم اللسان (اردو زبان دانی اور اس کی ترقی)، رسوم دہلی، تکمیل کلام (پیشہ وروں کی اصطلاحات)، تحقیق الکلام (اردو زبان کی خوبیاں)، محاکمہ مرکز (دہلی کو مرکز اردو قرار دینے کے دلائل)، رس کھان (ہندی زبان کے دوہے، گیت، پہیلیاں)، ریت بکھان (ہندوؤں کے رسم و رواج)، ناری کتھا (ہندی عورتوں کے محاورات)، سیر شملہ (مع تاریخ شملہ، روز مرہ دہلی، رسوم اعلیٰ ہندوان دہلی اور اردو ضرب الامثال کے علاوہ ایک لغت فرہنگ آصفیہ بھی شامل ہے۔ سید احمد دہلوی نے یہ لغت ۱۸۶۸ء میں مرتب کی اور ۱۸۷۸ء میں ''ارمغانِ دہلی'' کے نام سے بہ طور نمونہ شائع ہوئی۔ مکمل لغت چوبیس سال بعد ۱۸۹۲ء میں ''فرہنگ آصفیہ'' کے نام سے شائع ہوئی۔ حامد حسن قادری نے سید احمد کی جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ان میں دو چیزیں نمایاں ہیں پہلی عورتوں کی تعلیم و تربیت اور دوسری اردو زبان و محاورے وغیرہ۔

---

[۱] حامد حسن قادری، داستانِ تاریخ اردو، پانچواں ایڈیشن، ص ۸۸۹، نئی دہلی، عاکف بکڈپو ۱۹۹۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری نے میر ناصر علی کی سیرت اور شخصیت کا مختصراً ذکر کیا ہے ساتھ ہی یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ انھوں نے باقاعدہ طور پر کوئی کتاب نہیں لکھی مگر مختلف موضوعات پر مضامین اور مقالے لکھے ہیں۔ جن کا ذکر رسالہ ''نقوش'' (شخصیات نمبر) میں بھی شامل ہے۔

سید ناصر نذیر فراق دہلوی کے متعلق حامد حسن قادری نے لکھا ہے کہ انھوں نے ایک رباعی میں اپنا نسب بیان کیا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کے آباء واجداد دہلی کے رہنے والے تھے اور ان کی پیدائش ۱۸۶۵ء میں ہوئی۔ انھوں نے خواجہ میر درد کی سوانح عمری ''میخانہ درد'' لکھی اس سوانح میں بھی انھوں نے اپنے حالات لکھے ہیں۔ حامد حسن قادری نے سید ناصر نذیر فراق دہلوی کی نو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ میخانہ درد (حضرت خواجہ میر درد کی سوانح عمری)، دہلی کا آخری دیدار (دہلی کے بادشاہوں، قلعہ کی معاشرت، رسم و رواج، مشغلے، میلوں، تہواروں کا ذکر ہے)، لال قلعہ کی ایک جھلک (دہلی کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے عہد کا ذکر ہے) دہلی کا اجڑا ہوا لال قلعہ (یہ ایک مختصر کتاب ہے جس میں بہادر شاہ ظفر کے بیٹے شاہ رخ کے شکار کے حالات ہیں)، بیگموں کی چھیڑ چھاڑ (اس میں ایک شادی کی محفل کا نقشہ ایک بیگم کی زبانی بیاں کیا گیا ہے)، سات طلاقوں کی کہانی (سات عورتیں ایک جگہ جمع ہو کر اپنی اپنی کہانی سناتی ہیں کہ ان کو اس وجہ سے طلاق ملی)، دکن کی پری (ایک طویل افسانہ)، مضامینِ فراق (سید ناصر نذیر فراق کے افسانوں کا مجموعہ) اور چار چاند (سید ناصر نذیر فراق کے چند مضامین کا مجموعہ) وغیرہ۔ اس کتاب کے آخر میں حامد حسن قادری نے انجمنوں، اداروں، مکتبوں اور بک ایجنسیوں کے علاوہ اخبارات اور رسائل وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

خلاصۂ تاریخ

حامد حسن قادری نے اپنی ذاتی ضرورت کے لیے زبان و ادب سے متعلق بعض اہم سنین اور واقعات کے حوالے سے دو بیاضیں مرتب کی تھیں۔ یہ دونوں بیاضیں اب چھپ گئیں ہیں ''خلاصۂ تاریخ'' کے عنوان سے سنین اور ان سے متعلق بعض اہم واقعات اور کوائف پر مشتمل کتاب مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر دہلی نے شائع کی ہے۔ اس کا سنہ اشاعت ۲۰۰۲ء ہے۔ کتاب دو حصّوں پر مشتمل ہے۔

پہلا حصّہ ''وقائع و سنین ضروری (متعلقہ ادبیات ہند و ادب و زبان اردو) کے عنوان سے صفحہ پانچ ۵ سے صفحہ چالیس ۴۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ کتاب کا دوسرا حصّہ ''گنجینۂ تواریخ'' کے عنوان سے صفحہ اکتالیس

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

سے اسّی تک پھیلا ہوا ہے۔ کتاب کے پہلے حصے میں ایسے تمام ضروری سنین، واقعات اور ان کی کیفیتیں مختصراً بیان کی گئی ہیں جن سے اردو زبان وادب کے طالب علم اور اساتذہ کا واسطہ پڑتا ہے، مثلاً آریوں کی ہندوستان میں آمد، آریہ کے چار ویدوں میں سے سب سے پہلے رگ وید کا زمانہ، آریہ کی زبان سنسکرت کی قدامت، راماین مصنفہ والمیک رشی کا زمانۂ تصنیف، مہابھارت مصنفہ وید ویاس رشی کا زمانۂ تصنیف، بھگوت گیتا، منوسمرتی (ہندو مذہب کا قانون مرتبہ منو)، پُران (اقوام ہنود کی قدیم تاریخ)، گوتم بدھ کی ولادت و وفات، مہابیر بانی جین مذہب کی ولادت ووفات، سکندر کا ہندوستان پر حملہ، چندر گپت موریہ کی تخت نشینی، سیلوکس، سپہ سالار سکندر کا حملۂ ہندوستان، میکستھنیز کا قیام چندر گپت کے دربار میں، اشوک (چندر گپت کے پوتے) کی تخت نشینی، اشوک کی وفات، گپتا سلطنت کا آغاز سنہ سمبت بکری کا رواج۔

بعثت و آغازِ اسلام، ہجرت نبوی و آغاز سنہ ہجری، وفات شریف، خلافت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلافت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلافت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، خلافت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عثمان بن عاص الثقفی کا سواحلِ سندھ پر حملہ، فتح ایران بزمانۂ حضرت عمر الفاروقؓ، فتح مکراں وسیستان وزابلستاں وغیرہ، امیر مہلت بن ابی صفرہ کا حملۂ ہندوستان، محمد بن قاسم کا سندھ حملہ، الپتگین کا حکومت غزنی قائم کرنا، سبکتگین کا حملۂ پنجاب، سلطان محمود غزنوی کے حملے، خاندان غزنوی کی حکومتِ پنجاب (اردو زبان کا آغاز)، فتح سومنات، سلطان محمود کی وفات، مورخ البیرونی، سلطنت غزنی کا خاتمہ، پنجاب میں حکومت غزنی کا خاتمہ، سلطان محمد غوری کے حملے، سلطان محمد غوری کی وفات، قطب الدین ایبک (دہلی کا پہلا سلطان بادشاہ آرا) شاہ بن قطب الدین التمش.....(چنگیز خاں کا حملۂ ہندوستان ۱۲۲۱ء میں) رکن الدین التمش، رضیہ سلطانہ، بہرام ومسعود (برادرانِ رضیہ) ناصر الدین محمود (برادر رضیہ)، عنایت الدین بلبن، کیقباد (بلبن کا پوتا)، امیر خسرو، جلا الدین خلجی، (مغلوں کے حملے دہلی پر) علاء الدین، (فتح گجرات) (غلام کافور) (مغل کردار قتلغ خواجہ کا حملہ) (فتح رنتھمبور اور چتوڑ وغیرہ) (ملک کافور کی فتح دکن) (راجہ کرن کی بیٹی دیول دیوی)

شہاب الدین عمر بن علاء الدین، قطب الدین مبارک بن علاء الدین، ناصر الدین خسرو، غیاث الدین تغلق، محمد تغلق، (وسعتِ سلطنت) (دار السلطنت کا تبادلہ) تانبے کا سکّہ (سیاح ابنِ بطوطہ) فیروز تغلق، تغلق شاہ ثانی، ابوبکر شاہ، محمد شاہ بن فیروز شاہ، سکندر شاہ، محمود تغلق، نصرت شاہ، محمود تغلق (درباری)

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

(تیمور کا حملہ ہندوستان)، اقبال خان، محمود تغلق، خضر خاں، مبارک شاں محمد بن فرید، علاء الدین عالم شاہ۔ بہلول لودی، سکندر لودی، ابراہیم لودی ماہر (ظہیر الدین)، ہمایوں (نصیر الدین، (محمود لودی سے جنگ) (شیر خاں سے جنگ) (بادشاہ گجرات بہادر شاہ سے جنگ) (مشیر خاں سے دوسری جنگ) (نظام محمد سقا) (شیر خاں سے تیسری جنگ) (شہنشاہ اکبر کی ولادت) (ہمایوں کا سفر ایران)، شیر شاہ سوری سلیم شاہ سوری، فیروز شاہ سوری، محمد شاہ نور، ہمایوں، اکبر (جلال الدین) (پانی پت کی دوسری جنگ) (اکبر کا خود مختار ہونا) (بیرم خاں کی وفات)، (فتح پور سیکری کی بنیاد) (ابو الفضل دربار میں) (اکبر کا مذہبی مجتہد بننا) (دین الٰہی) (فتح احمد نگر اور چاند سلطانہ کی وفات)، (شاہزادہ سلیم، جہانگیر کی بغاوت) (ابو الفضل کی وفات)، (اکبر کی وفات)، جہانگیر (نور الدین)، (نور جہاں سے نکاح) (خرم (شاہ جہاں) کی وفات) (سر ٹامس رو دربار شاہی میں) (طاعون کی وبا) (جہانگیر کی گرفتاری اور رہائی)، (جہانگیر کی وفات) شاہ جہاں (شہاب الدین)، (گجرات و دکن کا قحط) (محاصرۂ ہگلی) (نور جہاں کی وفات) (شاہ جہاں کی بیماری)، اورنگ زیب عالمگیر (محی الدین)، (شاہ جہاں کی وفات) (شیواجی اور اورنگ زیب) (سکھ عہد اورنگ زیب میں) (فتح بیجاپور)، (فتح گولکنڈہ) سلطنت مغلیہ کی وسعت، اورنگ زیب کی تاریخ ولادت: آفتاب عالمتاب، تاریخ جلوس آفتاب عالم ..... ، تاریخ وفات آفتاب عالم تاب سن (تاریخ وفات)، بہادر شاہ (معظم بن عالمگیر اورنگ زیب)، جہاندار شاہ، (سیّد برادران)، فرح سیر محمد شاہ، (ریاست حیدرآباد دکن کی بنیاد)، (سلطنت اودھ کی بنیاد) (نادر شاہ کا حملہ)، احمد شاہ بن محمد شاہ عالم گیر ثانی، شاہ عالم، (احمد شاہ ابدالی کا حملہ)، (دہلی پر احمد شاہ درانی کا قبضہ) (دہلی پر مہٹوں کا قبضہ) (دہلی پر روہیلوں کا قبضہ) (دہلی پر انگریزوں کا قبضہ، اکبر ثانی بن شاہ عالم بہادر شاہ (آخری تاجدارِ مغلیہ)، یوسف عادل شاہ (اردو زبان کی ترقی) علاء الدین حسن بہمن شاہ، محمد شاہ بن حسن بہمن شاہ، مجاہد شاہ (علاء الدین) داؤد شاہ، محمد شاہ ثانی، غیاث الدین، داؤد شاہ ثانی (شمس الدین) فیروز شاہ (تاج الدین)، احمد شاہ اول (شہاب الدین)، احمد شاہ ثانی (علاء الدین)، ہمایوں شاہ (علاء الدین)، احمد شاہ ثالث (نظام شاہ)، محمد شاہ ثالث (شمس الدین)، محمود شاہ، احمد شاہ رابع (۴)، علاء الدین، ولی اللہ، کلیم اللہ، اسمٰعیل عادل شاہ، عادل شاہ ابراہیم عادل شاہ اول، علی عادل شاہ، ابراہیم عادل شاہ ثانی، اردو کی تصانیف، محمد عادل شاہ علی عادل شاہ ثانی، سکندر عادل شاہ، (سلطنت عادل شاہی بیجاپور کا خاتمہ) وغیرہ۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

گنجینۂ تواریخ کے عنوان سے کتاب کے دوسرے حصّے میں ہجری اور عیسوی، سال اور مہینے کی مطابقت ایک جدول کی شکل میں درج کی گئی ہے۔ تاریخِ زبان وادب کے طالب علموں کو ان سنوں کی اکثر ضرورت پڑتی ہے، اور چونکہ حامد حسن قادری خود ایک ادبی مورخ تھے اس لیے انھوں نے اپنی سہولت کے لیے تاریخیں جمع کی تھیں۔ اس کتاب کے سلسلے میں افضال الرحمٰن کتاب کی ابتدا میں صفحہ ۳ پر لکھتے ہیں:

''تاریخ اور ادب کا تعلق ایک دوسرے کے ساتھ بہت گہرا ہے اور ادبی مورخ کو اپنی تحریروں میں قدم قدم پر تاریخ کی ورق گردانی کرنی ہوتی ہے۔ سنین وشہود کے تعین کے علاوہ ان کی مطابقت کے لیے کاوش کرنی پڑتی ہے۔ مختلف زمانوں میں اس طرح کے جدول موجود ہیں۔ جن سے یہ مشکل بڑی حد تک دور ہو جاتی ہے۔

میرے عمِ محترم جناب پروفیسر مولوی حامد حسن صاحب قادریؒ نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے دو بیاضیں تیار کی تھیں ایک میں بھارت میں آریوں کی آمد سے لے کر سلطنت عادل شاہی بیجاپور دکن کے خاتمہ تک اہم واقعات کو نہایت مختصر الفاظ میں مرتب کیا تھا، اور اس کا نام خلاصۂ تاریخ (۱۹۷۳) رکھا۔ دوسری بیاض گنجینۂ تواریخ (۱۳۵۵ھ) ہے، جس میں ہجری اور عیسوی سال و ماہ کی مطابقت دکھائی ہے۔

انھوں نے محض نجی استعمال کے لیے دونوں بیاضیں مرتب کی تھیں اور یہ خیال بھی نہ ہوگا کہ انہیں شائع کیا جائے گا۔ اب انہیں کے تصرف روحانی کی برکت سے، بطور یادگار کے ہم اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں''[۱]

حامد حسن قادری نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے جو بیاضیں تیار کی تھیں، ان کی اشاعت سے طلبا اور اساتذہ کو ادبی اموں میں یقیناً سہولت ہوگی لیکن حامد حسن قادری کا اصل کارنامہ ان کی کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' ہے۔ اس کتاب نے مدتوں ہماری ادبی ضرورتوں کو پورا کیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جدید تحقیقات نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا ہے اور ان تحقیقات کی روشنی میں ''داستانِ تاریخِ اردو'' کے بعض مندرجات تشنہ معلوم ہوتے ہیں لیکن جس زمانے میں یہ کتاب لکھی گئی تھی، اُن دِنوں جن حقائق تک مرتّب کی رسائی ہوسکتی تھی، حامد حسن قادری نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ بہ حیثیت مورخ ادب حامد حسن قادری کی اہمیت کا اعتراف ضروری ہے۔

۱۔ حامد حسن قادری، ''خلاصۂ تاریخ''، ص ۳، نئی دہلی، لبرٹی آرٹ پریس ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تیسرا باب

بہ حیثیت شاعر

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری نے تقریباً بارہ تیرہ سال کی عمر سے شاعری شروع کر دی تھی۔ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۶ء تک کلام ضیا رام پوری کے نام سے شائع ہوتا رہا۔ اس کے متعلق رسالہ ''اردو نامہ'' میں لکھتے ہیں۔

''... ''فتنہ و عطر فتنہ'' میں دو شاعر ضیا دہلوی اور ضیا لکھنوی کا کلام چھپتا تھا۔ میں نے تیسرا شاعر پیدا کرنے کے لیے ضیا رامپوری اپنا فرضی نام رکھ لیا... آخر ایک دن بھانڈا پھوٹ گیا... ایک دن استاد کے پاس گیا تو وہاں کوئی نئے شخص بیٹھے تھے۔ جن کو میں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں جا کر بیٹھا تو استاد نے ان صاحب سے میرا تعارف کرایا کہ ان کا نام حامد حسن قادری ہے۔ نام سنتے ہی ان حضرت نے راز صاحب سے کہا کہ ان سے پوچھیے ضیا رامپوری کے قطعہ مجھے یہی بھیجا کرتے ہیں۔''[۱]

اس دور کا کلام ''قطعاتِ جواہر امثال (۱۳۶۷ھ) یعنی قطعات بر امثال مشہورہ (۱۹۱۰ء)'' کے عنوان سے رسالہ ''اردو نامہ'' میں شائع ہوا۔ چند اشعار بہ طور نمونہ ملاحظہ ہوں:

''مجھ سے ایک دن حضرت واعظ یہ فرمانے لگے
عشق اے نادان کچھ اچھا نہیں بہتر نہیں
عشق میں عمر آدمی کی مفت ہوتی ہے تباہ
کس لیے کرتا مرے کہنے کو تو باور نہیں
دین و دنیا دونوں ہو جاتے ہیں انسان کے خراب
چھوڑتا ایمان تک یہ عشق غارت گر نہیں
یاد رکھ ہے عشق بازی اے ضیا بالکل گناہ
خوش نہیں رب اس سے، راضی اس سے پیغمبر نہیں

---

[۱] حامد حسن قادری، قطعات جواہر امثال، (۱۳۶۷ھ) رسالہ اردو نامہ، ص ۸۰، شمارہ ۱۹، کراچی ترقی اردو بورڈ، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اے ضیا کیا اور کچھ دھندا نہ تھا
کیوں بلائے عشق لے لی اپنے سر''[۱]

حامد حسن قادری کی ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۲ء تک کی غزلوں میں امیر مینائی کا رنگ ہے۔ اس کے متعلق وہ اپنے دیوانِ غزلیات میں لکھتے ہیں۔

''استاد کی صحبت سے مجھ میں بھی امیر مینائی کا ہی رنگ پیدا ہوگیا۔ جب فکر کرتا تھا وہی مضامین اور وہی انداز ذہن میں آتے تھے۔ مگر اس عرصے میں غزل کا رنگ بدلنے لگا تھا اور امیر مینائی سے زیادہ دوسرے جدید شعرا کا طرز پسند آنے لگا تھا۔ میں نے چاہا کہ اپنا رنگ بدل دوں مگر نہ بدل سکا۔''[۲]

اس دور کی چند غزلیں ملاحظہ ہوں:

''نہ مانوں گا، تمہاری یاد ہی تڑپا گئی ہوگی
اسی نے آکے چٹکی لی کلیجے میں، یہی ہوگی[۳]

وہ کہتے ہیں غرور اس کو سمجھتے ہو تعجب ہے
قدم رکھنے نہیں دیتی زمین پر ناز کی میری[۴]

مقدر کے بل سب نکل جائیں گے
وہ بدلے تو ہم بھی بدل جائیں گے''[۵]

اسی زمانے میں ان کے چھوٹے چچا میاں (محمد محسن فاروقی) انھیں اپنے دوست منشی امتیاز احمد خاں راز رامپوری عرف پیارے خاں کے پاس لے گئے اور ان کا شاگرد بنا دیا۔ اس کے متعلق حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''...جب میں 'زار' تخلص کرتا تھا۔ شروع کی چند غزلوں میں تو استاد 'راز' نے 'زار' تخلص

۱۔ رسالہ اردو نامہ، ص ۸۰، شمارہ ۱۹، کراچی ترقی اردو بورڈ، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء

۲۔ حامد حسن قادری، مرأۃ سخن: دیوانِ غزلیات، ص ۳، قادری اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء

۳۔ ایضاً، دیباچہ، ص ۵

۴۔ ایضاً، دیباچہ، ص ۶

۵۔ ایضاً، ص ۳

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رہنے دیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ نام اور تخلص کا اثر پڑتا ہے 'زار' اچھا لفظ نہیں۔ اپنا نام ہی تخلص کرلو چنانچہ پھر حامد ہی ہمیشہ لکھا۔''[۱]

اس وقت کی چند غزلیں ملاحظہ ہوں:

''کھل جائے حسن و عشق کا راز اک نگاہ میں
دیکھیں جو آئینہ کو ہماری نظر سے آپ

کسب کمال کیجئے اے زار رات دن
بن جائیں گے عزیز جہاں میں ہنر سے آپ''[۲]

''کہاں تک کرے گی فغاں عندلیب
قریب ہو گئی ہے خزاں عندلیب

اٹھالے مزے اب یہاں عندلیب
بہاروں پہ ہے بوستاں عندلیب''[۳]

مندرجہ بالا اصلاح شدہ ۱۶ غزلیں (۹۳ راشعار) امیر مینائی اور راز رامپوری کے رنگ میں ہیں۔ آزادی کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۴۸ء میں حامد حسن قادری نے ''مرآت سخن دیوانِ غزلیات'' مرتب کی اور ۴۸ سال کے بعد ماجد حسن فریدی نے الناصر پرنٹرز قادری اکیڈمی کراچی سے ۱۹۹۶ء میں اسے شائع کرایا۔ یہ کتاب ۷۶ صفحات پر مشتمل ہے اس میں حرف تہجی کی مناسبت سے غزلیں ترتیب دی گئی ہیں۔ اس کتاب میں ''میرا کارنامۂ غزل'' کے عنوان سے ۲۳ صفحات پر مشتمل دیباچہ بھی شامل ہے جس میں ابتدائی زمانے کی غزلیں، تخلص اور اساتذہ سے اصلاح وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس مجموعے میں غزلوں کے علاوہ کئی نعتیں بھی ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

۱۔ حامد حسن قادری، مرآۃ سخن: دیوانِ غزلیات، ص ۳، قادری اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء

۲۔ ایضاً، ص ۸

۳۔ ایضاً، ص ۳

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ہمارے دل کے اندر آپ ہیں آپ
اس آئینے کے جوہر آپ ہیں آپ

حبیبؐ ربِ داور آپ ہیں آپ
شفیعؐ روزِ محشر آپ ہیں آپ

تصور دل پہ ہے رکھے ہوئے ہاتھ
سکونِ قلبِ مضطر آپ ہیں آپ

ہوا ہے جس سے پورا جملۂ کون
وہ مذکور و مقدّر آپ ہیں آپ

نمود و نور نیرنگ آپ سے ہے
سرو سردار وسرور آپ ہیں آپ

کلیمؑ اور اُمّتی بننے کی حسرت
رسولوں کے پیمبرؐ آپ ہیں آپ
یہ ہے ایمان حامد کا خلاصہ
خدا کے بعد برتر آپ ہیں آپ [1]

اسی طرح ان کی دوسری نعت ملاحظہ ہو:

''کیا نکلتی ہے ان کی ذات میں بات
تھی یہی خلقِ کائنات میں بات

بشریّت کا ان کے ذکر میں ذکر
ہے بھلا یہ بھی کوئی بات میں بات

کیا کرے عقل اُن کا درک صفات
کیا بنے اُن کے وصفِ ذات میں بات

---

[1] حامد حسن قادری، مرأۃ سخن: دیوانِ غزلیات، ص ۱۱، قادری اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

آہ کے ساتھ ساتھ دم نکلا
ہوگئی ختم ایک بات میں بات

دفن حامد ہوا مدینے میں
باقی اب کیا رہی نجات میں بات [۱]

۸ستمبر۱۹۳۸ء

اسی انداز کے چند اور نعتیہ اشعار درج کیے جاتے ہیں۔جن میں تلمیحات سے بہ طور خاص فائدہ اٹھایا گیا ہے:

ہمہ تن نور ہیں وہ اے موسیٰ
کیا ہے گر ہاتھ تمھارا چمکا [۲]

یہ ادنیٰ سی جھلک ہے ان کی موسیٰ
جسے سمجھے ہو تم نازِ قبس بس [۳]

شاہدِ مستور لیلیٰ سے بہت!
قیس سے تشہیر والے خاص خاص [۴]

مبارک تم کو موسیٰ طور کا عشق
ہمیں ہے گنبدِ پُرنور کا عشق

میرا دل ہے چراغِ عشق موسیٰ
جسے ہو ، ہو ، چراغِ طور کا عشق [۵]

---

۱ حامد حسن قادری، مرأۃ سخن: دیوانِ غزلیات، ص۱۳، قادری اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء

۲ ایضاً، ص۴

۳ ایضاً، ص۳۴

۴ ایضاً، ص۳۷

۵ ایضاً، ص۴۸

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

ہے انا الحق انانیت منصور!
میٹ اس کو یہ داغ ہے دل میں [1]

حامد حسن قادری نے ایک غزل ''صنعت متلون میں لکھی ہے۔ ''درسِ بلاغت'' (ترقی اردو بیورو، نئی دہلی)، ص ۷۶ پر صنعت متلون کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

''کوئی ایسا کلام جو کئی وزنوں میں پڑھا جا سکے، متلون کہا جاتا ہے۔ متلون کے لغوی معنی ہیں ''رنگ بدلنے والا''۔

مجھ سے وہ جب سے جدا گلفام ہے
چین ہے دل کو نہ کچھ آرام ہے

اس کے تین وزن ہیں۔

(۱) فاعلاتن، فاعلاتن فاعلن

(۲) مفتعلن مفتعلن فاعلن

(۳) فاعلاتن فعلاتن فاعلن'' [2]

حامد حسن قادری کی صنعت متلون میں لکھی ہوئی غزل ملاحظہ ہو:

''ہے تری شاہِ تلوّن بھی عجیب — اور وفا کی ہے مجھے دُھن بھی عجیب
مل کے دونوں نے کیا مجھ کو تباہ — دل کا ہے غم سے تعاون بھی عجیب
وصل کا وعدہ بھی ہے تجھ سے عجب — اس پہ ہے میرا تیقن بھی عجیب
اک اشارے میں طلسمِ دوجہاں — لفظ جادو کا تھا وہ کُن بھی عجیب
یہ کبھی گھر میں ہیں صحرا میں کبھی — عاشقوں کا ہے تمدُّن بھی عجیب
چند گنتی کے تھے منزل میں قدم — پاؤں رستے میں ہوئے سُن بھی عجیب

---

[1] حامد حسن قادری، مرآۃ سخن: دیوانِ غزلیات، ص ۶۲، قادری اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء

[2] ''درسِ بلاغت''، تیسرا ایڈیشن، ص ۷۶، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۹۷ء

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

چپکے چپکے ہی یہ لے لیتے ہیں بھید ہے فرشتوں کی یہ سُن گُن بھی عجیب
لطف کیا رکھتی ہے حامد یہ غزل
گرچہ صنعت ہے تلوّن بھی عجیب'' [۱]

۲/اکتوبر ۱۹۳۲ء

یہ غزل دو مختلف بحروں میں پڑھی جاسکتی ہے:

(۱) فاعلاتن فعلاتن فعلات

(۲) فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

حامد حسن قادری نے مختلف شعری صنعتوں کے علاوہ محاورے اور ضرب الامثال وغیرہ سے بھی اپنی شاعری کو مزیّن کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہیں جو عاشق جھیلتے ہیں سختیوں پر سختیاں
لوگ ان کو جانتے مجنوں سے کم تر نہیں
ہیں وہ عاشق جنگلوں میں چھانتے پھرتے ہیں خاک
ان کا کوئی گھر نہیں ہے ان کا کوئی در نہیں
یہ نصیحت میری تجھ پر کارگر ہوگی ضرور
تیرے سینے میں اگر دل ہے کوئی پتھر نہیں
سن کے میں نے عرض کی خیرات تو جو کچھ ہو سو ہو
''اوکھل میں سرد یا تو موسلوں کا ڈر نہیں'' [۲]

اس طرح کے کئی اشعار رسالہ ''فتنہ وعطر فتنہ'' (جلد ۲۵، شمارہ ۵) فروری ۱۹۱۰ء-۱۹۱۱ء میں پہلی بار شائع ہوئے تھے۔ مدتوں بعد یہ اور دوسرے قطعات رسالہ ''اردو نامہ'' ۱۹۶۵ء میں دوبارہ شائع ہوئے۔ ان میں استعمال ہوئے ضرب الامثال کی تعداد ۱۷ ہے۔ مثلاً اوکھل میں سر دیا تو موسلوں کا ڈر نہیں، صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں، چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی، گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، ہر کجا چشمہ بود شیریں، مردم و مرغ و مورِ گرد آیند، گھر کی مرغی دال برابر، چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات ہے، در عمل کوش و پرچہ

---

[۱] حامد حسن قادری، مرآۃ سخن: دیوانِ غزلیات، ص ۹-۱۰، قادری اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء

[۲] حامد حسن قادری، قطعاتِ جواہر امثال، رسالہ اردو نامہ، ص ۸۱، شمارہ ۱۹، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵

خواہی پوش، آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے، دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا، عید رمضان آمد و ماہِ رمضان رفت، ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ غلطی کی ہے جو کافر کو مسلماں سمجھا، بس ہو چکی نماز مصلا اٹھایئے، درکار خیر حاجت استخارہ نیست، ان نینن کے یہی سیکھ، وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھ اور درمع الدہر کیف مادار او غیرہ۔

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کسی جا منعقد تھا ایک دن ایک جلسۂ قومی
جہاں تھا ایک ممبر منہمک لکچر سنانے میں
نہ جانا تھا انھیں کو ایسے جلسے میں ضیا سچ ہے
''صدا طوطی کی سنتا کون ہے نقار خانے میں''[۱]

.....

''ہند میں گو سب عیش ہیں لیکن
گھر کی مرغی دال برابر''[۲]

.....

''نہ ہاریں کبھی آپ ہمت خدا را
مثل ہے کہ ''ہمت کا حامی خدا ہے''[۳]

.....

''ہے ہند میں اے ضیا ہماری وہ مثل
''لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل''[۴]

حامد حسن قادری نے فارسی کے مشہور شاعر نظیری نیشاپوری کے بعض اشعار کو اردو کا جامہ پہنانے کی کوشش بھی کی ہے مثلاً:

---

۱ حامد حسن قادری، قطعاتِ جواہر امثال، رسالہ اردو نامہ، ص ۸۱-۸۲، شمارہ ۱۹، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵

۲ ایضاً، ص ۸۲

۳ ایضاً، ص ۸۳

۴ ایضاً، ص ۸۳

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''نظیری نیشاپوری:

گر کشف حجب خواہی بستاں مے ناب اول
ور علم ازل جوئی بگذر ز کتاب اول

حامد حسن قادری:

اسرار کو کیا کتاب درکار
ہی وحی نبیؐ کی خواب اول[۱]

نظیری نیشاپوری:

در عشق مکش دفتر کا سرارِ ادنی را
گو یند بوحی آخر آرند بخواب اول

حامد حسن قادری:

اُٹھ جائیں گے سب حجاب زاہد
پی لے قدحِ شراب اول[۲]

نظیری نیشاپوری:

دوش از بزم برفتی آگہ نگشتم آرے
عمری و رفتن عمر آواز پاندارد

حامد حسن قادری:

تیرا پہلو سے اٹھنا کیا ہو معلوم
پھیلا کیا جان کے جانے کی آہٹ[۳]

حامد حسن قادری کی غزلیں روایتی انداز کی ہیں۔ عشقِ حقیقی، عشقِ مجازی، خمریات وغیرہ وغیرہ۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دل میں کیا ماسوا کی گنجائش
یادِ جاناں بھرے ہوئے ہیں ہم[۴]

---

۱ حامد حسن قادری، مرأۃ سخن: دیوانِ غزلیات، ص ۲۸، قادری اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء
۲ ایضاً، ص ۵۵
۳ ایضاً، ص ۱۶
۴ ایضاً، ص ۶۰

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

وہ نہیں ، پھر بھی دل نہیں خالی
یاس و حرماں بھرے ہوئے ہیں ہم

لا پیالہ نچوڑ دیں زاہد
مے سے دامن بھگوئے بیٹھے ہیں[۱]

انھوں نے غزلوں میں سوز فرقت، سوز دل اور چشم نم جیسے الفاظ کثرت سے استعمال کیے ہیں:

سوز فرقت کو دل سے پوچھ اسے شمع
یہ حقیقت تجھے نہیں معلوم[۲]

سوز فرقت سے داغ ہے دل میں
گوہر شب چراغ ہے دل میں[۳]

سوز دل پر یہ گلفشانی شمع
زندگانی ہے زندگانی شمع[۴]

سوزِ دل چاہیے صفا کے لیے
ہے کہاں شعلۂ چراغ پہ چراغ[۵]

اس کتاب میں ان کی ایک فارسی غزل بھی شامل ہے۔ راقمہ کو مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں موجود رسائل میں حامد حسن قادری کی شائع شدہ غزلیں بھی دستیاب ہوئی ہیں۔ یہ غزلیں رسالہ مخزن ۱۹۰۸ء اور ۱۹۱۲ء، رسالہ گلدستہ جلوہ یار ۱۹۰۹ء۔ رسالہ صبح بہار ۱۹۱۰ء۔ رسالہ نگار ۱۹۱۲ء وغیرہ میں شائع ہوئی ہیں۔

۱۔ حامد حسن قادری، مرآۃ سخن: دیوانِ غزلیات، ص ۶۴، قادری اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۶ء
۲۔ ایضاً، ص ۵۷
۳۔ ایضاً، ص ۶۲
۴۔ ایضاً، ص ۴۳
۵۔ ایضاً، ص ۴۴

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رباعیات

رباعی عربی لفظ ہے جس کے معنی دو بیتی کے ہیں۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی اپنی کتاب ''اردو رباعیات'' میں لکھتے ہیں:

''رباعی عربی زبان کا لفظ ہے۔ رباع (ر ب ع) کے معنی چار۔ چار میں یائے نسبتی ہے۔ اس لیے اس کے معنی ''چار والے'' ہیں۔''[۱]

ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اپنی کتاب ''اردو شاعری کا فنی ارتقا'' میں رباعی کی تعریف ان جملوں میں کی ہے:

''رباعی شاعرانہ اصطلاح میں اس صنف کا نام ہے جس کے چار مصرعوں میں ایک مکمل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔ رباعی کا وزن مخصوص ہے پہلے، دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ لانا ضروری ہے۔ تیسرے مصرع میں اگر قافیہ لایا ہے تو کوئی عیب نہیں۔''[۲]

''درسِ بلاغت'' میں رباعی کے اوزان سے بحث کرتے ہوئے شمس الرحمٰن فاروقی اپنے مضمون ''بحریں اور زحافات'' میں لکھتے ہیں:

''اس کے چوبیس اوزان مقرر ہیں اور ایک رباعی میں کوئی چار استعمال ہو سکتے ہیں۔''[۳]

رباعی کے مختلف ناموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمان فتحپوری لکھتے ہیں:

''عروض کی مختلف کتابوں میں رباعی کے مختلف نام ملتے ہیں۔ رباعی، ترانہ اور دو بیتی۔ بعض نے چہار مصرعی، چہار بیتی۔ جفتی اور خصّی بھی لکھا ہے۔''[۴]

۱۔ سلام سندیلوی، اردو رباعیات، ص ۸۰، نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۶۳ء

۲۔ فرمان فتحپوری، اردو شاعری کا فنی ارتقا، ص ۳۰۸، عفیف پرنٹرس نئی دہلی ۱۹۹۸ء

۳۔ شمس الرحمٰن فاروقی، درسِ بلاغت، ص ۱۰۱، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۱۹۹۷ء

۴۔ فرمان فتحپوری، اردو شاعری کا فنی ارتقا، ص ۳۰۸، عفیف پرنٹرس نئی دہلی ۱۹۹۸ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رباعی کو انگریزی میں Lyric کہتے بھی ہیں جس کے معنی غنائی، شدتِ جذبات سے مغلوب رنگِ تغزل کے ہیں۔ اصطلاحاً رباعی سے وہ شعری ہیئت مراد ہے جو چار مصرعوں پر مبنی ہوتی ہے اور فکر و خیال کے لحاظ سے مکمل ہوتی ہے۔ رباعی کے موضوعات کا ذکر کرتے ہوئے شمیم احمد اپنی کتاب ''اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں'' میں لکھتے ہیں:

''... یہ عام طور پر فلسفیانہ، اخلاقی، تفکیری اور کبھی کبھی عشقیہ مضامین پر مبنی ہوتی ہے۔''[۱]

ڈاکٹر سیدہ جعفر اپنی کتاب ''دکنی رباعیات'' کے ص ۸۵ پر دکنی شعرا کی رباعیات رباعی کے موضوع اور مواد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

''دکن کے رباعی گو شعراء نے اخلاق و حکمت، پند و موعظت فلسفہ، تصوف، خمریات اور عشق و محبت کو اپنا موضوع بنایا اور رباعی کے مواد میں قابل لحاظ اضافہ کیا۔''[۲]

دکن کے پہلے رباعی نگار کے طور پر سیدہ جعفر نے قلی قطب شاہ کا ذکر کیا ہے، لکھتی ہیں:

''محمد قلی قطب شاہ دکن کا پہلا شاعر ہے جس نے رباعی کے موضوعات کو نئی وسعتیں عطا کیں۔''[۳]

اردو رباعی نگاروں میں محمد قلی قطب شاہ، وجہی، غواصی، ولی، سراج، درد، سوز، سودا، میر حسن، میر تقی میر، قائم چاند پوری، نظیر اکبر آبادی، انشا، جرات، مصحفی، ذوق، غالب، مومن، ناسخ، آتش، امانت، میر انیس، مرزا دبیر، امیر مینائی، داغ، آزاد، حالی، اکبر الہ آبادی، شاد عظیم آبادی، فانی، یگانہ، جگت موہن لال، رواں، جوش، فراق، امجد حیدر آبادی اور ساغر نظامی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

''گلِ صد برگ'' حامد حسن قادری کی سو رباعیوں کا مجموعہ ہے۔ ایک سو دس صفحات پر مشتمل یہ کتاب پہلی بار گلداری خلیج ٹائمز پریس، دبئی سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی۔ اس میں شامل رباعیات مختلف مواقع پر

---

۱ شمیم احمد، اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، ص ۶۹، کوالیٹی آفسٹ پریس، نئی دہلی ۱۹۸۱ء

۲ سیدہ جعفر، دکنی رباعیات، ص ۸۵، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۱۹۹۸ء

۳ سیدہ جعفر، کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ، ص ۲۱۹، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۲۰۰۵

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۶ء کے درمیان لکھی گئیں اور مختلف رسالوں میں شائع ہو چکی تھیں۔ اس کتاب میں سو رباعیوں کے علاوہ ایک اردو قطعہ ایک فارسی قطعہ اور تیرہ نعتیہ رباعیات بھی شامل ہیں۔ کتاب میں شامل بعض اہم رباعیات کے عناوین مندرجہ ذیل ہیں۔ موعظت، عورت، عیدی، گربا، شب برائی، بیوی، فیض رسانی، واردات قلب، راحتِ مرگ، شب زندہ داری، پیری، دنیائے عشق، سعی بیکاران مع رفتار زمانہ، مار آستین، فنا فی اللہ، اشکِ ندامت، حسد، کم ظرفی، روشنی کا مینار، شانِ مسلم، خیر امۃ، راہ فلاح، عظمتِ صوم، مفت کرم داشتن، عیش پرست اور روزہ دار، روزے میں بدمزاجی، وقار صوم، برکاتِ قوم، جزائے صوم، غرض صوم، روزہ وفاقہ، ذکر الٰہی، اذان صوم، روزہ امتحان، قربانی نفس، غذائے صوم، عظمتِ نماز، ترغیب نماز، مرقع عالم، صبح پیری، محسود ہونا، دعوتِ اتحاد، نور کا تڑکا، تہ خانہ قبر، معمورۂ خراب، فرزانہ و دیوانہ، شیریں تلخ، حباب ہستی، سراب ہستی، شادی وغم، رندانہ، بے ثباتی عمر، زندگی مستعار، رضا بقضا، خوابِ غفلت، نقشِ برآمد، خوابِ زندگی، فتح و شکست وغیرہ۔

ان رباعیات کے علاوہ حامد حسن قادری کی مندرجہ ذیل رباعیاں راقمہ کو ''رسالہ چمنستان، رسالہ نیرنگ (عید نمبر) اور رسالہ آج کل'' سے دستیاب ہوئی ہیں:

''دنیا کی محبت میں جو سرشار نہیں — حامد بہ جز اس کے کوئی ہشیار نہیں
ہے شہد مگر تلخی سم رکھتی ہے — گلشن ہے مگر گلشن بے خار نہیں

ہیں مثل حباب بحر ہستی میں ہم — ہیں نقش بر آب بحر ہستی میں ہم
دونوں میں وجود اور عدم میں یکساں — صحرا میں سراب بحر ہستی میں ہم

گردش میں ہوس سے مثل گرداب ہیں ہم — فانی ہیں مگر خیال ہیں خواب ہیں ہم
پانی ہے گر جہان فانی قائم! — تو کچھ نہیں، کیا ہیں؟ نقشِ برآب ہیں ہم''[1]

---

[1] حامد حسن قادری، رباعیات، رسالہ چمنستان (سالنامہ)، ص ۲۵، جنوری ۱۹۳۰ء

رباعی رازِ حسن

"عالم کی رگوں میں حسن پیوستہ ہے
عاشق روز ازل سے دل خستہ ہے
دیوانِ کمال حسنِ قدرت کے لیے
ہر برق تپاں مصرعِ برجستہ ہے

گلزارِ جہاں حسن کا گلدستہ ہے
اس دامِ حسین سے کون وارستہ ہے
کھلتا ہے زبانِ برگ گل سے یہ راز
جو غنچہ ہے ایک رازِ سربستہ ہے

جب حسن ازل نظر میں تل جاتا ہے
دل سے سب فرقِ خار و گل جاتا ہے
گلزارِ جہاں میں جو کلی کھلتی ہے
اس راز کا ایک عقدہ کھل جاتا ہے"[1]

---

[1] حامد حسن قادری، رازِ حسن، رسالہ آج کل، ص ۱۹، جلد ۷، شمارہ ۱۳، دہلی، اکتوبر ۱۹۴۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تضمین:

تضمین کے لغوی معنی ملانا، شامل کرنا اور ضامن لینا کے ہیں مگر اصطلاحِ شاعری میں دوسرے کے شعر پر مصرع یا بند لگانے کے ہیں۔ تضمین سے ایسی نظم یا ایسے اشعار مراد لیے جاتے ہیں جن میں کسی دوسرے شاعر کے شعروں پر مصرعے لگائے جائیں اور ان مصرعوں کی وجہ سے ان شعروں کے معنی میں کوئی ندرت پیدا ہو جائے۔ عام طور پر شاعروں نے ایک شعر پر تین مصرعے لگائے ہیں۔ جس کی وجہ سے تضمین کی ہیئت مخمس کی ہوگئی ہے۔ حامد حسن قادری کی کتاب ''سفینۂ نثر و نظم'' میں گیارہ تضمینیں شامل ہیں۔ جن کے عناوین، تضمین حمد باری تعالیٰ، تضمین، تضمین سعدی، شیخ بہاؤالدین عاملی، حفیظ جالندھری، امیر مینائی، میر تقی میر، اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ہیں۔

ان تضمینوں میں ''تضمین خاکسار قادری'' بارہ اور تضمین شعرِ مرزا داغ نو بندوں پر مشتمل ہیں۔ چند اشعار بہ طور نمونہ ملاحظہ ہوں:

''سب کو عشق سید آلِ عبا ملتا نہیں — جس کو مل جاتا ہے یہ پھر اس کو کیا ملتا نہیں
نعمت دنیا میں کچھ دل کو مزا ملتا نہیں — مونسِ صحبت غم شہ کے سوا ملتا نہیں
رو رہا ہوں، اس سے بہتر مشغلا ملتا نہیں''[1]

''یادگارِ نامہ فخرالدین علی احمد'' (مرتبہ پروفیسر نذیر احمد) میں فرمان فتحپوری، ''مولانا حامد حسن قادری'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''تضمین نگاری کے محبوب مشغلے میں بھی ان کی زیادہ توجہ غالب کی طرف رہی ہے اور مولانا نے غالب کی بعض پوری پوری غزلوں کی تضمین کی ہے، ایک ایک مصرع نہیں بلکہ تین تین مصرعے لگائے ہیں اور خمسہ کہا ہے''[2]

حامد حسن قادری کی تضمین نگاری سے متعلق رسالہ ''نقاد'' کے ایڈیٹر سید شاہ دلگیر اپنے خیالات کا اظہار

---

[1] حامد حسن قادری، سفینۂ نثر و نظم، ص ۴۰، بھارت آفسٹ پریس، نئی دہلی ۲۰۰۴ء

[2] نذیر احمد، یادگار نامہ فخرالدین علی احمد، ص ۴۰-۵۴۱، غالب انسٹی ٹیوٹ، ثمر آفسٹ پریس، نئی دہلی ۱۹۹۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ان جملوں میں کرتے ہیں:

''ہمارے لایق دوست مولوی حامد حسن صاحب قادری بچھرایونی نے فخر المتاخرین مرزا نوشہ غالب کے اشعار لطیف پر تضمین کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ نہایت پر لطف اور کام کی چیز ہے، یہ گویا اصل شعر کی منظوم شرح ہے جس سے ان کے تمام محاسن و مطالب بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور اس دل نشیں طریقہ سے کہ دماغ پر فکر کا بار بالکل نہیں پڑتا۔ اگر ہمارے دوست نے اس طرح یہ سلسلہ جاری رکھا اور کافی اشعار کی تضمین کر دی تو ہماری شاعری میں ایک مفید دلچسپ اضافہ کریں گے۔ (ایڈیٹر)''[۱]

حامد حسن قادری نے ''کلام غالب کی تضمین'' کے عنوان سے ایک مضمون تحریر کیا ہے جو کہ پچاس صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مضمون ان کے تنقیدی مضامین کے مجموعہ ''نقد و نظر'' میں شامل ہے۔ اس مضمون کے ذریعہ حامد حسن قادری نے تضمین کے چھ اغراض بتائے ہیں اور اس کے ساتھ ہی میر تقی میر، داغ، شیخ سعدی، حضرت شاہ نیاز احمد، ریاض خیر آبادی، امیر مینائی، بیاں میرٹھی، شاہ ابو اشرف مجدودی، مرزا سہارنپوری اور صبا اکبر آبادی وغیرہ کے اشعار کی تضمین کی ہے۔ ان کے علاوہ حامد حسن قادری کی کئی تضمین راقم الحروف کو رسالہ نقاد، الناظر اور آج کل سے حاصل ہوئی ہیں۔

انھیں میں بہ طور نمونہ پیش کرنا چاہتی ہوں۔ تضمین غزل فانی بدایونی سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''دل میں تو ہے تیری خدائی ہے　　کل کی اک جز میں سمائی ہے
ذرّہ میں شانِ رونمائی ہے　　قطرہ دریائے آشنائی ہے
کیا تیری شانِ کبریائی ہے۔
یہ جو رنگِ شبِ جدائی ہے　　یہ جو نالوں کی نارسائی ہے
تیری مرضی پر سب خدائی ہے　　تیری مرضی جو دیکھ پائی ہے
خلش درد کی بن آئی ہے

---

[۱] حامد حسن قادری، ''مآل عشق'' رسالہ نقاد، ص ۵۰، جلد ۲، شمارہ ۳۷، نقاد پریس آگرہ، مئی ۱۹۱۴ء

نعمتیں داغِ دل کی کس کو نہ دیں　　کس کو زخموں کی لذّتیں نہ ملیں
غم سے محروم کوئی بھی ہے کہیں؟　　کون دل ہے جو درد مند نہیں
کیا ترے درد کی خدائی ہے

ہر کہیں تو ملا ، کہاں نہ ملا　　ذرّے ذرّے میں کیا عیاں نہ ملا
ہاں پتے کی کہیں ، تو ہاں نہ ملا　　وہم کو بھی ترا نشاں نہ ملا
نارسائی سی نارسائی ہے''[1]

تضمین غزل حضرت عبدالعلیم صاحب آسی سکندر پوری قدس سرہ العزیز:

''جانتے ہو کہ ہے محبت کیا　　مانتے ہو کہ دل کی ہمت کیا
پھر قیامت کی شرط ومحبت کیا　　ہم نہیں جانتے قیامت کیا
آج اگر تم ملو قباحت کیا

نہ ہٹے اس کی چاہ سے کوئی　　نہ ڈرے اشک و آہ سے کوئی
نہ پھرے اس کی راہ سے کوئی　　نہ گرے اس نگاہ سے کوئی
اور افتاد کیا ، مصیبت کیا

دل بھی کھویا ، وفا میں جان بھی دی　　اک قیامت گزرگئی یعنی
سہل تھا جب نگاہ اس پر تھی　　نہ گرے اُس نگاہ سے کوئی
اور افتاد کیا ، مصیبت کیا'' [2]

یہ تضمین ''جواہر مخمسات'' کے عنوان سے رسالہ ''الناظر'' (بابت جولائی - اگست ۱۹۳۷ء، جلد ۴۳، شمارہ ۸) سے دستیاب ہوئی ہے۔ پوری تضمین سولہ بندوں پر مشتمل ہے۔

حامد حسن قادری نے جو مصرعے لگائے ہیں وہ فانی بدایونی اور حضرت عبدالعلیم کے خیال کی توسیع میں ممد ومعاون ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہیں بلکہ تضمین کی خوبی یہی ہے کہ پہلے کہے گئے اشعار کے ساتھ تازہ اشعار کا ربط اس طرح سے قائم ہو کہ دونوں ایک ہی شاعر کے کہے ہوئے معلوم ہوں۔ حامد حسن قادری کی تضمین اس کسوٹی پر پوری اترتی ہے۔

---

[1] حامد حسن قادری، تضمینِ غزل فانی بدایونی، رسالہ آج کل، (سالانہ نمبر) ص ۳۷، جلد ۸/۱، نئی دہلی، اگست ۱۹۴۹ء

[2] حامد حسن قادری، تضمینِ غزل حضرت شاہ عبدالعلیم صاحب آسی سکندر پوری، رسالہ الناظر ص ۶۹، جلد ۴۳/۸، آگرہ، جولائی تا اگست، ۱۹۳۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مثنوی:

مثنوی عربی لفظ مثنیٰ سے مشتق ہے جس کے معنی دو کے ہیں۔ مثنوی کے لغوی معنی دو دو کیا گیا ہے۔ اس کے ہر شعر میں دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کا قافیہ جدا ہوتا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین اپنی کتاب ''اردو مثنوی شمالی ہند میں'' کے ص ۵۵ پر رقم طراز ہیں:

> ''مثنوی نظم کا وہ پیکر ہے جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں لیکن ہر شعر کے بعد قافیہ بدلتا جائے۔ دو دو ہم قافیہ مصرعوں کی رعایت سے اس کا نام مثنوی طے پایا۔ کیونکہ مثنوی کے معنی ہیں ''دو دو'' کیا گیا۔''[۱]

مثنوی میں موضوع کی قید نہیں ہے۔ اس صنف میں واقعات، کیفیات، معاملات اور زندگی سے متعلق ہر پہلو کو نظم کیا جا سکتا ہے۔ عام طور پر مثنوی کی بنیاد واقعہ پر رکھی جاتی ہے۔ لیکن اس کی بنیادی شرط تسلسلِ بیان ہے۔ موضوع کے اعتبار سے مثنوی کی تیرہ قسمیں ہیں:

تاریخی، واقعاتی، حکایتی، سیاسی، صوفیانہ، عشقیہ، رزمیہ، غنائیہ، معاشرتی، تہذیبی اخلاقی، مدحیہ اور ہجویہ وغیرہ۔

گوپی چند نارنگ نے اپنی کتاب ''ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں'' میں تحقیق اور تنقید کی سہولت کے لیے مقامی موضوعات پر مشتمل اردو مثنویوں کو مندرجہ ذیل چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

> ''...مذہبی مثنویاں، تاریخی مثنویاں، وہ مثنویاں جن میں ہندوستان کے معاشرتی کوائف و آثار کی تفصیل ملتی ہے، وہ مثنویاں جو ہندوستان کے فطری مظاہر یا موسموں کے بارے میں ہیں، وہ مثنویاں جن میں حب الوطنی کے جذبات پائے جاتے ہیں اور ہندوستانی قصے کہانیوں سے ماخوذ مثنویاں''[۲]

حامد حسن قادری کی مثنوی ''نمونہ عبرت'' مذہبی مثنویوں کے ذیل میں آتی ہے۔ موصوف نے یہ

۱۔ گیان چند جین، اردو مثنوی شمالی ہند میں، حصہ اول، ص ۵۵، جمال پرنٹنگ پریس، نئی دہلی ۱۹۹۷ء

۲۔ گوپی چند نارنگ، ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں، ص ۲۵-۲۷، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مثنوی ۲۴ جنوری ۱۹۳۳ء کو مکمل کی ۔ مگر یہ مثنوی طویل مدت کے بعد بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۶ء میں پہلی بار شائع ہوئی۔

حامد حسن قادری نے مثنوی کی ابتدا اپنے مرشد حاجی حافظ جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پور کی تعریف سے کی ہے۔ مثنوی نگار یعنی حامد حسن قادری سے ان کے مرشد نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی شہر میں وہ کسی بڑے افسر کے مہمان ہوئے جب وہ مسجد میں نماز کے لیے تشریف لے گئے تو انھوں نے امامِ مسجد کو قرآن کریم کی بے اکرامی کرتے ہوئے دیکھا انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ امام خود تو ممبر پر چڑھ کر خطبہ دے رہا ہے اور قرآن کریم ممبر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ مرشد نے امام کو نصیحت کی اور قرآن کی عظمت سے انہیں آگاہ کیا۔ اس مثنوی کا خاصا طویل حصہ قرآن کی اہمیت سے متعلق ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو:

''قبولیت اسی سے ہے نمازوں میں وظیفوں میں
یہی بندوں کو حق کا آخری پیغام رحمت ہے
اسی سے دین کی تکمیل ہے ، اتمام نعمت ہے
تصدق اس کے اوپر مال کیسا ، جانِ مومن ہے
یہی دولت ہے مومن کی یہی ایمانِ مومن ہے
سیاسی اس کے حرفوں کو سویدا قلب مومن کا
اسی سے نور ظلمت میں ہویدا قلب مومن کا
سفیدی اس کے کاغذ کی ہے اس کا نورِ پیشانی
اسی سے مطلع نورِ خدا ہے طور پیشانی
اسی کے حق میں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا بھی فرمایا
حفاظت کا بڑی تاکید سے وعدا بھی فرمایا''[1]

مثنوی کے دوسرے حصے میں امامِ مسجد حضرت کی قیام گاہ پر جاتا ہے اور انہیں منانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ اب اس کی روزی روٹی خطرے میں تھی۔ حضرت کے نہ ماننے پر وہ اور کئی مُلاؤں کو لے آتا ہے حضرت کی باتوں سے دیگر ملا بھی قائل ہو جاتے ہیں۔ اور امام کی ایک نہیں چلتی اب امام کچھ اور ترکیب سوچتا ہے کہ

---

[1] حامد حسن قادری، مثنوی نمونۂ عبرت، ص ۱۲، بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی ۲۰۰۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

وہ حضرت پر یہ الزام لگائے کہ انہوں نے شہر کے امام کی توہین کی اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اس الزام کے لیے وہ وکیل کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اُسے کوئی وکیل نہیں ملتا۔ آخر ایک فاسق وکیل اس کا ہم نوا بن جاتا ہے لیکن اس وکیل کی گفتگو ایک سکھ سے ہوتی ہے سکھ اس وکیل کو سمجھاتا ہے اور بات وکیل کی سمجھ میں آجاتی ہے اور وہ بھی امام کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جرم کا اقرار کرلے اور اس حرکت پر نادم ہو جائے لیکن وہ اپنی بات پر ڈٹا رہتا ہے کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ آخر کار امام کو محلے کے لوگ مسجد سے نکال دیتے ہیں۔ وہ گھر پہنچتا ہے اور اس بات پر اپنے بھائی کو چُھرے سے قتل کر دیتا ہے اس کی موت ہو جاتی ہے۔ پولیس آتی ہے اور اُسے گرفتار کر کے لے جاتی ہے۔ عدالت کی کاروائیوں کے بعد اسے چودہ برس کی قید ہو جاتی ہے۔ مصنف کا یہ خیال ہے کہ یہ قید اس کے لیے پھانسی سے بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوگی۔ آخر میں اس مثنوی کا خاتمہ شاعر اس نصیحت پر کرتا ہے کہ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی گندم بوئے اور جَو حاصل کرے۔

فنّی لحاظ سے حامد حسن قادری کی یہ مثنوی کچھ خاص نہیں ہے۔ البتہ اس کا قصّہ دل چسپ ہے اور اس سے حامد حسن قادری کے مذہبی رجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نعت:

نعت عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے لغوی معنی تعریف یا وصف بیان کرنے کے ہیں۔ عربی میں اس مقصد کے لیے مدح کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اس طرح کی شاعری کو عربی میں ''المدائح النبویہ'' کہتے ہیں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی منظوم مدح۔ فارسی لغت میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور آنحضرت ﷺ کی ثنا دونوں معنی میں ہے۔ محمد غیاث الدین ''غیاث اللغات'' کے ص ۸۱۷ پر نعت کے معنی یہ بتاتے ہیں:

''بالفتح تعریف و وصف کردن از منتخب اگرچہ لفظ نعت بمعنی مطلق وصف است لیکن اکثر استعمال این لفظ بمعنی مطلق ستایش و ثنائے رسول ﷺ آمدہ است بمعنی صیغہ اسم فاعل و اسم مفعول و صیغہ مشبہ نیز می آید''[۱]

خواجہ عبدالمجید ''جامع اللغات'' جلد دوم ص ۱۹۶۵ پر لکھتے ہیں:

''نعت (ع۔ مونث) صفت و ثنا تعریف مدح و ثنا۔ خصوصاً پیغمبر کی تعریف کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔''[۲]

نورالحسن نیر نے ''نوراللغات'' حصہ چہارم ص ۸۲۷ پر لفظ نعت کے یہ معنی بتاتے ہیں:

''... یہ لفظ بمعنی مطلق وصف ہے لیکن اس کا استعمال آنحضرت ﷺ کی ستائش و ثنا کے لیے مخصوص ہے۔ نعتیہ صفت وہ نظم جو نعت میں ہو۔''[۳]

عربی زبان میں لفظ نعت کے لغوی مفہوم سے بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں:

''نعت (ن ع ت) بالفتح (مؤنث) عربی زبان کا ایک مادہ ہے جو عام طور پر وصف کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ عربی نعت نگاروں کے خیالات کے مطالعہ سے لفظ نعت کے مفہوم کے بارے میں جو نمایاں تاثرات ابھرتے ہیں وہ اسے اپنے قبیل کے دوسرے الفاظ مثلاً وصف،

۱۔ محمد غیاث الدین، غیاث اللغات، ص ۸۱۷، کانپوری نظامی پریس ۱۲۹۲ھ

۲۔ خواجہ عبدالمجید، جامع اللغات، ص ۱۹۶۵، لاہور گنج شکر پرنٹرز، ۱۹۸۹ء

۳۔ نورالحسن نیر، نوراللغات، ص ۸۲۷، لکھنؤ اشاعت علوم پریس ۱۹۳۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

صفت، تعریف، ثنا، حمد اور منقبت وغیرہ سے منفرد اور ممتاز ٹھہراتے ہیں۔
ہم دیکھتے ہیں کہ ایک تو یہ لفظ خاص طور پر تعریف میں اوصاف حسنہ یا
وصف محمود کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ لفظ کسی شے یا
شخص کے محض سرسری اوصاف بیان کرنے کے لیے استعمال نہیں ہوتا
ہے بلکہ بہ تکلف عمدہ صفات دکھانے کا مفہوم اپنے اندر رکھتا ہے۔
... تیسرے یہ کہ یہ لفظ اس شخص کے لیے جو پیدائشی طور پر خوبصورت ہو
عمدہ خصلتوں اور اچھے اخلاق والا ہو۔ چوتھے یہ کہ یہ لفظ اوصاف کے
انتہائی درجے کے مفہوم میں آتا ہے۔'' [۱]

فرمان فتح پوری اپنی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' میں لکھتے ہیں:

''... اصولاً آنحضرت ﷺ کی مدح کے متعلق نثر اور نظم کے ہر
ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا لیکن اردو اور فارسی میں جب نعت کا لفظ
استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آنحضرتؐ کی منظوم مدح مراد
لی جاتی ہے۔'' [۲]

نعت لکھنا بہ ظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن اس موضوع کے تقاضوں سے عہد برآ ہونا آسان نہیں۔
منظور احمد مہجور کی کتاب ''بامِ عرش'' کے دیباچہ میں مجید احمد لکھتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی تعریف میں ذرا سی
لغزش نعت کو حدود کفر میں داخل کر سکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح
میں بدل سکتی ہے ذرا سا شاعرانہ غلو ضلالت کے زمرے میں آ سکتا ہے
ذرا سا عجز بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے۔'' [۳]

''لکھنؤ کا دبستان شاعری'' میں ابو اللیث صدیقی نعت کے موضوع کی نزاکتوں کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

---

[۱] ڈاکٹر ریاض مجید، نعت لغوی مفہوم، رسالہ نقوش (رسول نمبر)، جلد ۱۰، شمارہ ۱۳۰، ص ۱۲، لاہور ادارہ فروغ اردو، جنوری ۱۹۸۴ء

[۲] ڈاکٹر فرمان فتحپوری، اردو کی نعتیہ شاعری، ص ۲۱، آئینۂ ادب لاہور، ب ت

[۳] منظور احمد مہجور، بامِ عرش، ص ۴، دیباچہ، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، ب ت

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''نعت کے موضوع سے عہد برآ ہونا آسان نہیں۔... نعت گوئی کی فضا
جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔''[۱]

حضور اکرم ﷺ کے ذکر اور مدح میں لکھے گئے نعتیہ کلام کو بہ غور دیکھا جائے اور اس صنف کا اس کے تخلیقی پس منظر اور محرکات کے حوالے سے حقیقی تجزیہ کیا جائے تو دو واضح قسمیں نظر آتی ہیں، ایک رسمی نعت اور دوسری حقیقی نعت۔ پروفیسر سید رفیع الدین اشفاق نے اپنی کتاب ''اردو میں نعتیہ شاعری'' میں نعت گوئی کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

''ایک وہ نعت جو عقیدتاً، تبرکاً اور رسماً برائے نام لکھی گئی۔ دوسری
مقصدی نعت جو شعرا نے مستقلاً لکھیں اور تیسری قسم کو اصلاحی نعت قرار
دیں گے جو دراصل مقصدی نعت ہی کی ایک قسم ہے۔''[۲]

اردو کے نعت گو شاعروں میں قلی قطب شاہ، ملا وجہی، غواصی، ابن نشاطی، نصرتی، ولی دکنی، سراج اورنگ آبادی، سودا، نظیر اکبر آبادی، مولوی کرامت علی خاں، مومن، محسن کاکوروی، حالی، شبلی، احمد رضا خاں بریلوی، اقبال، امیر مینائی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ حامد حسن قادری نے بھی نعتیں لکھیں ہیں۔

''بیاضِ نعتیہ'' حامد حسن قادری کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب انھوں نے سینٹ جانس کالج آگرہ کے دورانِ ملازمت ۱۹۳۰ء میں مرتب کی اس کی پہلی اشاعت الناصر پرنٹرز کراچی سے ۱۹۹۶ء میں ہوئی۔ کتاب ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے دیباچہ میں یہ رباعی شامل ہے:

''دنیا میں رسول اور بھی لاکھ سہی
زیبا ہے مگر حضور کو تاج شہی
ہے خاتمۂ حسن عناصر ان پر
ہیں مصرع آخرِ اِس رباعی کے وہی''[۳]

اس کے علاوہ تذکرۂ شاہ امام، ذکر رسول ﷺ، نور اسلام، الہام کامل، سلام، صلوٰۃ وسلام، السلام علیکم یا امیر المومنین، غزلِ نعت، غزلِ نعتیہ ﷺ اور حالِ دل کے عنوانات سے لکھی گئی نظمیں توجہ طلب ہیں۔

۱۔ ابواللیث صدیقی، لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، ص ۵۴۴، اعلیٰ پرنٹنگ پریس، نئی دہلی، ۱۹۷۸ء

۲۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، اردو میں نعتیہ شاعری، ص ۵۹، کراچی اردو اکیڈمی، ۱۹۷۶ء

۳۔ حامد حسن قادری، بیاضِ نعتیہ، دیباچہ، کراچی الناصر پرنٹرس، ۱۹۹۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری نے فارسی کے ممتاز شاعر سعدی شیرازی کی مشہور عربی رباعی کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس کا نام ''نذر شاہ انام'' تجویز کیا ہے۔ اس رباعی کے متعلق سید شمیم احمد رسالہ ''ماہ نو'' سیرت رسول نمبر میں لکھتے ہیں:

''ان کا یہ شعر سب پر فوقیت رکھتا ہے

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ وآلہٖ

نعتیہ کلام میں اس سے بہتر نمونہ کہیں نہیں ملتا۔ حضرت سعدی نے اس میں وہ سب کچھ کہہ ڈالا ہے جو خود وہ اور دوسرے شعرا کافی زور دکھانے کے بعد طویل نظموں میں بھی نہ کہہ سکے تھے۔ دریا کو کوزے میں بند کرنے کی صحیح مثال صرف اس شعر پر صادق آتی ہے۔''[1]

شیخ سعدی شیرازی کی اس رباعی کا حامد حسن قادری نے اس طرح ترجمہ کیا ہے:

''وہی مصطفیٰ وہی مرتضیٰ
وہی مقتدیٰ وہی مہتدیٰ
وہی برگزیدہ و مجتبیٰ
وہ خدا رس اور خدا نما''[2]

ظاہر ہے حامد حسن قادری کے ترجمے میں وہ زور بیان نہیں ہے جو سعدی شیرازی کے یہاں موجود ہے۔ حامد حسن قادری کی ایک نعت شریف کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جب اس نے قرآن ہم کو دیا پروانہ غُفران ہم کو دیا
وہ گوہر ایمان ہم کو دیا جو غیرت کوہِ نور ہوا
انجیل میں جب تحریف ہوئی تورات میں جب تصحیف ہوئی

---

[1] سید شمیم احمد، ادب نبوی، رسالہ ماہِ نو، (سیرت رسول نمبر) ص ۴۴-۴۵، جلد ۱۷، شمارہ ۸، لاہور ادارۂ فروغ اردو، اگست ۱۹۶۴ء

[2] حامد حسن قادری، بیاضِ نعتیہ، ص ۳، کراچی الناصر پرنٹرس، ۱۹۹۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نازل یہ کتاب شریف ہوئی کیا فضلِ ربِّ غفور ہوا
قرآن کیا حق نے نازل ، سب شرک و کفر ہوا زائل
جاء الحق زھق الباطل (حق آیا ، باطل دور ہوا) [۱]

یہ نعتیہ غزل تیئس ۲۳/اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا عنوان ''نور السلام'' ہے اسے انھوں نے بڑودہ اسکول کے دورانِ ملازمت یعنی دسمبر ۱۹۱۵ء میں لکھا تھا۔ اس سے قبل یہ نعتیہ کلام رسالہ ''اخبار زمین دار'' لاہور میں شائع ہو چکا تھا۔

ایک اور نعت ''ذکر رسول'' کے عنوان سے حامد حسن قادری نے مخمس کے فارم میں لکھی ہے۔ یہ دس بندوں پر مشتمل ہے۔ اس میں آنحضرت ﷺ کی تعریف کچھ اس طرح کی گئی ہے:

''توحید ہو شائع دنیا میں جب حق کو یہ منظور ہوا
اک پاک بشر اک خاص نبی اس خدمت پر مامور ہوا
تثلیث کو باطل جس نے کیا ، توحید کو کامل جس نے کیا
ظلمت کو زائل جس نے کیا ، عالم جس سے پُرنور ہوا
دنیا کو بتوں نے گھیرا تھا ، سب نے حق سے منھ پھیرا تھا
شرک و بدعت کا اندھیرا تھا ، اس نور سے وہ کافور ہوا
پیدا ہوا آج اک فخرِ رُسل ، پیدا ہوا آج اک رہبر کل
جو سب کے لیے تھا شمع سُبل ، اس کا دنیا میں ظہور ہوا'' [۲]

''الہام کامل'' کے عنوان کے تحت انھوں نے چار غزلیں لکھی ہیں ۔ یہ نعتیہ غزلیں پندرہ اشعار پر مشتمل ہیں۔ ان غزلوں میں قرآن مجید اور انجیل کا ذکر کیا گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہو

''جس قدر ہیں ملک ہند ومصر و ایران و عرب
نور الہامی سے سارے رہ چکے ہیں مستنیر
وید اور توریت اور انجیل اور قرآنِ پاک
آسمانِ فیض قدرت کے ہیں سب بدرِ منیر

---

[۱] حامد حسن قادری، بیاضِ نعتیہ، ص ۱۵، کراچی الناصر پرنٹرس، ۱۹۹۶ء

[۲] ایضاً، ص ۱۳

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

شان اصلاح معاش و روح بہبود معاد
تھا اِنہیں باتوں سے اُن سارے صحیفوں کا خمیر'' [۱]

''السلام'' کے عنوان سے تین نعتیہ نظمیں ہیں۔ دو نظموں میں گیارہ اشعار اور تیسری نظم چودہ اشعار پر مشتمل ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''کون سی حُسن کی خوبی رخِ اصغر میں نہیں
تازگی کا ہے وہ عالم کہ گل تر میں نہیں
الفتِ آل عَبا مست کیے دیتی ہے
جو سرور اس میں ہے وہ بادۂ احمر میں نہیں
شاہ کا غم ہے محرم میں محیط عالم
نام تک بھی تو مسرّت کا کسی گھر میں نہیں'' [۲]

حامد حسن قادری نے اپنی نعتیہ غزل میں یہ نکتہ بھی پیش نظر رکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اوصاف کے ساتھ اخلاق کو بھی پیش کیا جائے۔ ان کی ایک نعت جو ''صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے ہے، مثلث کے فارم میں لکھی گئی ہے۔ یہ بیس بندوں پر مشتمل ہے:

''فخر رسل سردار دوعالم افضل اشرف افخم اقدم
صلی اللہ علیہ وسلم

نور ظہور ذات منور سب سے مقدم سب سے موخر
صلی اللہ علیہ وسلم

صاحبِ لولاک آیۂ رحمت ظلِ الٰہی سایۂ رحمت
صلی اللہ علیہ وسلم

کہتی ہے ان سے رحمتِ داور اِنَّـا اَعْـطَیْـنٰـک الـکـوثَـر
صلی اللہ علیہ وسلم'' [۳]

---

[۱] حامد حسن قادری، بیاضِ نعتیہ، ص ۱۷، کراچی الناصر پرنٹرس، ۱۹۹۶ء

[۲] ایضاً، ص ۲۱

[۳] ایضاً، ص ۳۸

Maulana Azad Library, Aligh Muslim University

حامد حسن قادری نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی شان میں بھی اشعار کہے ہیں۔ ''صلوٰۃ وسلام'' میں امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ یہ نظم ۳۷ اشعار پر مشتمل ہے ''السلام علیکم امیر المومنین'' کے عنوان سے انھوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شان میں اشعار کہے ہیں۔ یہ نظم ۲۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ نظم پہلی بار رسالہ ''پیشوا'' (فاروق نمبر) جولائی ۱۹۳۰ء سے شائع ہوئی۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''سلام حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روح پاک پر مدینہ طیبہ میں ہر روز ہر نماز کے بعد سیکڑوں حاضرین اور ہر سال حج و زیارت کے موسم میں لاکھوں زائرین پڑھتے ہیں۔ . . . میں بھی ایک سلام ان کی روح پر فتوح کی خدمت میں ہدیہ بھیجتا ہوں۔ میں بھی حضرت امیر المومنین کی اولاد میں شامل ہونے کا فخر رکھتا ہوں۔''[۱]

اس کتاب میں ''غزل نعت'' کے عنوان سے دو نظمیں شامل ہیں۔ پہلی نظم ۱۲/ اور دوسری نظم ۲۱/ اشعار پر مشتمل ہے۔ ان نظموں میں بھی ۱۲ ربیع الاول کا ہی ذکر ہے۔

اس کتاب کا آخری نعتیہ کلام ''حالِ دل'' کے عنوان سے ہے۔ یہ نظم مسدس کے فارم میں لکھی گئی ہے، یہ بیس بندوں پر مشتمل ہے۔ ہر بند میں رسول ﷺ کے افعال و کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے:

''آخر وہ دن آئیں گے ہم بھی طیبہ جائیں گے
در پہ سر کو جھکائیں گے دل کا حال سنائیں گے
وہ دن آئیں گے
وہ دن آئیں گے

---

[۱] حامد حسن قادری، بیاضِ نعتیہ، ص ۲۷، کراچی الناصر پرنٹرس، ۱۹۹۶ء

''وقت سَحر کا پھر وہ سماں چار طرف لحنِ قرآں
نور کا عالم ہوگا عیاں کیف کے بادل چھائیں گے
وہ دن آئیں گے
وہ دن آئیں گے''[۱]

حامد حسن قادری کی نعتیہ شاعری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ سنی اور بریلوی عقیدے کے مسلمان تھے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل بیت سے بھی محبت رکھتے تھے۔ موصوف کی مذہبی شاعری میں فنی پختگی موجود ہے لیکن زیادہ تر انھوں نے چند مسلمہ خیالات ہی کی تکرار کی ہے۔ جہاں کہیں انھوں نے شاعرانہ تخیل سے کام لیا ہے وہاں نعتیہ اشعار پُرکشش ہوگئے ہیں۔

۱۔ حامد حسن قادری، بیاضِ نعتیہ، ص ۵۳، کراچی الناصر پرنٹرس، ۱۹۹۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

فنِ تاریخ گوئی:

فنِ تاریخ گوئی کا شمار علم بدیع کی لفظی صنعتوں میں کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سرور اکبرآبادی نے اپنی کتاب ''حامد حسن قادری: ادبی کارنامے میں اس کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

> ''مؤرخینِ ادب کے نزدیک تاریخ ایسی لفظی صنعت ہے جس میں کوئی حدیث، آیت، مصرعہ یا شعر کسی بات و واقعہ کے حدوث پر بہ حساب جمل قرار پائی جائے۔ یعنی اس کے لفظ کے اعداد کے مجموعے سے بہ حساب ''ابجد'' اس واقعے یا حادثے کا سَن معلوم ہو سکے۔''[۱]

اردو کے ادبی سرمایہ میں عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی تاریخیں ملتی ہیں۔ ان میں زبان اور بیان دونوں کا حسن ہے۔ جب سیدھے سادے الفاظ میں تاریخ لکھی جاتی ہے تو اسے تاریخِ ملفوظی کہتے ہیں۔ اس میں ابجد کے حرف کے اعتبار سے اعداد شمار نہیں کیے جاتے بلکہ صاف عبارت میں سال مطلوبہ کو نظم کرتے ہیں۔ عام طور پر بہ حساب جمل یا زبر تاریخیں کہی گئی ہیں۔ اس کو حساب جمل یا قاعدہ زبر بھی کہتے ہیں۔ اس میں تاریخ بہ حساب حروف ابجد نکالی جاتی ہے۔ جس کا نقشہ یہ ہے:

الفاظ	ابجد				ہوّز			حُطّی			کلمن				سعفص			
حروف	ا	ب	ج	د	ھ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص
اعداد	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰

الفاظ	قرشت				ثخذ			ضظغ		
حروف	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
اعداد	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

تاریخ گوئی کی سات قسمیں ہیں۔ تاریخ صوری، تاریخ معنوی، تاریخ جامع، تاریخ مفرد، تاریخ مرکب، تاریخ منثور اور تاریخ منظوم۔

تاریخ صوری: صوری عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی منسوب بہ صورت یعنی ظاہر کے ہیں۔ اس

---

[۱] سرور اکبرآبادی، حامد حسن قادری: ادبی کارنامے، ص ۲۱۲، گنج شکر پرنٹرس، اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۹۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تاریخ میں اعداد کا شمار کیے بغیر کسی حادثے یا واقعہ کی تاریخ صاف الفاظ میں بیان کردی جاتی ہے۔ تاریخ صوری میں الفاظ کے ذریعہ ہجری اور سنہ عیسوی نکالی جاتی ہے۔

تاریخ معنوی: فن تاریخ گوئی میں معنوی وہ تاریخ ہے جس کے مادہ تاریخ کے اعداد جمل کے مجموعے سے سنہ مطلوبہ حاصل ہو۔ عام طور پر تاریخ کی یہی شکل رائج ہے۔

تاریخ جامع: یہ تاریخ کی ایسی قسم ہے جو تاریخ صوری اور معنوی دونوں سے مل کر بنتی ہے۔ اس قسم کی تاریخ سے الفاظ سے تو سنہ ظاہر ہوتا ہی ہے، حروف کے اعداد کے مجموعہ سے بھی وہی سنہ نکلتا ہے جو شاعر الفاظ سے ظاہر کرتا ہے۔

تاریخ مفرد: وہ ہے جو کسی ایک حرف کے عدد جمل سے حاصل ہوتا ہے۔

تاریخ مرکب: ایسی تاریخ جو کئی لفظوں سے حاصل ہو۔

تاریخ منثور: وہ تاریخ جو ایک یا اس سے زیادہ جملوں اور فقروں سے حاصل کی گئی ہو۔

تاریخ منظوم: وہ تاریخ جو ایک مصرع یا جز و مصرع یا شعرِ سالم سے اخذ کی گئی ہو۔

حامد حسن قادری کے تاریخی قطعات تاریخِ منظوم کے ذیل میں آتے ہیں۔ ان کے مجموعۂ قطعات چھ ہیں۔ جن کے نام دفتر التواریخ، میزان التواریخ، مجمع الکرامات، جامع التواریخ، آثار التواریخ اور سفینۂ تواریخ ہیں۔ حامد حسن قادری کی تاریخ گوئی کے سلسلے میں عبداللطیف خاں کشتہ نے لکھا ہے کہ:

> ''تاریخ گوئی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے تاریخی مادے نکالتے اور قطعات یا شعر تاریخ تصنیف کرتے رہتے اور عجیب عجیب جدتیں برتتے تھے اور ہر تاریخ رواں، برجستہ، معنی خیز ہوتی تھی۔''[۱]

مظہر جلیل شوق قدوائی اپنے مضمون ''تاریخ قبلہ گاہی ۱۳۱۴ھ'' میں لکھتے ہیں:

> ''استخراج مادۂ تاریخ ان کا صرف ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔[۲]

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ حامد حسن قادری کے تاریخی قطعات کا پہلا مجموعہ ''دفتر تواریخ'' ہے۔

۱۔ عبداللطیف خاں کشتہ، حامد حسن قادری، رسالہ اردو نامہ، ص ۱۷، شمارہ ۱۹، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء

۲۔ مظہر خلیل شوق قدوائی، حامد حسن قادری، رسالہ اردو نامہ، ص ۲۶، شمارہ ۱۹، کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

یہ کتاب پہلی بار لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں ۱۹۰۱ سے لے کر ۱۹۳۵ء کے درمیان کے تاریخی قطعات ہیں ۔ یہ کتاب ۲۲۸ صفحات اور نو سو قطعات پر مشتمل ہے ۔ جس میں ۴۵۳ منظوم قطعات اور ۴۴۷ قرآن مجید کے آیات سے نکالی گئی تاریخیں ہیں۔ تاریخیں عام طور پر مطلق ہیں یعنی اُن کے مصرعوں میں کوئی حذف اضافہ کیے بغیر تاریخ کا علم ہوتا ہے۔ اس کے کتاب میں شامل تاریخوں کے بعض عنوانات اس طرح ہیں۔ تاریخِ عیدالاضحیٰ، تاریخِ پتلون، تاریخِ حج، تاریخِ کبوتر، تاریخِ امتحان، تاریخِ شفا اور تاریخِ اکبر وغیرہ۔ تاریخِ مطلق کے متعلق ڈاکٹر ابو محمد سحر اپنی کتاب ''مطالعۂ امیر'' ص ۳۵۴ پر لکھتے ہیں:

> ''تاریخ معنوی جس سے ہمیں سروکار ہے، کہنے کے دو طریقے ہیں، ایک مطلق اور دوسرا تعمیہ۔ مطلق سے تاریخ کا وہ طریقہ مراد ہوتا ہے جس میں کسی مصرع یا فقرہ کے حروف سے بغیر کچھ گھٹائے یا بڑھائے سالِ تاریخ نکل آئے۔ اس کے برعکس تعمیہ کے طریقے میں سالِ تاریخ حاصل کرنے کے لیے کسی حرف یا فقرے کے اعداد بڑھانے یا گھٹانے کی ضرورت پڑتی ہے۔''[۱]

حامد حسن قادری کے قطعات کا دوسرا مجموعہ میزان التواریخ ہے۔ اس میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۵ء کے درمیان کہے گئے قطعات شامل ہیں۔ اس کا پہلا ایڈیشن بھارت آفسٹ پریس، نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب ۵۳۵ قطعات اور ۱۵۴ صفحات پر مشتمل ہے ۔ مختصر قطعات ۱۷۵ اور طویل اشعار پر مشتمل قطعات ۳۶۰ ہیں۔ اس مجموعے میں شامل قطعات کے عنوانات اس طرح ہیں: ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (سابق صدر جمہوریہ ہند)، تاریخ ڈاکٹری اور تاریخ ریڈری خواجہ احمد فاروقی، تاریخ یادگار اکبرالہ آبادی اور تاریخ ڈاکٹری عبادت بریلوی بفرمائش خواجہ احمد فاروقی وغیرہ۔

حامد حسن قادری کا تیسرا مجموعہ ''جامع التواریخ'' ہے۔ یہ پہلی بار قادری اکیڈمی کراچی سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ دوسری اشاعت لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ہوئی ۔ یہ کتاب ۱۴۳ صفحات اور ۲۰۷ تاریخی قطعات پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب میں حامد حسن قادری نے تاریخ گوئی کی ایک قسم کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں مادہ تاریخ کے الفاظ کے ابتدائی حرف یا درمیانی حروف یا آخری حروف کے اعداد لیتے ہیں۔ اسے صنعتِ زُبرونبیات کہتے ہیں۔

---

[۱] ابو محمد سحر، مطالعۂ میر، ص ۳۵۴، (طبع اول) نسیم بکڈپو لکھنؤ ۱۹۶۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

(۱)

دِل ہی کیا ساتھ گیا تیرے سعید احمد آہ — دوستوں کے نہ رہے ہوش بجا تیرے بعد
سوگوار انجمن و مدرسہ و کالج ہیں! — علم و تعلیم ہے اور شغلِ بُکا تیرے بعد
عشقِ دیں، عشقِ ادب، عشقِ خدا، عشقِ رسولؐ — یادگار اب یہ تیرا عشق رہا تیرے بعد
''دودِ آہ'' آئے نکل میں جو یہ تاریخ کہوں — شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد
۲۰ — ۱۹۶۶ - ۲۰ = ۱۹۴۶ء
''منصب صبر و رضا کے کوئی قابل نہ رہا'' — یہ اک مصرعِ تاریخ سنا تیرے بعد
۱۹۴۶ء
قادری نے بھی یہ تاریخ کہی ''آہ'' کے ساتھ — آج ہے تعزیتِ مہر و وفا تیرے بعد[1]
۱۹۴۰ + ۶ = ۱۹۴۶ء

(۲)

''آج آگرہ پہ جو ابرِ غم چھایا ہے — اک صاحبِ دل نے پردہ فرمایا ہے
مرقد پہ منشی سعید احمد کے — لکھ دو کہ وصالِ ذات ''حق پایا ہے''
۱۳۶۵ھ
سعید احمد نیک دل پاک سیرت — سپہر کرامت کے تھے نجم ثاقب
یہ ہیں ہجری و عیسوی سال رحلت — کرم شیوہ ، ذی شان عالی مناقب[2]
۵۸۱ + ۱۳۶۵ھ
۱۹۴۶ء

انھوں نے حکیم 'مومن خاں مومن' حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی، محسن کاکوروی اور حضرت سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبرآبادی کی تاریخیں اِسی انداز میں نکالی ہیں:

''دے گیا داغ جدائی آخر — وہ معظم و مکرم سیماب
فخر علم و ادب استادِ زبان — فن کے اسرار کا محرم سیماب
وہ مصنف ، وہ سخنور، وہ مدیر — بانی شاعر و پرچم سیماب

---

[1] حامد حسن قادری، جامع التواریخ، ص ۲۶-۲۷، نئی دہلی لبرٹی آرٹ پریس ۱۹۹۹ء

[2] ایضاً، ص ۲۶-۲۷

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

صاحبِ وحی کے اب قرب میں ہے چھوڑ کر وحی مترجم سیماب
قادری لکھ دو یہ تاریخِ وفات ''نہ رہا شاعرِ اعظم سیماب''[۱]
۱۹۵۱ء

ان کے قطعاتِ تاریخ کا چوتھا مجموعہ ''آثار التواریخ'' کے نام سے ہے۔ اس مجموعے کی پہلی اشاعت بکس انٹرنیشنل لندن سے ۱۹۹۹ء میں ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن قادری اکیڈمی کراچی سے شائع ہوا۔ یہ ایک سو اسّی صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں ۲۰۶ قطعاتِ تاریخ ہیں۔ زیادہ تر تاریخیں ولادت اور وفات کی ہیں۔ حامد حسن قادری نے اپنے خالہ زاد بھائی محمد عظیم الحق جنیدی کی ولادت کی یہ تاریخ نکالی ہے۔

''وَاجْعَلَهُ رَبِّ رَضِيًّا (۱۳۲۸ھ)''[۲]

یہ وہ دعا ہے جو حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لیے بارگاہِ خداوندی میں کی تھی، اسی طرح انھوں نے خواجہ الطاف حسین حالی، سرسید احمد خان، علامہ اقبال وغیرہ کے لیے سورہ یاسین شریف کی ایک آیت سے تاریخ وفات نکالی ہے۔ راقمہ کو رسالہ ''ادیب'' فروری ۱۹۴۲ء کے شمارے سے قرآن مجید کے آیات سے نکالی گئی تاریخیں دستیاب ہوئی ہیں۔ چوں کہ یہ تاریخیں کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں، اس لیے انھیں یہاں درج کرنا مناسب سمجھتی ہوں۔ قرآن مجید سے نکالی ہوئی تاریخیں ملاحظہ ہوں:

''سرسید احمد خاں کی ایک تاریخ وفات: اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ (۱۳۱۵ھ)

سرسید کی دوسری تاریخ وفات: اِنِّیْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ (۱۳۱۵ھ)

تاریخِ وفات حضرت امیر مینائی لکھنوی: وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ (۱۹۰۰ء)

تاریخِ وفات حضرت داغ دہلوی: اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (۱۳۳۰ھ) سورہ بقرہ رکوع ۱۶

تاریخِ وفات نواب محسن الملک: اُولٰئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا (۱۳۲۵ھ) سورہ مومن

تاریخِ وفات مولوی ذکاء اللہ دہلوی: وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ (۱۳۴۸ھ)

تاریخِ وفاتِ مولانا حالی: فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ۔ (۱۹۱۴ء) سورۃ یٰسین

تاریخِ وفات حضرت اکبر الہ آبادی: اِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ (۱۹۲۲ء)

---

[۱] ڈاکٹر سرور اکبر آبادی، حامد حسن قادری: ادبی کارنامے، ص ۲۴۱، گنج شکر پرنٹنگ پریس کراچی، اردو اکیڈمی ۱۹۹۹ء

[۲] حامد حسن قادری، دفتر التواریخ، ص ۱۴۵، نئی دہلی لبرٹی آرٹ پریس، ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تاریخ وفات حکیم اجمل خاں صاحب: رَبَّنَا وَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا (۱۹۲۷ء)

تاریخ وفات ڈاکٹر اقبال: لَذَّةً لِلشّٰرِبِیْنَ ۔(۱۳۵۷ھ)

تاریخ وفات علامہ شبلی نعمانی: لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا (۱۹۱۴ء) سورہ نحل [۱]

ان کے تاریخی قطعات کا پانچواں مجموعہ سفینۂ تاریخ ہے۔ یہ پہلی بار بکس انٹرنیشنل لندن سے شائع ہوا اور اس کی دوسری اشاعت لبرٹی آرٹ پریس مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی سے ۲۰۰۰ء ہوئی۔ یہ کتاب ۱۶۸ صفحات اور دوسو اکتیس قطعات پر مشتمل ہے۔ عام طور پر حامد حسن قادری کے قطعات میں دو چار اشعار ہی ہوتے ہیں۔ مگر اس کتاب کے زیادہ تر تاریخی قطعات طویل ہیں۔ ان قطعات میں انھوں نے اپنے تاثرات بھی پیش کیے ہیں۔ مثلاً ''کراچی اور ہم''۔ یہ تاریخی قطعہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے پہلے حصّے میں کراچی کا ذکر ہے جو کہ ۵۱/ اشعار پر مشتمل ہے، دوسرے حصّے میں شاعر یعنی حامد حسن قادری خود سے مخاطب ہیں۔ یہ حصہ ۶۳ اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جب سے آئے ہیں ہم کراچی میں
یہ مسلسل ہے غم کراچی میں
کہ یہاں گو ہیں بے شمار عزیز
ان سے ملنا مگر ہے مشکل چیز
کتنے شاگرد ، کس قدر احباب
جن کا ممکن نہیں حصار و حساب
لیکن اس بات سے ہے مجبوری
بہت ان میں 'ہم میں' ہے دوری [۲]

.....

جب گئے صبح اور آئے شام
ایک دن ہوگیا اسی میں تمام

---

[۱] حامد حسن قادری، قرآن مجید سے تاریخیں، رسالہ ادیب، ص ۱۹-۲۱ جلد ۲، شمارہ ۴، دیال پرنٹنگ پریس دہلی، فروری ۱۹۴۲ء

[۲] حامد حسن قادری، سفینۂ تواریخ، ص ۱۰۰، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی ۲۰۰۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

گر طنابین زمین کی کھچ جائیں
آنے جانے کے سب یہ ہچ جائیں
ہوگئی یہ بھی ایک دل کی چیخ
قادری کہہ دو اس کی اب تاریخ
سحرو شام آنے جانے کے ۷۷۰
اتفاقات ہیں زمانے کے ۱۱۸۶
۱۹۵۶ء [1]

''مجمع الکرامات'' حامد حسن قادری کے تاریخی قطعات کا آخری یعنی چھٹا مجموعہ ہے۔ یہ پہلی بار بکس انٹرنیشنل لندن برطانیہ سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا اور اس کا دوسرا ایڈیشن لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں منظر عام پر آیا۔ اس کتاب کے متعلق اپنے خط کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''رامپور کے ایک بزرگ کی فرمائش سے ایک قلمی نادر کتاب کا فارسی سے اردو ترجمہ میں نے اپنے ذمے لیا ہے، اولیاء اللہ کے حالات کی کتاب ہے اس لیے باعث سعادت و برکت خدمت کر رہا ہوں۔

یہ فارسی کتاب مجمع الکرامات مولفہ مولوی امام الدین صاحب رام پوری ہے۔ اس کتاب میں اولیائے نقشبند حضرات حافظ شاہ جمال اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ درگاہی محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و کرامات ہیں۔ یہ بالکل نادر تھی اور اردو میں اس کا ترجمہ نہ ہوا تھا۔ شاہ درگاہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین سید شہزاد میاں صاحب نے فرمائش کی اور دس ماہ میں اس کا ترجمہ مکمل کیا اور تاریخی قطعات میں ہی مکمل دیباچہ تحریر فرمادیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا کاتب بائیں ہاتھ سے لکھتا تھا، اس کی تاریخ بھی درج فرمادی:

دست چپ سے خوب کاتب نے لکھی
خوب ہے پختہ کتابت کا قلم
جب ہوا اس پر سرحیرت نگوں
سال نکلا - ''خوش نویس چپ رقم'' [1]
۸ + ۱۳۷۷ = ۱۳۶۹ھ

---

[1] حامد حسن قادری، سفینۂ تواریخ، ص ۱۱۰، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی ۲۰۰۰ء

[1] حامد حسن قادری، مکتوباتِ قادری، ص ۱۲۷، لاہور، نگارشات پبلشر، ۱۹۹۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ان مجموعوں میں شامل قطعاتِ تاریخ کے علاوہ رسالہ عصمت، عالم گیر، الناظر اور آج کل سے بھی ان کے قطعاتِ تاریخ راقمہ کو دستیاب ہوئے ہیں۔ قطعات ملاحظہ ہوں:

تاریخ وفات علامہ راشد الخیری دہلوی

قطعہ

۱

برفت آن تربیت گاہِ قومِ رابانی — کہ بودا حیائے تعلیم نساء ہند را حامی
زتصنیفات بودش مدّعا تازندگی یابد — روایاتِ قدیم ملّتِ بیضائے اِسلامی
زبان وکلک وعلم وفضل و مال وزر کہ بودا ورا — ہمیشہ ساخت وقفِ مقصدِ اصلاحِ ہر خامی
خلوص و ہمت مردانہ بنیاد عمل بودش — برآمد آرزوئے دل، ندیدہ روے ناکامی
بذات اوست فخرِ دہلی وہم فخرِ ہندوستاں — درانشا بود آں علاّہ چوں بو الفضل علاّمی

اگر پُرسد کسے سال وصال راشد الخیری
بگو حامد، ''بجنت رفت ادیبے کامل نامی''
۵۴ ۱۳

۲

کوئی لکھ سکتا نہیں اب ایسی انشائے لطیف — جس قدر اس فن میں کامل راشد الخیری ہوئے
منزل دنیا سے گذرے وہ، لکھو سالِ وفات — ''منزل جنت'' میں داخل راشد الخیری ہوئے
۵۸۰ + ۱۳۵۶
۱۹۳۶

۳

یہ کیا غضب ہے الٰہی، ترا فرشتۂ موت — رہا ہے اچھے ہی اچھوں کی جان کا بیری
اگر وہ اور بھی دو سال جی گئے ہوتے — تو ہوتی نام سے تاریخ راشد الخیری
۱۳۵۶
۲
۱۳۵۴[1]

---

[1] حامد حسن قادری، ''تاریخ وفات علامہ راشد الخیری دہلوی''، رسالہ عصمت، ص ۲۶۲، جلد ۵۶، شمارہ ۳، دہلی مارچ ۱۹۳۶ء

منشی محمد الدین فوق مرحوم

آہ منشی محمد الدین فوق برجگرہا نشاند داغِ وفات
بود صاحبِ نظر ادیبِ شہیر شاعر وبذلہ سنج و خوش اوقات
درفنونِ صحافت و تاریخ فکر اوہم کمال را ہرآت
دل پنجاب وروح کشمیر است مضطرب از وفاتِ غم آیات
قادری سالِ رحلت مرحوم گفتہ ام ''بادفیض یاب نجات''
۱۳۶۴ھ

قلت تاریخ فوتہٖ ایضاً

مطمئن الخلود فی جنّات
۱۳۶۴ھ

دیگر

آنکہ شد عشقِ محمدؐ دین وہم ایمان او
فوق بود وفائقان دہر را سر آمدہ
چوں جنت رفت گفتا قادری سال وفات
فخر اہل دانشِ پنجاب و کشمیر آمدہ[۱]
۱۹۴۵ء

۱؎ حامد حسن قادری، قطعاتِ تاریخ: منشی محمد دین فوق، رسالہ عالمگیر، ص ۲۴، جلد ۴۳، شمارہ ۶، نومبر ۱۹۴۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تاریخہائے الم رحلت

۱۹۳۶ء

برسنگ مزار مولوی نورالحسن صاحب علوی کاکوروی

۱۳۵۵ھ

ابن محسن عالم جناب مولوی محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۵۵ھ

اُدْخُلِی فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ

۱۹۳۶ء

۱

بجنت مولوی نور الحسن رفت — دُریکتا زگنج علم شد گُم
براخلاق نکویش فخر مابود — چوناز آسماں برماہ وانجم
دل اہل نظر راچوں سویدا — بہ چشم ال دل مانند مردم
رقم سال وفاتش کرد حامد — کہ نیر داخل فردوس ہشتم

۱۰۹۵ + ۲۶۰
۱۳۵۵ھ

۲

ایسا صدمہ ہے وفات مولوی نور الحسن — کب چھپائے سے ترے اے دیدۂ پُرنم چھپا
لوحِ تربت کے لیے حامد ہے تاریخِ وفات — آج کیا اوج ادب کا نیر اعظم چھپا

۱۳۵۵ھ [1]

---

[1] حامد حسن قادری، تاریخ ہائے الم رحلت، رسالہ الناظر، ص ۷۹، جلد ۴۳، شمارہ ۴، مارچ-اپریل ۱۹۳۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تواریخ انتقال اندوہناک
۱۹۳۶
برائے
مزار افصح الکلام اصغر گونڈوی
۱۹۳۶

آہ شیریں بیان اصغر آہ
۱۹۳۶

(۱)

گئے دارِ فنا سے جانبِ باغ جناں اصغر — ادیب ملک اصغر، ناثر شیوا بیاں اصغر
انھیں حاصل تھا حامد معجز کلامی کا — لکھو تاریخ رحلت، ''شاعر جادو بیاں اصغر''
۱۹۳۶ء

(۲)

صاحب دل خدادوست اصغر حسین گونڈا — دائم بظلّ لطف داور بخلد بادا
چوں راہی جناں شد، کلک حامد — سالش دروے الہام، ''اصغر بخلد بادا''
۱۹۳۶ء

(۳)

حضرت اصغر حسین گونڈوی — شعر میں رکھتے تھے کیا دل کی نگاہ
ان کی تصنیفاتِ نثر و نظم میں — آسمان علم وفن کے مہر وماہ
حامد ان کی قبر پر سالِ وفات
لکھ ''منور قبر اصغر یا الٰہ''
۱۹۳۶

(۴)

جو سوز و درد و اثر تھا کلامِ اصغر میں — وہ فنِ شعر میں ہے نادر ولطیف و عجیب
جگر کے دل سے وہ پوچھو مری زباں سے سنو — نیاز اور یگانہ کو کب ہوا ہے نصیب
یہ سال رحلت اصغر لکھا ہے حامد نے
کہ ''آہ شاعر و نقاد ونکتہ سنج و ادیب''[1]
۱۳۵۵ھ

---

[1] حامد حسن قادری، تواریخ انتقال اندوہناک، رسالہ الناظر، ص ۵۸، جلد ۴۳، شمارہ ۲، فروری ۱۹۳۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تاریخ خوابِ عدم
۱۹۳۴ء

''لسان الملک خیام العصر شیریں زباں'' ''فصیح زماں جناب ریاض''
۱۹۳۴ ۱۳۵۳

(۱)

لحد ریاض احمد خیرآبادی
۱۹۳۴

(۲)

تغزّل کے خاتم تھے بے شک ریاض ہوا ختم بس اب یہ بابِ سخن
غزل سے گئی رندی وعاشقی اُنھی تک تھی سب آب و تابِ سخن
جوانی میں کیا کیا نہ ہوگی بہارا جو پیری میں تھا یہ شبابِ سخن
یہ حامد نے تاریخِ رحلت کہی
کہ بے کیف ہے اب شرابِ سخن
۱۳۵۳

(۳)

کیا حشر ہو عمارتِ شعر وسخن کا اب جب تک ریاض کا تھا سہارا گری نہیں
تاریخِ انتقال دلِ زار سے ہوئی ہے یوں کہ جب ریاض نہیں، شاعری نہیں
۱۳۳۴

(۴)

ریاض خیرآبادی نرفتہ است کہ رفتہ است از غزل آں رنگ و بوے
رقم زد سال رحلت کلک حامد ادیب خوش بیان وشوخ گوے[۱]
۱۹۳۴

---

[۱] حامد حسن قادری، تاریخِ خوابِ عدم، رسالہ الناظر، ص ۵۱، جلد ۳۸، شمارہ ۱۰، اکتوبر ۱۹۳۴ء

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

تواریخ وفاتِ مولانا حسرت موہانی

(۱)

حسرت شیدائے ملک ، ہر دل کو حبیب — اک شاعر و نکتہ سنج ونقاد وادیب
۱۳۷۰ھ — ۱۳۷۰ھ

یارب گلزارِ خلد حسرت کو نصیب — ہو اوجِ شرف شفیعِ محشر کے قریب
۱۹۵۱ء — ۱۹۵۱ء

(۲)

اللہ باقی باقی فانی — موت حقیقت ، زیست کہانی
جیسی دولت ، ویسی ہستی — دھوپ اور چھاؤں ، آنی جانی
نقش بر آب اس کو بھی سمجھو — آخر زیرِ زمیں ہے پانی
لیکن جس کی یاد ہے باقی — اس کی ہستی جاودانی
ایسے ہی تھے مولانا حسرت — فخرِ بنی نوعِ انسانی
عزم میں پتھر، عجز میں مٹی — جوش میں آگ ، اخلاق میں پانی
شاعر ایسے نقاد ایسے — بس ختم اُن پر سحر بیانی
لُطف، مزہ ، تاثیر اور جادو — نشہ فزائی، بادہ چکانی
لوچ، لچک، نرمی، شیرینی — شبنم ریزی ، گل افشانی
اس کے آگے نام اللہ کا — اُن کا تغزل وہ لاثانی
بات یہی ہے ، سب نے سُن لی — اپنی کہانی ، اُن کی زبانی
باب میں وہ لذّت تھی کہ سب نے — اپنے دل کی بات ہی جانی
ملک کے شیدا، قوم کے خادم — پیری اُن کی رشکِ جوانی
ایسے صفا آئیں ، روشن دل — دن سے بڑھ کر شب نورانی
قادری ان کی مدح ہے مشکل — ان پر ہو فضلِ یزدانی
پورے شعر میں نکلے تاریخ — رہ جائے تیری یہ نشانی

سچّے لیڈر ، ناقد شاعر ۱۰۴۳
مولانا حسرت موہانی ۹۰۸
۱۹۵۱ء [۱]

---

[۱] حامد حسن قادری، تاریخِ وفات مولانا حسرت موہانی، رسالہ آج کل، ص ۶، جلد ۹، شمارہ ۱۲، جولائی ۱۹۵۱ء

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

شغلِ بُکا
۱۳۵۳

قطعاتِ تاریخ وفاتِ ناگہانی مولوی عبدالعزیز فرزند یگانہ مولٰنا حافظ محمد ابوالشرف صاحب مجددی مہاجر مکی خلف الرشید سجادہ نشین حضرت شاہ محمد معصوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ثم رامپوری ثم مہاجر مدنی و مدفوم مکی:

مرحوم عبدالعزیز مولٰنا ابوالشرف صاحب عرف اچھن صاحب کا اکلوتا جوان بیٹا تھا۔ چار سال ہوئے مکہ مکرمہ سے ہندوستان آیا تھا، ریاست رامپور میں اپنے چچا مولوی ابوطاہر صاحب عرف ابن صاحب کے ہاں رہتا تھا۔ اُن کی لڑکی سے اس کی شادی ہونے والی تھی، سب تیاریاں ہوگئی تھیں کہ یکا یک ۱۲؍محرم ۱۳۵۳ھ کو رام پور میں انتقال کیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(۱)

چھائی ہے یہ مردنی سی کیسی — کیا سانحہ آج ہوگیا ہے
آیا ہے شرف کے پاس جو آج — آنکھوں سے لہو وہ روگیا ہے
آیا ہے جو مضطرب ہوا ہے — بیتاب گیا ہے جو گیا ہے
کیا کہیے کہ کون بحرِ غم میں — کشتی شرف ڈوب گیا ہے
فرزندِ عزیز خلد پہنچا — وہ سمجھے تھے ہند کو گیا ہے
دولھا بننے کو تھا جو تیار — آغوشِ اجل میں سوگیا ہے
کیا دل پہ چھری چلاگیا ہے — کیا نشترِ غم چبھو گیا ہے
دریا دریا رُلا گیاہے — دامن دامن بھگو گیا ہے
سب چین دلوں کا لے گیا ہے — سب دفترِ عیش دھوگیا ہے
گرم اشک ہیں اب تو سرد آہیں — دل میں وہ انھیں سموگیا ہے
تھمتی نہیں آنسوؤں کی لڑیاں — موتی یہ وہی پروگیا ہے
اب دل میں کہاں پتہ ملے گا — ساتھ اُس کے ہی صبر تو گیا ہے

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

روشن تھی جو شمع بُجھ گئی ہے — نادر تھا جو لعل، کھوگیا ہے
آتا ہے وہ بار بار دل میں — آنے کو نہیں وہ گو گیا ہے
پائے وہ بہشت میں پھل اُس کا — نیکی کا جو بیج بوگیا ہے
مغفور ہو وہ کہ ساتھ اس کے — اُس کا عملِ نکو گیا ہے
تھا ذکر کہ اب نہ آئے گا ہاتھ — جو ہاتھ سے دوستو گیا ہے
کیا شاہدِ خوبرو اُٹھا ہے — کیا عاقلِ نکتہ گو گیا ہے
اُٹھ کر کہی ایک نے یہ تاریخ — ''کیا چاند غروب ہوگیا ہے''

۱۳۵۳ھ

(۲)

شرف جہاں سے گزر جائے جب جواں بیٹا — سیاہ کیوں نہ ہو آنکھوں میں پھر جہاں کی فضا
یہ سال مرگ سناتا ہے حامد غمگیں — کہ اور کچھ نہیں چارہ بجز رضا بقضا
ہوئے عزیز کے جانے سے آہ بے سروپا — شباب وحسن ووفا، فقرو دین ورشد ورضا

۱۳۵۳ھ

(۳)

پہلو سے شرف عزیز محبوب گیا — وہ طالب حق تھا، سوے مطلوب گیا
ٹوٹا دل زار تو یہ نکلی تاریخ — وہ ماہ ہوا غروب دل ڈوب گیا

۱۳۵۳ھ

(۴)

وہی مادۂ تاریخ بغیر تجزیہ

یہ حوصلہ تھا شرف کا کہ سن کے مرگ پسر — کہا یہی تھی رضائے خدا تو خوب ہوا
گو مجھے ہے وہ صدمہ کہ میں نے سالِ وفات — کہا کہ، ڈوب گیا دل وہ مہ غروب ہوا[۱]

۱۳۵۳ھ

---

۱ حامد حسن قادری، شغلِ بکا، رسالہ الناظر، ص ۲۲۱-۲۲۲، جلد ۳۸، شمارہ ۷، جولائی ۱۹۳۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تاریخِ وفات مرزا عظیم بیگ چغتائی

فضائلِ عظیم

۱۹۴۱ء

شاگرد بھی رشید تھے وہ، دوست بھی عزیز — کس دل سے میں کہوں کہ عظیم آہ کیا ہوئے
ہر دل عزیز ادیب، مصنف، وکیل، جج — کیا کیا، ذراسی عمر میں، نامِ خدا ہوئے
ایسا اور اتنی جلد ہوا کوئی نامور — گو بے شمار ادیب ہیں، بے انتہا ہوئے
عرصہ ہی کیا ہوا تھا بہت، کل کی بات ہے — اس کوچۂ ادب سے اُنھیں آشنا ہوئے
اس پر بھی وہ مزاح وظرافت کے طرز میں — رنگیں نگار، شوخ بیاں، خوشنوا ہوئے
وہ رندو پاک نفس تھے، بیباک و بے ریا — تحریر میں بھی وصف یہ سب رونما ہوئے
سب اُن کے تجربے تھے، سب اُن کے مشاہدے — جو واقعے زبان قلم سے ادا ہوئے
اُردو کے ناز ہند کے ناز، آگرے کے ناز — مرزا کی ذات پر جو ہوئے تو بجا ہوئے
سچ یہ ہے زندگی کا تو حق اُن پہ رہ گیا — گو یہ بھی سچ ہے موت کے حق سے ادا ہوئے

تاریخ کا بھی حق ہو دلِ زار سے ادا
یعنی "عظیم" داخل "دار البقا" ہوئے

۱۰۲۰ + ۳۳۹+۱=۱۳۶۰ھ [۱]

---

[۱] حامد حسن قادری، تاریخ وفات مرزا عظیم بیگ چغتائی، رسالہ ادیب، ص ۱۱، جلد ۱، شمارہ ۶، اکتوبر ۱۹۴۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نظمیں:

حامد حسن قادری کے مضامین اور نظموں کا مجموعہ ''سفینۂ نثر و نظم'' پہلی بار ۱۹۵۱ء میں آگرہ سے شائع ہوا۔ پھر مدتوں بعد دوبارہ بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں طبع ہوا۔ ۱۸۱ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ۱۹۰۴ء سے ۱۹۲۰ء تک کے مضامین اور نظمیں شامل ہیں۔ کل تیس نظمیں، آٹھ غزلیں اور انیس مضامین ہیں۔ اس مجموعہ کی چند نظمیں حامد حسن قادری کے بھائیوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ بھائیوں کی یہ نظمیں بہ طور یادگار اس کتاب میں شامل ہیں یہ تہذیب نسواں کی مدیرہ کے انتقال پر کہی گئی تھیں۔

> ''مولانا حامد حسن صاحب قادری نے بھی خود تعزیتی نظم لکھی اور اپنے بھائیوں مولانا عابد حسن فریدی اور رشتے کے بھائیوں مولوی ظہیر عالم صاحب چشتی اور مولوی ضیاء الرحمٰن، مولوی نور الرحمٰن صاحب سے بھی نظمیں لکھوا کر شائع کرائیں''[۱]

یہ عجیب اتفاق تھا کہ ۱۹۰۹ء میں تہذیب نسواں کی بارھویں سالگرہ تھی اور یہی سال اس کی مدیرہ کے وصال کا بھی تھا۔ چنانچہ ان نظموں میں خوشی اور غم دونوں ہیں۔ ایک نظم کے چند ٹکڑے ملاحظہ ہوں:

گلشن تہذیب ! تو ہے بوستانِ بے خزاں
گلشنِ تہذیب ! تو ہے غیرت باغِ جناں
تیرے میوے اور تیرے پھل غذائے روح ہیں
تازگی پاتے ہیں جس سے عقل وقلب وجسم وجاں
باغِ دنیا میں غرض کوئی تیرا ہم سر نہیں
تجھ سے شاید گلشنِ فردوس بھی بہتر نہیں

تجھ کو جس خاتون نے بویا تھا اپنے ہاتھ سے
آہ کردی اس نے اپنی جاں بھی تجھ پر نثار

---

۱ رسالہ تہذیب نسواں، ص ۶۰، جلد ۱۰، شمارہ ۷، جولائی ۱۹۰۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

آہ وہ خاتوں تجھ کو چھوڑ کر رخصت ہوئی
اور تو باقی ہے اس کے بعد اس کی یادگار
آہ لیکن جب جہاں میں اس کو پاسکتے نہیں
یہ دعا دیتے ہیں سب اس کو کہ اے پروردگار
دے جگہ جنت میں ہر دم عیش ہو آرام ہو
اس کی بخشش کا ذریعہ اس کا ہر اک کام ہو[۱]

حامد حسن قادری کی یہ نظم سولہ اشعار پر مشتمل ہے جس میں آٹھ اشعار رسالہ تہذیب نسواں کی بارھویں سالگرہ سے متعلق ہیں اور باقی کے آٹھ اشعار تہذیب نسواں کی ایڈیٹر محمدی بیگم کی تعزیت کے ہیں۔ اسی طرح پہلی نظم جو کہ اس کتاب میں شامل ہے وہ حضرت تاج الاولیاء شاہ مولانا نظام الدین حسین کی یاد میں ہے۔ یہ نظم چوبیس اشعار پر مشتمل ہے۔

حامد حسن قادری کی زیادہ تر نظمیں آزادی سے قبل کی لکھی ہوئی ہیں جو کہ وقتی موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان نظموں میں شعریت کم اور مشقِ سخن زیادہ ہے۔ موصوف کی بیش تر نظمیں حبّ وطن کی نمائندگی کرتی ہیں جن میں انقلابِ وطن، وطن کی حالت، یادِ وطن، ایشیا کی شاعری، میری قوم، قومی فقیر کی صدا اور گلشن تہذیب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

ان نظموں میں ''یادِ وطن'' مسدس کی شکل میں لکھی ہوئی ہے اور ''وطن کی حالت''، مثمس اور ''قومی فقیر'' کی صدا مخمس کے فارم میں ہے۔ ان نظموں میں کسی طرح کی بناوٹ نہیں۔ یہ نظمیں خالص حبّ وطن کے ذیل میں آتی ہیں۔ ان نظموں کے علاوہ اس مجموعہ میں کئی نظمیں دیگر موضوعات پر بھی لکھی گئی ہیں۔ جن میں رفتگانِ عدم، حسنِ قدرت،، اشکِ یتیم، مبارک باد سفر، قطرۂ شبنم، آفتاب، زیر گور، زبان، کان اور دریا قابلِ ذکر ہیں۔

حامد حسن قادری نے جس شہر میں اپنی زندگی کا بہترین حصہ گزارا اس سے متعلق بھی کچھ اشعار ان کے مجموعہ میں شامل ہیں۔ متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:

''الغرض اب تو یہ حالت ہے
قوم کو پستی ہے ذلت ہے[۲]

۱۔ حامد حسن قادری، گلشنِ تہذیب، رسالہ تہذیب نسواں، ص ۶۰-۶۱، جلد ۱۰، شمارہ ۷، جولائی ۱۹۰۹ء
۲۔ حامد حسن قادری، سفینۂ نثر و نظم، ص ۱۱، نئی دہلی بھارت آفسٹ پریس ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

جب بہاتی ہے قلق سے اشک غمِ چشم یتیم
دیکھ کر مانتے ہیں ان کو طفل ہم چشم یتیم [۱]

ادھر آ تجھ کو سینے سے لگالوں
تری حالت پہ چار آنسو بہالوں [۲]

ساری رونق گلشنِ عالم کی تیرے دم سے
تازگیِ سبزۂ وگل قطرۂ شبنم سے ہے [۳]

آرام اپنے دل کو دنیا میں بس وہیں ہے
پیارے وطن سے پیاری کوئی زمین نہیں ہے [۴]

جو سمجھتے تھے تجھ کو فخر اپنا
قبر میں سورہے ہیں وہ غافل [۵]

ظالم نے اب نکالی ہے یہ دشمنی کہاں کی
خواری کے گھاٹ اتارا کشتی نے آسماں کی [۶]

کس قدر پُرنور کیسا پرضیا ہے آفتاب
اللہ اللہ رونقِ ارض وسما ہے آفتاب [۷]

---

[۱] حامد حسن قادری، سفینۂ نثر ونظم، ص ۲۵، نئی دہلی بھارت آفسٹ پریس ۲۰۰۲ء
[۲] ایضاً، ص ۲۹
[۳] ایضاً، ص ۳۵
[۴] ایضاً، ص ۳۶
[۵] ایضاً، ص ۳۸
[۶] ایضاً، ص ۵۷
[۷] ایضاً، ص ۵۸

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اے قوم اب تو تیری حالت ہے خوار و خستہ
اوصاف سب تھے تجھ میں جس وقت حکمراں تھی [۱]

اے زبان گو اک ذرا سا گوشت کا ٹکڑا ہے تو
چشمِ باطن سے اگر دیکھیں تو اک دریا ہے تو [۲]

اٹھ گئی دہر سے افسوس محبت یکسر
کوئی اپنا بھی تو لیتا نہیں اپنوں کی خبر [۳]

کعبہ ہو مدرسہ ہو کلیسا ہو دیر ہو
ممکن نہیں کہ کام کچھ اس کے بغیر ہو [۴]

آپ کے آنے سے بچھراؤں کا رتبہ بڑھ گیا
آپ کے آنے سے اس کی عزت افزائی ہوئی [۵]

خدمت بحر اسلام کرو
اسلاف کا روشن نام کرو [۶]

اس مجموعہ میں ''انقلابِ وطن'' کے عنوان سے ایک نظم ہے اس نظم کے متعلق رسالہ تہذیب کے ایڈیٹر پنڈت کشن نرائن لکھتے ہیں:

''ذیل کی نظم ایک ہونہار جوان کی طبع سے ہے جو ایک جلسہ میں پڑھی گئی تھی جس سے اس امر کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ فی زمانہ کس طرح ہوش

---

۱ حامد حسن قادری، سفینۂ نثر و نظم، ص ۷۶، نئی دہلی بھارت آفسٹ پریس ۲۰۰۲ء

۲ ایضاً، ص ۸۱

۳ ایضاً، ص ۸۲

۴ ایضاً، ص ۸۴

۵ ایضاً، ص ۱۳۰

۶ ایضاً، ص ۱۳۲

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

سنبھالتے ہی ضروریات زمانہ کا احساس ہو جاتا ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جنھوں نے عمریں صرف کر دیں اور زمانے کی رفتار سے واقف نہ ہوئے۔''[۱]

اس مجموعہ کے علاوہ راقمہ کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری سے مختلف رسالوں کے ذریعہ سترہ نظمیں دست یاب ہوئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

ایک نظم بہ عنوان ''مقبرۂ اکبر'' رسالہ 'زمانہ'، کانپور، اکتوبر ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی تھی ہے۔ اس نظم میں حامد حسن قادری نے ان تاثرات کو قلم بند کیا ہے جو اکبر کے مقبرے کو دیکھ کر ان کے دل پر گزرے۔ اکبر کے مقبرے کو دیکھ کر بے ثباتی دنیا کا نقشہ شاعر کی آنکھوں میں پھر جاتا ہے ساتھ ہی عہد اکبری کی تاریخی، سیاسی، سماجی اور تہذیبی صورت حال بھی شاعر کی نگاہ کے سامنے آ جاتی ہے۔

نظم کی ابتدا میں شاعر اکبر کے مقبرے پر چھائے ہوئے سکوت کو دیکھ کر خدا کی قدرت کو یاد کرتا ہے اور دنیا کے انقلابات پر سرسری نگاہ ڈالتا ہے۔

درودیوار سے نمایاں تھی
قادر بے نیاز کی قدرت
دل میں کہنے لگا خدا کی شان
کیا ہوئی آج ہیبت و شوکت
یہ وہی بادشاہ اکبر ہے
جس کی شاہی تھی خلق کو رحمت
عہد میں اس کے تھی ہنود کی بھی
اہلِ اسلام کی طرح وقعت
کردیے جس نے ایک حکمت
مختلف تھے جو مذہب وملت[۲]

۱۔ پنڈت کرشن نرائن، انقلابِ وطن، رسالہ تہذیب، ص ۱۰، جلد ۶، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۰۶ء

۲۔ حامد حسن قادری، مقبرۂ اکبر، رسالہ زمانہ، ص ۳۱۶، جلد ۵، شمارہ ۱۰، اکتوبر ۱۹۰۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نظم کے آخر میں شاعر اس طرح اپنی بات ختم کرتا ہے:

سچ ہے دنیا سرائے فانی ہے
سچ ہے دنیا عالمِ عبرت[1]

حامد حسن قادری کی نظم ''سیلاب'' رسالہ ''زمانہ'' اکتوبر ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ ۱۴/اکتوبر ۱۹۱۰ء کو زبردست طوفان اور سیلاب کے نتیجے میں تقریباً نو فٹ پانی نینی تال سے رامپور کی طرف آ گیا تھا۔ زبردست تباہی ہوئی تھی۔ بڑی مشکل سے شہر رامپور کو ڈوبنے سے بچایا گیا تھا، مگر بہت سے دیہات برباد ہو گئے تھے۔ یہ نظم اسی بربادی سے متاثر ہو کر لکھی گئی تھی۔ شاعر سیلاب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

کل کیا تھا تو نے اس کا شیشہ دل چور چور
آج تیرے ہاتھ سے ہے چاک دامانِ رام پور

ایک شعر میں شاعر نے اس سیلاب کو طوفانِ نوح کے مماثل قرار دیا ہے۔

ہے تیرا ہی نام اے سیلاب کیا طوفانِ نوح
تو جہاں آیا وہاں بس آ گیا طوفانِ نوح[2]

سیلاب کی بربادی کے مناظر کو ان اشعار میں پیش کیا گیا ہے۔

جب کبھی نازل ہوا ہے دہر میں تیرا عتاب
تو نے دنیا بھر میں پیدا کر دیا ہے انقلاب
جنگلوں میں تو نے پانی بھر دیا اک آن میں
کھیتیوں کو تو نے ویران کر دیا اک آن میں[3]

شاعر نے اس سیلاب کو عاشق کے آنسوؤں، شاعر کی طبیعت کی روانی اور معشوق کی اداؤں سے بھی تشبیہ دی ہے:

---

[1] حامد حسن قادری، مقبرۂ اکبر، رسالہ زمانہ، ص ۳۱۶، جلد ۵، شمارہ نمبر ۴ کانپور، اکتوبر ۱۹۰۵ء

[2] حامد حسن قادری، سیلاب، رسالہ زمانہ، ص ۳۰۷، کانپور، جلد ۱۵، شمارہ ۱۰، اکتوبر ۱۹۱۰ء

[3] ایضاً، ص ۳۰۷

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

آخر اے سیلاب کیا ندی یا نالا ہے تو
آنسوؤں کا یا کسی عاشق کے اک دیا ہے تو
ہے اُٹھان اے سیل تیرا بھی جوانی کی طرح
ہے روانی طبع شاعر کی روانی کی طرح
جب چلا روٹھے ہوئے معشوق کے انداز
کردیا پامال عالم کو خرام ناز سے [۱]

مندرجہ بالا اشعار ہمیں رومانی شاعروں کی یاد دلاتے ہیں۔ اس قسم کی رومان پسندی شبلی نعمانی، اقبال، چکبست اور سرور جہاں آبادی وغیرہ کی ابتدائی شاعری میں نظر آتی ہے۔ یہ نظم دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ عمومی نوعیت کا ہے اور دوسرے حصے میں رام پور کے سیلاب کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔ نظم کا اختتام اس طرح ہوتا ہے:

آہ اے سیلاب تیرا دل نہایت سرد ہے
تو کسی بت کی طرح بے انتہا بے درد ہے [۲]

حامد حسن قادری کی ایک اور نظم بہ عنوان ''یادِ ہند'' رسالہ ''صبح بہار''، مارچ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ یہ نظم مخمس ترجیع بند کی ہیئت میں ہے۔ نظم شہر آشوب سے ملتی جلتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ شہر آشوب کسی مخصوص شہر کی بدحالی کا نوحہ ہوتا ہے۔ جب کہ اس نظم میں پورے ملک کی بدحالی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی وطن کی عظمتِ رفتہ کے گیت بھی گائے گئے ہیں۔ پوری نظم پانچ۔ پانچ مصرعوں اور دس بندوں پر مشتمل ہے۔

ہر بند کے پہلے، دوسرے، تیسرے اور چوتھے مصرعے ہم قافیہ ہیں اور پانچواں مصرع بار بار دہرایا گیا ہے۔ اس ہیئت کو مخمس ترجیع بند کہتے ہیں۔ اس نظم کا پس منظر برطانوی حکومت کی سختیاں ہیں۔

شاعر پہلے بند میں کہتا ہے کہ ہندوستان کے باغ کی ہر کلی مرجھا چکی ہے۔ افسوس ہے کہ بہار سے پہلے خزاں آ گئی ہے اور غربت کی گھٹا اس طرح سے چھائی ہوئی ہے باغ اجڑ گیا ہے۔ شاعر اس بگاڑ کا ذمہ دار

---

[۱] حامد حسن قادری، سیلاب، رسالہ زمانہ، ص ۳۰۷، جلد ۱۵، شمارہ ۱۰، کانپور، اکتوبر ۱۹۱۰ء

[۲] ایضاً، ص ۳۰۸

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

آسمان کو قرار دیتا ہے۔ اگر واضح طور پر برطانوی حکومت کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا تو نظم بجائے شاعری کے نعرہ بازی بن جاتی۔

دوسرے بند میں شاعر کہتا ہے کہ اس ملک کی شان وشوکت ختم ہوگئی ہے اور جنت جیسا ملک جہنم نظر آتا ہے شاہی محل اور خزانہ سب لوٹ لیے گئے ہیں۔

تیسرے بند میں شاعر کہتا ہے کہ اس ملک میں تجارت اور نوکری دونوں ہی نہیں رہی۔ حکمت اور دولت بھی جاتی رہی اب پہلے جیسی حالت باقی نہیں ہے۔

چوتھے بند میں شاعر کہتا ہے کہ ایک وقت وہ تھا جب یہاں علم کا دریا جاری تھا۔ ہر شخص علم کے میدان میں یکتا اور بے مثال تھے لیکن اب ہر طرف جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔

پانچویں بند میں شاعر یہاں کے لوگوں میں پیدا ہو جانے والے نفاق پر افسوس ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اتحاد اور اتفاق لوگوں کے دلوں سے رخصت ہو چکا ہے نفاق کا بدنما داغ دلوں میں جم گیا ہے۔

چھٹے بند میں شاعر کہتا ہے کہ رومی، مصری اور کابلی سبھی ہندوستان کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہاں اس قدر دولت تھی کہ ہر کوئی ہندوستان کا حکمران بننا پسند کرتا تھا۔

ساتویں اور آٹھویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ غیر ملکی حکمرانوں کی حکومت رہی ہے اور انہوں نے اس ملک کی دولت لوٹی ہے۔

نویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ اس ملک کی شہرت ہی اس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگئی اور اس کی ترقی ہی اس کے لیے سم قاتل بن گئی ہے گویا شہد جیسی شے زہر ہلاہل کے مثل ہوگئی۔

ہائے اس کی شہرت اس کے حق میں قاتل ہوگئی　　راہ میں اس کی ترقی کی یہ حائل ہوگئی
شہد تھی جو چیز وہ زہرِ ہلاہل ہوگئی　　حق سمجھ رکھا تھا جس شے کو وہ باطل ہوگئی
اے فلک تیری نظر ہندوستان کو کھا گئی [۱]

اختتام اس طرح ہوتا ہے:

''آہ اب اگلا سا وہ عالم کہاں وہ میں کہاں　　آہ اب پہلے سے اس کے ظاہر و باطن کہاں

---

[۱] حامد حسن قادری، یادِ ہند، رسالہ صبحِ بہار، ص ۵۰، جلد ۴، شمارہ ۷، مارچ ۱۹۱۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اس کو حاصل پھر وہی ثروت ہو یہ ممکن کہاں　　روح تازہ اس میں پھونکیں آج وہ محسن کہاں
اے فلک تیری نظر ہندوستان کو کھا گئی [۱]

حامد حسن قادری کی ایک اور نظم ''مناجات'' رسالہ مخزن اکتوبر، ۱۹۱۱ء (ص ۵۴-۵۵) میں شائع ہوئی تھی۔ یہ مثنوی کی ہیئت میں ہے۔ اور صنعت ذو بحرین میں ہے۔ یعنی اس کے مصرعے دو مختلف بحروں میں پڑھے جا سکتے ہیں۔ دونوں بحروں کے اوزان یہ ہیں:

(۱) مفعلن، مفعلن فاعلن

(۲) فاعلاتن، فاعلاتن فاعلن

اس نظم کے ابتدائی تیس اشعار حمدیہ ہیں اور آخر کے پانچ اشعار میں شاعر نے ہندوستان کے حق میں دعا کی ہے۔

نظم کی ابتدا اللہ کی تعریف سے ہوتی ہے۔ شاعر خدا سے مخاطب ہو کر کہتا ہے تو نے ہی انسان کو پیدا کیا، اسے اشرف المخلوقات بنایا، ایمان عطا کیا۔ تو دنیا کا خالق ہے۔ صرف انسان ہی نہیں بلکہ تمام چیزیں تیری حمد کرتی ہیں۔ پھولوں میں تیری ہی خوشبو ہے، نغموں میں تیری ہی تعریف ہے۔ پہاڑ بھی تیری عظمت کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ سمندر کا پانی تجھے تلاش کرتا ہے۔ اور جب تو نہیں ملتا تو وہ اپنا سر پہاڑوں سے ٹکراتا ہے۔ آفتاب اور مہتاب بھی تیری ہی دی ہوئی روشنی بکھیرتے ہیں:

ہے گلِ گلشن میں بھی تیری ہی بو　　نغمۂ بلبل میں بھی ہے تو ہی تو
لب پہ ہے سب کے تیری وحدت کے گیت　　گاتے ہیں طائر تری قدرت کے گیت
یاد میں ہیں تیری ہی سب قمریاں　　ڈھونڈتی کو کو سے ہے تیرا نشاں
سرو پر آکر جو ہیں نغمہ سرا　　جھومتا ہے سن کے وہ تیری ثنا
کوہ کو حالت جو یہ سکتے کی ہے　　چھا گئی ہیبت تیری اس پر بھی ہے
بحر کو بھی ہے تیری ہی جستجو　　ڈھونڈتا ہے تجھ کو بھی تیری سو بسو
پاتا ہے بے سود جب اپنی تلاش　　کرتا ہے سر کو اپنے پھر پاش پاش
ڈھونڈتے ہیں تجھ کو مہ اور آفتاب　　یاد میں ہے تیری ہی گریاں سحاب [۱]

---

[۱] حامد حسن قادری، یاد ہند، رسالہ صبح بہار، ص ۵۱، جلد ۴، شمارہ ۷، مارچ ۱۹۱۰ء

[۱] حامد حسن قادری، مناجات، رسالہ مخزن، ص ۵۵، جلد ۳۳، شمارہ ۱، اکتوبر ۱۹۱۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نظم کے آخر میں حامد حسن قادری دعا کرتے ہیں کہ خدایا ہندوستان سے ہر طرح کی جہالت دور کردے۔ علم کی روشنی سے یہاں کے انسانوں کے دلوں کو منور کردے، نفاق کو ختم کردے۔ اتفاق اور اتحاد کا سبق سکھادے، بدحالی کو خوشی میں بدل دے اور لوگوں کی باہمی بھائی چارہ کی توفیق عطا کردے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رحم کر اب ہند پر اے کردگار　　فضل سے تیرے ہو یہ بیڑا بھی پار
ہند سے اب جہل کو تو دور کر　　روشنی سے علم کی معمور کر
دور کر اب ہند سے یارب نفاق　　بھیج دے اس کی جگہ تو اتفاق
حال جو بد اس کا ہے ہوجائے نیک　　قومیں ہیں جو ہند میں ہوجائیں ایک
حامد خستہ کی ہے یہی دعا　　ہند کو ہو ثروت و حشمت عطا [1]

حامد حسن قادری کی نظم ''اردو سبھا'' رسالہ ''شاعر''، آگرہ، سال نامہ نمبر، ۱۹۵۰ء (ص ۲۷ / اور ۲۵) شاعر کے نثری نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔ حامد حسن قادری کو احساس تھا کہ وہ بنیادی طور پر نثر نگار ہیں اور بہ حیثیت شاعر ان کا خاص مقام نہیں، بالکل اسی طرح سے جیسے ڈپٹی نذیر احمد اصلاً نثر نگار یعنی ناول نگار تھے لیکن کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ اسی حقیقت کا اعتراف شاعر نے مذکورہ نوٹ میں کیا ہے:

''(ڈپٹی نذیر احمد دہلوی مرحوم کی روح پرفتوح پر فاتحہ خوانی کے بعد) میں ایک تو شاعر نہیں تک بند ہوں، دوسرے انیسویں صدی سے چلا آرہا ہوں، تیسرے ڈپٹی نذیر احمد کے دیکھنے والوں میں ہوں، چوتھے بہ قول ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کے شوخ طبع ہوں۔ فلہٰذا اس نظم کا مجھ سے سرزد ہونا تعجب نہیں۔ میں کچھ بہت پرانا نہیں ہوں۔ مجھ سے زیادہ قدیم مولوی عبدالحق صاحب ہیں، علامہ سیماب صاحب ہیں۔ میری قدامت بس اتنی ہی ہے کہ جب انیسویں صدی کے آخری سال کے سب سے آخری دن ۳۱ دسمبر ۱۹۰۰ء کو قدیم محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ریاست رام پور میں ڈپٹی نذیر احمد صاحب مرحوم نے اپنا نظم و نثر کا ملا جلا لیکچر پڑھا ہے تو اس وقت میں جوان تھا اور اس جلسے میں موجود تھا۔ اب تک ڈپٹی صاحب کا انداز آنکھوں میں اور آواز کانوں میں ہے اور ان کی اس نظم کے

---

[1] حامد حسن قادری، مناجات، رسالہ مخزن، ص ۵۵-۵۶، جلد ۳۳، شمارہ ۱، اکتوبر ۱۹۱۱ء

متعدد اشعار اب تک یاد ہیں۔ مطلع یہ تھا:

الٰہی دے مسلمانوں کو توفیقِ مسلمانی
کہ پھر آجائے کشت مردہ اسلام میں پانی

ڈپٹی صاحب کی شاعری کا اثر میری تک بندی پر پڑتا ہے۔ ان کی طرح میری شاعری کی کائنات بھی بس اتنی ہی ہے کہ کسی موقع پر کوئی قطعہ رباعی نظم لکھ دی، ورنہ میں نے نثر ہی لکھی اور چھپوائی۔ اس نظم میں نذیر احمد صاحب نے کہا تھا:

تم اپنی نثر کو اور نظم کو چھوڑ دو نذیر احمد
کہ اس کے واسطے موزوں ہیں حالی و نعمانی

میں کہتا ہوں:

تم اپنی نثر کو اور نظم کو اے قادری چھوڑ دو
کہ اس کے واسطے موضوع ہیں سیماب، فانی

ڈپٹی صاحب نے اس روز نظم چھوڑ کر اپنی نثر کی تھی۔ میں اس وقت نثر چھوڑ کر یہ نظم لیتا ہوں''[1]

یہ نظم جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے اردو کی اس مجلس یا سبھا سے متعلق ہے جو دہلی میں منعقد ہوئی تھی اور اس میں حامد حسن قادری شریک نہیں ہو سکے تھے۔ جلسہ ۱۹۵۰ء میں ہوا تھا۔ اس وقت حامد حسن قادری کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ علالت اور کمزوری کی وجہ سے وہ اس جلسے میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ انھوں نے یہ نظم لکھ کر بھیج دی اور حاضرینِ جلسہ سے یہ کہا کہ اس نظم کو ان کا بدل سمجھا جائے:

دہلی اگر پہنچ نہ سکے قادری ، تو خیر
یہ نظم واں جلانے کو شمعِ شعور، جائے[2]

نظم قطعہ کی ہیئت اور ۱۶ شعروں پر مشتمل ہے۔ شاعر نے اپنی ان مجبوریوں اور اسباب کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے وہ جلسے میں شریک نہیں ہو سکے:

---

[1] حامد حسن قادری، اردو سبھا، رسالہ شاعر، (سالنامہ نمبر) ص ۲۴، جلد ۲۱، شمارہ ۱، آگرہ ۱۹۵۰ء

[2] ایضاً، ص ۲۵

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اردو سبھا کو سن کے یہ دل نے کہا کہ چل
میں نے کہا کہ جاڑے میں کون اتنی دور جائے
کیا کیا مسافروں کی ہے ریلوں میں ریل پیل
جو جائے ، ان کے سیل کو کر کے عبور جائے
بوڑھا بھی ہوں ، ضعیف بھی ، ایسا نہ ہو کہیں
تن دہلی ، اور روح خدا کے حضور جائے [۱]

نظم میں شاعر نے اردو ہندی تنازع کا بھی ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ حکومتِ ہند کو چاہیے کہ ہندی کے ساتھ اردو کی بھی فلاح پر توجہ دے:

اردو ہے اہل ہند کا سرمایۂ مشترک
سمجھیں مگر، جو دل سے نفاق وغرور جائے
اردو میں امتیاز من و تو سے ہے فساد
یہ جائے ، تو خرابی ، نظم امور جائے
گو ہم سے ہے زبان ، مگر ہیں زباں سے ہم
سمجھے اسے جو بات کی تہ تک شعور جائے
ہندی کے ساتھ ہی ہے اردو کی بھی بقا
سب ایک زبان ہوں اس میں تو سارا فتور جائے [۲]

آخر کے کچھ شعروں میں شاعر نے اردو زباں کے حق میں دعا کی ہے:

یاں ولولہ ہو، شوق ہو ، ہمت ہو، عزم ہو
جو آئے ہو کے نشۂ اردو میں چور جائے
جو آئے یاں خطی ، وہ تانا یہی تنے
جو شاعر آئے وہ اسی جئے کو پود جائے

---

[۱] حامد حسن قادری، اردو سبھا، رسالہ شاعر (سالنامہ نمبر)، ص ۲۴، جلد ۲۱، شمارہ ۱، آگرہ ۱۹۵۰ء

[۲] ایضاً، ص ۲۵،

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

سب کو رہے وہ خدمت اردو کی لوگگی
سر سے جنوں ، نہ شوق کا دل سے وفور جائے[1]

حامد حسن قادری کی ایک اور نظم ''دلِ بے قرار'' کے عنوان سے رسالہ ''نقاد'' آگرہ، مئی ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ شاعر اپنے بے چین دل سے مخاطب ہے۔ شاعر نے اپنے محبوب کی بے وفائی، بے رخی اور بے اعتنائی کا بھی ذکر کیا ہے۔ نظم مثنوی کے فارم میں ہے۔ اس میں کل تیرہ اشعار ہیں۔ بہ طور نمونہ چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

تری آنکھوں سے ہے جاری تو بلا سے ہے جو خوں ہو
اُسے کیا خیال تیرا اُسے تیری چاہ کیوں ہو
وہ ستم شعار اُس کو ترے حال پر نظر کیا
دلِ سنگدل میں ہے دل تری آہ کا اثر کیا
وہ فریب جانتا ہے خلشِ دل و جگر کو
وہ ہنسی میں ٹالتا ہے ترے گریہ سحر کو
وہ سمجھتا ہے فسانہ ترے ماجرائے غم کو
وہ سمجھتا ہے کہانی تیرے قصہ ہائے غم کو[2]

حامد حسن قادری کی ایک نظم ''مآل عشق'' رسالہ ''نقاد'' مئی ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس نظم میں تیرہ اشعار ہیں۔ یہ قطعہ کی ہیئت میں ہے

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دل نذر کردیا تو نہ کی تو نے دل کی قدر
پامال کرکے پھینک دیا اُس کو خاک پر
بھیجا کسی نے خط تو اُسے چاک کردیا
وعدہ کیا تو بھول گیا اس کو جان کر

---

[1] حامد حسن قادری، اردو سبھا، رسالہ شاعر (سالنامہ نمبر)، ص ۲۵، جلد ۲۱، شمارہ ۱، آگرہ ۱۹۵۰ء

[2] حامد حسن قادری، دلِ بے قرار، رسالہ نقاد، ص ۴۷، جلد ۱، شمارہ ۳۶، آگرہ، مئی ۱۹۱۳ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

آیا بھی روزِ وعدہ تو یہ عذر کردیا
مہندی لگی ہے پاؤں میں اب جائے کون اُدھر
چکر لگائے کوچے کے ارمان دید میں
دیکھا نہ تو نے بھول کے بھی اس طرف مگر
دیکھا کبھی تو اس نگہہ خشمگیں کے ساتھ
سینے کے پار ہوگئی برچھی تھی یا نظر
دربان کو حکم تھا کہ ''نہ آئے وہ بزم میں
آئے جو کوئی عاشق شوریدہ سر ادھر
آہ وفغاں و گریہ رہا عمر بھر کا شغل
یوں ہی سحر سے شام ہوئی شام سے سحر
حد ظلم کی رہی نہ تغافل کی انتہا
آخر مصیبتیں یہ کہاں تک سہے بشر[1]

اس میں شبہ نہیں کہ حامد حسن قادری اچھے شعر کہنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور انھوں نے اچھے شعر کہے بھی ہیں جن سے ان کی قادر الکلامی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اردو ادب کی تاریخ میں وہ اپنی شاعری کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے علمی کاموں کی وجہ سے زندہ رہیں گے۔

☆

---

[1] حامد حسن قادری، مآل عشق، رسالہ نقاد، ص ۵۰، جلد ۲، شمارہ ۳۷، مئی ۱۹۱۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

چوتھا باب

نثری خدمات

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

تنقید:

''مختصر تاریخِ مرثیہ گوئی'' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۴ء میں آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوا۔ دوبارہ پاکستان میں اس کی اشاعت ۱۹۶۴ء میں سپر آرٹ انگریورز اردو اکیڈمی سندھ، کراچی سے ہوئی۔ یہ کتاب ہندوستان میں تقریباً ۳۹ سال بعد یعنی ۱۹۷۳ء میں خواجہ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ پھر اضافے کے ساتھ ''مختصر تاریخِ مرثیہ گوئی مع شاہکار انیس'' کے نام سے بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ مختصر تاریخِ مرثیہ گوئی کا اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۷۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ عناوین کی فہرست اس طرح ہے: اردو مرثیہ، عرب کے مرثیے، فارسی کے مرثیے، اردو کا آغاز، اردو شاعری، اردو مرثیے، شعرائے دہلی کے مرثیے، شعرائے لکھنؤ کے مرثیے، انیس کے ذاتی حالات، انیس کی وفات، انیس کا کلام، میر انیس کی زبان روزمرہ محاورے، حسنِ ادا، جذبات نگاری، واقعہ نگاری، الفاظ کی بلاغت، محاکات، تشبیہ و استعارات۔ مرثیے میں اخلاقی مضامین، مرثیہ اور مثنوی، اردو مثنویاں، رزمیہ مثنوی، مرثیے میں رزم، رجز، مرثیے میں بین، مرثیے میں واقعیت، مرثیے کی تاریخی حیثیت، مرثیے میں کردار، مرثیے میں ہندوستانیت، مرثیے میں شانِ اہل بیت، مرثیے کا پڑھنا، مرثیے کی موجودہ حیثیت، ادبی حیثیت، شعراء مرثیہ، شجرۂ انیس، مرزا دبیر، موازنہ انیس و دبیر، علامہ شبلی اور انیس و دبیر۔ مرزا دبیر کی بلاغت اور جذبات نگاری، واقعہ نگاری، مناظر قدرت، مرزا دبیر کی شوکتِ الفاظ، تشبیہ واستعارات، تخیل کی خرابی، کلام کی ناہمواری، بلاغت کی کمی، ایجاد و واقعات انیس و دبیر کی ترجیح کا مسئلہ، خاندان مرزا دبیر، ساقی نامہ و بہاریہ، کلام رشید کی ادبیت، رشید کی خامیاں، تخیل کی بے اعتدالی، مرثیہ میں میر انیس اور یہ شعر ''جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے''۔

اس کتاب کا پہلا مضمون ''اردو مرثیہ'' ہے۔ فارسی اور اردو مرثیے کا ماخذ عربی شاعری ہے۔ عربی شاعری ملکی، ذاتی حالات، فطری ماحول اور مناظر کے زیر اثر وجود میں آئی۔ عرب کے شعرا کسی عزیز کی موت پر مرثیے میں اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے تھے اور مرنے والے کے اوصاف بیان کرتے تھے۔ ان مرثیوں میں طرز بیان فطری ہوتا تھا۔

فارسی مرثیوں میں شہر آشوب وغیرہ کا رواج تھا۔ حامد حسن قادری نے فارسی کا پہلا مرثیہ گو شاعر

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

فرخی کو بتایا ہے، فرخی نے سلطان محمود کا مرثیہ لکھا تھا۔ اردو مرثیہ کے متعلق حامد حسن قادری ص ۱۸ پر لکھتے ہیں:

''ہمارا اصل مقصد مرثیہ اردو کا تذکرہ ہے۔ محمد قلی قطب شاہ غالباً سب سے پہلا مرثیہ گو بھی ہے۔''[۱]

حامد حسن قادری کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ اردو کا پہلا مرثیہ گو شاعر قلی قطب شاہ ہے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں اپنی کتاب ''اردو مرثیے کا ارتقا: ابتدا سے انیس تک'' کے ص ۴۳ کے حاشیے پر لکھتے ہیں:

''دکن میں مرثیہ کے اولین نمونے ہم کو وجہی اور قلی قطب شاہ کے یہاں ملتے ہیں۔ وجہی اور قلی قطب شاہ معاصر تھے اور دونوں نے مرثیے بھی لکھے تھے۔ ان دونوں میں سے مرثیہ پہلے کس نے لکھا اس کے طے کرنے کے لیے ہمارے یہاں تاریخی بنیاد ایسی نہیں کہ جن کی بنا پر ہم کسی ایک کو اولیت کا شرف بخش سکیں۔''[۲]

مسیح الزماں کا یہ خیال درست نہیں۔ وجہی سے پہلے بھی مرثیے لکھے گئے ہیں۔

اشرف بیابانی کی ''نوسرہار'' بہمنی دور کی تخلیق ہے جو کہ مثنوی کے فارم میں لکھا ہوا مرثیہ ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنے خیالات کا اظہار ان جملوں میں کیا ہے:

''نوسرہار'' (۹۰۹ھ/۱۵۰۳ء) میں بھی زبان و بیان کی یہی سطح برقرار رہتی ہے۔ اس ''مثنوی'' میں اشرف نے واقعہ کربلا اور شہادت امام حسین کو موضوع سخن بنایا ہے۔''[۳]

شبلی نعمانی نے اپنی کتاب ''شعر العجم'' جلد اول ص ۶۵ پر مرثیہ گوئی کے خاص تین اصول بتائے ہیں۔ ان تینوں اصولوں کا ذکر حامد حسن قادری نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے۔ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''(۱) ممدوح کی عظمت و شان کا ذکر کیا جائے تا کہ اس سے عبرت کا سبق حاصل ہو کہ اس پایہ کا شخص اٹھ گیا۔

(۲) اس کے مرنے سے ملک میں جو رنج و ماتم برپا ہے، اس کا ذکر کیا جائے۔

(۳) اس کو مخاطب کر کے ایسے خیالات ظاہر کیے جائیں جس سے یہ ثابت ہو کہ

۱۔ حامد حسن قادری، مختصر تاریخ مرثیہ گوئی مع شاہکار انیس، ص ۱۸، نئی دہلی، بھارت آفسیٹ پریس نئی دہلی ۲۰۰۲ء

۲۔ ڈاکٹر مسیح الزماں، اردو مرثیے کا ارتقاء: ابتدا سے انیس تک، ص ۴۳، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان ۲۰۰۲ء

۳۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخ ادب اردو، جلد اول، ص ۱۷۶، نئی دہلی، عفیف پرنٹرس ۲۰۰۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

انتہائے وارفتگی اور مدہوشی کی وجہ سے مرثیہ کہنے والے کو اس کے مرنے کی بھی خبر نہیں، اور وہ اب تک اس کو اسی طرح مخاطب کر کے باتیں کہتا ہے جس طرح زندگی میں کرتا ہے۔''[۱]

حامد حسن قادری نے دہلی کے مرثیہ نگاروں میں میر تقی میر اور سودا کے مراثی بہ طور نمونہ پیش کیے ہیں اور لکھا ہے کہ سودا نے قصیدے کی شکل میں مرثیے لکھے۔ انھوں نے مثلث، مربع، مخمس اور مسدس کی ہیئت میں بھی مرثیے لکھے۔ ان کے علاوہ سودا نے ترجیع بند اور ترکیب بند میں بھی مرثیے لکھے۔ حامد حسن قادری کا خیال ہے کہ میر تقی میر کے مرثیے میں سودا کی طرح مضمون آفرینی اور جدتِ ادا نہیں ہے۔

حامد حسن قادری نے لکھنؤ کے مرثیہ نگاروں میں میر حسن، میر خلیق، میر ضمیر وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مرثیے کے اجزاے ترکیبی ان ہی لوگوں کے زمانے میں متعین ہوئے۔ مرثیہ میر انیس اور مرزا دبیر کے یہاں آتے آتے اپنے عروج پر پہنچ گیا۔ حامد حسن قادری نے میر انیس اور مرزا دبیر کے متعلق تفصیلی گفتگو کی ہے۔ دونوں کے کلام کا موازنہ کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی نے میر انیس کی طرف داری کی ہے۔ شبلی نعمانی اپنی کتاب ''موازنہ انیس و دبیر'' کے ص ۲۵۲ پر مرزا دبیر کے متعلق لکھتے ہیں:

''فصاحت ان کے کلام کو چھو بھی نہیں گئی... بلاغت نام کو نہیں۔ کسی چیز، یا کسی کیفیت یا کسی حالت کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہیں۔ خیال آفرینی اور مضمون بندی البتہ ہے''۔[۲]

مرزا دبیر کی شاعری کے متعلق حامد حسن قادری کا خیال ہے کہ:

''...وہ کہیں کہیں ایسی اعلیٰ ہے کہ اگر ان بندوں کو میر انیس کے کلام میں ملا دیا جائے تو پہچاننا مشکل ہے۔ مثلاً حضرت امام حسین علیہ السلام کے رجز کے یہ بند

مانا یزید صاحب دولت ہے ہم نہیں
پر وہ وہی ہے اور شرافت میں ہم ہمیں

۱۔ شبلی نعمانی، شعر العجم، جلد اول، ص ۶۵، اعظم گڑھ، دار المصنفین شبلی اکیڈمی ۲۰۰۴ء

۲۔ شبلی نعمانی، موازنہ انیس و دبیر، ص ۲۵۲، نئی دہلی، لبرٹی آرٹ پریس ۱۹۶۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ہوتی ہے آسماں کے قابل کہیں زمین
وہ تخت کا مکیں ہے تو ہم عرش کے مکیں[۱]

حامد حسن قادری نے مرثیے میں واقعیت کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مرثیے میں چند واقعات ایسے بھی بیان کیے گئے ہیں جو کہ فرضی ہیں۔ مگر میر انیس کے انداز بیان نے فرضی واقعات کو بھی حقیقی بنا دیا ہے۔ حضرت قاسم کا نکاح، حضرت علی اکبر کی نسبت بادشاہ حلب کی بیٹی سے اور بادشاہ کا مع خاندان کربلا میں آنا وغیرہ فرضی واقعات ہیں۔

اردو مرثیہ نگاروں نے مرثیہ میں ہندوستانی مقامات، رسم و رواج وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ اردو مراثی ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کرتے ہیں۔ میر انیس کے یہاں بھی یہ تمام چیزیں موجود ہیں۔ انیس اور دبیر کی فنی خصوصیات پر روشنی ڈالنے کے علاوہ حامد حسن قادری نے ''شاہکار انیس'' کے عنوان سے میر انیس کے مرثیوں کا انتخاب بھی کیا ہے جو کہ ۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

''نقد و نظر'' حامد حسن قادری کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں پہلی بار شاہ اینڈ کمپنی آگرہ سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی۔ اور تقسیم ہند کے بعد اردو اکیڈمی کراچی سے ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آئی۔ کتاب ۳۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے مضامین ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۲ء کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ مگر زیادہ تر مضامین ۱۹۴۲ء ہی کے لکھے ہوئے ہیں جو کہ مختلف رسالوں میں بھی شائع ہوتے رہے۔ مضامین کی فہرست کچھ اس طرح ہے۔ مطالعہ شاعری، غالب کی شرحیں، مزاحیہ شرحِ غالب پر ایک نظر، کلامِ غالب کی تضمین، عروضی غلطیاں، اصلاحِ اساتذہ پر ایک نظر، آگرہ کا ایک قدیم مشاعرہ (۱۸۶۹)، آگرہ کا قدیم مشاعرہ فارسی (۱۸۶۹)، میاں نظیر اکبر آبادی، آغا شاعر دہلوی، خم خانہ ریاض، زبان کے چند نکتے، تنقید کے نئے زاویے، شرحِ درد پر تبصرہ، اور آگرہ کے چار شاعر۔

اس کتاب کا پہلا مضمون ''مطالعہ شاعری'' ہے جو کہ میتھو آرنلڈ کے مقالے'' اسٹڈی آف پوئٹری'' کے ایک حصّے کا ترجمہ ہے۔ اس کے متعلق حامد حسن قادری لکھتے ہیں کہ: ''میں نے آخر میں اشعار کا اضافہ کر دیا ہے''[۲]۔ سب سے پہلے یہ ترجمہ ۱۹۲۸ء میں رسالہ ''زمانہ'' کے جوبلی نمبر میں شائع ہوا۔ اس میں حامد حسن قادری نے شاعری کے اصول اور اغراض و مقاصد کے طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بتایا ہے

۱۔ حامد حسن قادری، مختصر تاریخ مرثیہ گوئی مع شاہکار انیس، ص ۱۴۲، نئی دہلی، بھارت آفسیٹ پریس نئی دہلی ۲۰۰۲ء

۲۔ حامد حسن قادری، نقد و نظر، ص ۱، اردو اکیڈمی آفسٹ پریس، کراچی، ۱۹۸۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کہ شاعری کے لیے تخیل پہلی شرط ہے۔ شاعر اپنے جذبات واحساسات کو شاعری کے ذریعہ ہی قاری تک پہنچاتا ہے۔ حامد حسن قادری نے شاعری کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ شاعری کے بغیر دنیا کی ہر چیز نامکمل ہے۔

اس مضمون میں حامد حسن قادری نے میر درد، امیر مینائی اور مصحفی وغیرہ کے اشعار بہ طور مثال پیش کیے ہیں اور شعری صنعتوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔

دوسرا مضمون ''غالب کی شرحیں'' کے عنوان سے ہے جس میں حامد حسن قادری نے اردو کے تین شاعر میر تقی میر، غالب اور داغ دہلوی پر مختصراً گفتگو کی ہے اور ساتھ ہی شارحینِ غالب کی خامیاں گنائی ہیں۔

حامد حسن قادری کا خیال ہے کہ دوسرے شاعروں کی طرح غالب کے یہاں بھی زبان و بیان کی غلطیاں ہیں۔ مثلاً غلط محاورے تعقید معنوی وغیرہ۔ فارسی کے طویل اور پیچیدہ مرکبات اور غیر مانوس تشبیہات کی وجہ سے بھی ان کے اشعار مشکل نظر آتے ہیں۔

حامد حسن قادری نے غالب کے شارحین کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ غالب کی پہلی شرح خواجہ حالی نے ''یادگارِ غالب'' کے نام سے لکھی۔ ان کے بعد حسرت موہانی، آسی لکھنوی، نظم طباطبائی، قاضی سعید الدین، آغا محمد باقر، سہا بلند نگری، بے خود موہانی، عبد الرحمٰن بجنوری، نظامی بدایونی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

''مزاحیہ شرح غالب پر ایک نظر'' کے عنوان سے جو مضمون شامل کتاب ہے اس میں حامد حسن قادری نے مزاحیہ شرح کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ پہلی یہ کہ بات ظرافت کے رنگ میں کہی جائے اور ساتھ ہی شاعر کا نفس مضمون اور اصل خیال بھی واضح ہو جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شارح مزاحیہ مضمون پیدا کر دے۔

شارحینِ غالب کے حوالے سے حامد حسن قادری کا خیال ہے کہ سب سے مفصل اور مکمل شرح نظم طباطبائی کی ہے۔ مگر انھوں نے بھی غیر ضروری باتوں کا ذکر کر کے شرح کو ضخیم بنا دیا ہے۔ بعض جگہوں پر نظم طباطبائی نے مذہبی مسائل، عرب کی شاعری، دہلی اور لکھنؤ کی زبان سے بحث کی ہے۔

''کلامِ غالب کی تضمین'' میں حامد حسن قادری نے غالب کے قدر دانوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

شاعروں نے غالب کی غزلوں پر خمسے لکھے ہیں بلکہ غالب کی مثنویوں، قصیدوں اور قطعوں پر بھی خمسے لکھے گئے۔ مضمون کے آخر میں دوسرے معروف اور غیر معروف شاعروں کے کلام پر تضمین کا ذکر ہے۔ مثلاً داغ، میر تقی میر، شیخ سعدی، حضرت شاہ نیاز احمد، ریاض خیرآبادی، امیر مینائی، بیا میرٹھی، شاہ ابواشرف مجددی، حسرت موہانی، مرزا عزیز بیگ سہارنپوری اور صبا اکبرآبادی وغیرہ۔

''عروضی غلطیاں'' کے عنوان سے حامد حسن قادری نے عربی، فارسی شاعری کے حوالے سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ شاعری کے لیے ''عروض'' لفظ کا استعمال کب اور کہاں سے شروع ہوا اور ساتھ ہی اس بات کا بھی ذکر کیا ہے کہ اردو شاعری کے اوزان فارسی شاعری سے ماخوذ ہیں۔ اردو شاعری میں صرف عربی اور فارسی کے الفاظ اور محاورے ہی شامل نہیں بلکہ ہندی شاعری کے الفاظ اور محاورے بھی ملتے ہیں۔ اس مضمون میں حامد حسن قادری نے پنگل کی شاعری سے بھی بحث کی ہے اور یہ واضح کر دیا ہے کہ فارسی اور اردو میں پنگل کے اوزان رائج ہیں۔ مگر زیادہ تر ہندی شاعری میں پنگل کی بحریں اور اوزان ملتے ہیں۔ ساتھ ہی انھوں نے غالب کی شاعری میں استعمال ہونے والے اوزان اور بحور پر گفتگو کی ہے، لکھتے ہیں کہ غالب کی پوری شاعری مفعلن فاعلات، مفتعلن فع، مفعلن، مفتعلن فع والے اوزان میں آتی ہے۔ سیماب اکبرآبادی نے اپنے دیوان ''کلیم عجم'' میں ایک ایسی صنعت کا استعمال کیا ہے جس کا ہر مصرع دو مختلف وزن میں پڑھا جاسکتا ہے۔ حامد حسن قادری نے، جوش ملیح آبادی، صابر لکھنوی، مرزا عزیز بیگ سہارنپوری اور ریاض خیرآبادی کی شاعری میں ہونے والی زبان کی غلطیوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور ساتھ ہی ان حضرات کی شاعری میں استعمال ہونے والے اوزان کی نشان دہی کی ہے۔

''اصلاح اساتذہ پر ایک نظر'' میں حامد حسن قادری نے اٹھارھویں، انیسویں اور بیسویں صدی کے مشہور شاعروں کے انداز اصلاح پر مختصراً گفتگو کی ہے۔ ہر شاعر کا اپنا الگ انداز ہوتا ہے جس کی وجہ سے ایک مخصوص اسلوب بھی سامنے آتا ہے۔ حامد حسن قادری نے امیر مینائی، داغ دہلوی، سیماب اکبرآبادی اور عیش بھوپالی وغیرہ کے اندازِ اصلاح پر روشنی ڈالی ہے اور اصلاح کی خوبیاں اور خامیاں واضح کی ہیں۔

''آگرہ کا قدیم مشاعرہ فارسی'' میں اردو اور فارسی کی تاریخ سے بحث کی گئی ہے ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، امیر خسرو، فیض بیدل، ناصر علی وغیرہ کی ادبی خدمات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے قدیم شاعروں نے بہ قول حامد حسن قادری، فارسی الفاظ بندش، محاورے

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

طرز ادا کے ساتھ ہندی کے الفاظ کا بھی کثرت سے استعمال کیا ہے۔

''میاں نظیر اکبرآبادی'' میں حامد حسن قادری نے نظیر اکبرآبادی کی شاعرانہ خوبیوں اور خامیوں پر گفتگو کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ نظیر اکبرآبادی نے اردو شاعری کو نئی راہ دکھائی۔ اس کتاب میں ''آغا شاعر دہلوی'' کے عنوان سے ایک مضمون شامل ہے جس کے متعلق حامد حسن قادری ص ۱۹۹ پر لکھتے ہیں:

> ''اس مضمون کا اسلوب بیان ذرا بدلا ہوا نظر آئے گا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اصل میں نومشق ونوآموز طالب علموں کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس لیے مُعلّمانہ انداز پیدا ہوگیا ہے۔''[۱]

اس مضمون میں ذیلی عنوانات کے تحت مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ مثلاً آغا شاعر کے حالات، شاعر اور شاعری، شاعر کی شاعری، استاد کے ارشد تلامذہ، استاد کا ادب اور وقار، اصلاح اور اصلاح کی ترکیب وغیرہ۔

''خم خانۂ ریاض'' میں اردو کے چار شاعر، غالب، داغ، ریاض اور جگر مرادآبادی کے فن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ حامد حسن قادری نے ریاض خیرآبادی کی شاعرانہ خوبیوں اور خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کی وضاحت کی ہے کہ ریاض نے اپنی شاعری میں شراب اور مستی وغیرہ کو محض موضوع کے طور پر استعمال کیا ہے۔

''زبان کے چند نکتے'' چار حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے پہلے حصے میں فارسی اور اردو میں رائج محاورے، انقلابی شاعری اور ترقی پسند ادیبوں کے حوالے سے مختصر گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں پنجاب اور دکن کے علاقوں میں بولے جانے والے محاوروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان محاوروں کو دہلی اور لکھنؤ والے قدیم اردو کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ تیسرے حصے میں زبان کی اہمیت، صحت اور معیار سے بحث کی گئی ہے، جس میں زیادہ تر عربی اور فارسی کے الفاظ سے سروکار رکھا گیا ہے۔ چوتھے حصے میں انگریزی سے مستعار الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے۔

''تنقید کے نئے زاویے'' میں حامد حسن قادری نے مضمون کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''جولائی ۱۹۴۱ء کے رسالہ ''معاصر'' پٹنہ میں پروفیسر آل احمد سرور صاحب بدایونی کا ایک خط شائع ہوا تھا۔ جس میں معاصر کے بعض مضامین اور نظموں پر تنقید تھی۔ کلیم

---

[۱] حامد حسن قادری، نقد ونظر، ص ۱۹۹، اردو اکیڈمی آفسٹ پریس، کراچی، ۱۹۸۶ء

الدین احمد صاحب نے اپنا جواب خط کے نیچے درج کر دیا تھا۔ اس میں سرور صاحب کے خیالات کی تردید کی تھی۔''[۱]

اس مضمون میں یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ کلیم الدین احمد کی تنقید نگاری مشرقی نہیں بلکہ مغربی طرز کی ہے اور انھوں نے اردو غزل کے مزاج، ساخت اور طنز و مزاح وغیرہ سے بحث کی ہے۔

اس کتاب میں حامد حسن قادری نے غالب کی شرح کے علاوہ ''شرحِ درد پر تبصرہ'' بھی کیا ہے جس کے متعلق مضمون کے شروع ہی میں لکھتے ہیں۔

''شرحِ درد مجھے اس وقت ملی جب ''نقد و نظر'' کی کتابت ختم ہونے میں آخر کے چند مضمون رہ گئے تھے۔ اس لیے یہ تبصرہ بے جگہ نظر آتا ہے۔ شرح غالب کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔''[۲]

حامد حسن قادری نے اس تبصرے میں دیوانِ درد کی خوبیوں اور خامیوں کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ میر درد کے کلام میں دیگر شاعروں کے مقابلے میں تصوف کے اشعار زیادہ ملتے ہیں اور ان کے یہاں دہلی کی زبان، فلسفہ، علوم، فنون، موسیقی اور شہ سواری وغیرہ کی اصطلاحیں بھی ملتی ہیں۔

اس کتاب کے آخری مضمون ''آگرہ کے چار شاعر'' میں حامد حسن قادری نے خادم علی خاں اخضر، سید محمد علی شاہ میکش، سیماب اکبر آبادی، اور شکور احمد رعنا کی شاعری کو موضوع گفتگو بنایا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ ان شعراء کے یہاں قدیم رنگ سخن ملتا ہے۔

اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی عبدالحق نے انجمن ترقی اردو ہند کے سہ ماہی رسالہ ''اردو''، جلد ۲۲، شمارہ ۸۸، اکتوبر ۱۹۲۴ء میں لکھا تھا:

''اس کتاب میں پہلے تین مضمون (جو ۹۵ صفحوں پر پھیلے ہوئے ہیں) غالب کی شرحیں، مزاحیہ شرحِ غالب پر ایک نظر، کلام غالب کی تضمین بہت دل چسپ ہیں۔ ''غالب کی شرحیں'' والا مضمون دیکھ کر میرے دل میں بھی گدگدی ہوئی کہ کچھ لکھوں لیکن نہ اتنی فرصت

۱۔ حامد حسن قادری، نقد و نظر، ص ۲۳۶، اردو اکیڈمی آفسٹ پریس، کراچی، ۱۹۸۶ء

۲۔ ایضاً، ص ۲۷۳

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اور نہ اس تبصرے میں اتنی گنجائش۔ حیدر آباد دکن میں طباطبائی صاحب ایک بار مولانا حالی سے ملنے آئے۔ اثنائے ملاقات میں انھوں نے پوچھا کہ میری شرح غالب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے (طباطبائی صاحب کا یہ استفسار مجھے کچھ بے محل سا معلوم ہوا)۔ مولانا نے کہا کہ اب تک جتنی شرحیں لکھی گئی ہیں ان سب میں بہتر ہے۔ طباطبائی صاحب یہ سن بہت خوش ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے اس شرح کے بعض مقامات پڑھ کر سنائے تو مولوی صاحب بہت گھبرائے اور کہنے لگے کہ میں نے سرسری طور پر کہیں کہیں سے دیکھی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اس میں یہ گن بھرے ہوئے ہیں۔ قادری صاحب نے جو تنقید ان شرحوں پر لکھی ہے اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے اچھے استاد اور صاحب نظر بھی معمولی معمولی باتوں میں کیسے غچے کھا جاتے ہیں۔ رہی آسی صاحب کی شرح تو وہ ایک مجموعۂ لطائف ہے۔ ان تین مضمونوں کے بعد ایک مضمون عروضی غلطیوں پر ہے۔ مدرسوں اور کالجوں میں بحث کے لیے خوب ہے۔ اس کے بعد اصلاحِ اساتذہ پر ایک نظر ہے۔ اس میں قادری صاحب نے اساتذہ کی اصلاحوں پر تنقید کی ہے اور ان کے حسن و قبح پر رائے دی ہے۔ دلچسپ مضمون ہے۔ جن کو شاعری کا نیا نیا شوق ہوا ہے انھیں خاص کر بہت پسند آئے گا۔

ان مضمونوں کے بعد ''آگرے کا ایک قدیم مشاعرہ'' ہے۔ ایک تاریخی چیز ہے اور بس۔ اس مشاعرے کا ذکر گارساں دتاسی نے اپنے ایک خطبے (سنہ ۱۸۶۹ء) میں کیا ہے۔ قادری صاحب نے وہ مشاعرہ ڈھونڈ نکالا۔ گارساں دتاسی کا حوالہ دیتے ہوئے حاشیے میں لکھا ہے ''گارساں دتاسی فرانس کا مشہور عالم پروفیسر تھا۔ ہندوستان میں اردو سیکھی اور اس سے ایسا عشق ہو گیا کہ اپنے وطن جا کر ہر سال دسمبر میں پیرس کی یونیورسٹی میں طالب علموں اور عام شائقین کے سامنے اردو زبان پر لکچر دیتا تھا''۔ یہ صحیح نہیں۔ گارساں دتاسی کبھی ہندوستان نہیں آیا۔ خواہ مخواہ پیرس کی یونیورسٹی میں لکچر نہیں دیتا تھا بلکہ وہ یونیورسٹی میں السنۂ مشرقیہ کا پروفیسر تھا۔ اگر قادری صاحب خطباتِ گارساں دتاسی کا دیباچہ ملاحظہ فرما لیتے تو یہ غلطی نہ کرتے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''آگرے کا ایک قدیم مشاعرہ'' کے ساتھ ''آگرے کا قدیم مشاعرہ فارسی'' کا بھی ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے مضامین نظر اکبر آبادی، آغا شاعر دہلوی، خمخانۂ ریاض، زبان کے چند نکتے، تنقید کے نئے زاویے، شرح درد پر تبصرہ، آگرے کے چار شاعر ہیں۔ تنقید کے نئے زاویوں اور زبان کے چند نکتوں میں چھیڑ چھاڑ ہے لیکن کام کی باتیں بھی آ گئی ہیں''۔[۱]

''کمالِ داغ مع مقدمہ و تنقید'' پہلی بار آگرہ اخبار برقی پریس سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ اس اشاعت کے متعلق رسالہ ''شاعر'' کے ایڈیٹر سیماب اکبر آبادی اپنے خیالات کا اظہار ان جملوں میں کرتے ہیں:

''کمال داغ ایک ایسے ہی تربیت یافتہ دماغ کا کمال ہے جس میں اُردو غزل گوئی پر ریویو کرتے ہوئے میر، میر اثر، مصحفی، جرات، ذوق، غالب، اور مومن کا اسلوبِ بیان دکھا کر فصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی مرحوم و مغفور کے شاعرانہ امتیازات دکھائے گئے ہیں اور ان کے کلام کا تجزیہ کر کے ان کی شاعری پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مقدمہ ۱۱۱ صفحات پر ختم ہوا ہے جس میں محاکمہ اور موازنہ ہر چیز موجود ہے۔ کہیں کہیں اظہارِ خیال میں تضاد بھی ہے۔ مثلاً غزل جدید کا نقص دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''جدید غزل میں رفعتِ تخیل ہے، تغزل نہیں''۔ (صفحہ ۱۱)۔ فرماتے ہیں کہ ''دورِ جدید کے شعرائے غزل کا کلام بھی صحیح رنگِ تغزل سے خالی نہیں''۔ (صفحہ ۱۴)۔

مرزا داغ کی غزل گوئی پر تبصرہ محنت اور وسعت نظر سے کیا گیا ہے لیکن داغ کی برتری، امیر پر دکھاتے ہوئے ایک جگہ تو یہ رائے دی ہے کہ داغ کو نہ صرف امیر پر بلکہ اپنے تمام ہم عصروں پر فضیلت ہے کہ وہ لطفِ زبان، شوخی بیان، معاملہ بندی اور بانکپن کے ساتھ جدتِ ادا دلکش و عجیب رکھتے ہیں۔ یہ وہ خاص رنگ ہے جس میں ان کا کوئی حریف و ہمسر نہیں'' (صفحہ ۸۵)۔ دوسری جگہ جہاں مرزا کے متعلق آخری فیصلہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ''جذبات و معاملات میں داغ امیر کے بعد اور جلال سے پہلے ہیں۔ جدتِ ادا میں مومن و

---

[۱] مولوی عبدالحق، سہ ماہی رسالہ ''اردو''، ص ص ۵۴۴-۵۴۵، جلد ۲۲، شمارہ ۸۸، انجمن ترقی اردو ہند، اکتوبر ۱۹۲۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

غالب کے بعد داغ کا درجہ ہے'' (صفحہ ۱۱۰-۱۰۹)۔ اپنے اسی فیصلے میں مولف کی ذاتی رائے یہ ہے کہ جذبات و معاملاتِ بوالہوسانہ میں داغ تمام مشاہیرِ غزل سے بڑھے ہوئے ہیں اور یہ ان کے دامن پر بدنما داغ ہے اور فحش و ہزل داغ کا بدترین اعمال نامہ ہے۔ ہماری رائے میں یہ فیصلہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ مرزا داغ کے ہزاروں اشعار میں سے صرف آٹھ دس اشعار ایسے چُنے جاسکتے ہیں جو بلحاظِ تخیل خلافِ متانت سمجھے جائیں۔ لیکن صرف چند اشعار پر کسی شاعر کی تمام کائناتِ فکر کو مذموم، بدترین اور بدنما ٹھہرا دینا تجاوز عاجلانہ ہے۔ بحث ہمیشہ کل سے ہوتی ہے، جزو سے نہیں ہوتی، خصوصاً جب کہ اسی کتاب میں دوسرے معاصرینِ داغ اور قدما کے کلام میں داغ سے زیادہ سوقیت، رکاکت اور عریانی، دکھائی جاچکی ہے۔

اس نقص کی ذمہ داری دیوان مرتّب کرنے والوں پر ہے جنھوں نے بغیر خیال تنقید وہ چند اشعار بھی شریکِ دیوان کردیے جو مرزا نے بطور تفنن مزاح کبھی کہے ہوں گے۔ خود مصنف کمال داغ نے ایک سو بائیس صفحات میں گلزار داغ، آفتاب داغ، مہتاب داغ اور یادگار داغ سے جو اشعار انتخاب کیے ہیں کیا ان میں کوئی ایک شعر بھی ایسا ہے جسے مرزا داغ کی عظمتِ شاعرانہ کے خلاف پیش کیا جاسکے؟ ناشرین دیوان داغ اگر آئندہ ایڈیشن میں ان اشعار کو حذف کردیں تو یہ بحث ہمیشہ کے لیے ختم ہوجاتی ہے۔

''کمال داغ'' کی زبان وہی زبان ہے جو تذکروں کی ہونی چاہیے۔ ہر عنوان کے مندرجات سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کو شعرائے متقدمین و متاخرین کے کلام پر کافی عبور ہے۔

اگر اس کتاب میں فصیح الملک داغ مرحوم کے مختصر سوانح حیات مفصلاً لکھ دیے جاتے تو کتاب کی جامعیت میں پھر کوئی کمی باقی نہ رہتی اور مرزا داغ کے متعلق تمام معلومات ایک جگہ فراہم ہوسکتیں۔'' [۱]

پہلا ایڈیشن ۱۴۰ صفحہ پر مشتمل ہے۔ حامد حسن قادری اس کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

---

[۱] سیماب اکبرآبادی، تنقید: کمالِ داغ، رسالہ شاعر ص ۲۳، جلد ۸، شمارہ ۱، آگرہ، جنوری ۱۹۳۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''کمالِ داغ'' میں صرف غزلوں کا انتخاب ہے۔ اس لیے مقدمہ میں بھی صرف داغ کی غزل گوئی پر تنقید کی گئی ہے اور اسی لیے اردو شاعری میں صرف غزل پر ریویو کیا گیا ہے۔''[۱]

کتاب کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حامد حسن قادری نے داغ کے عمدہ اشعار منتخب کیے ہیں۔ دوسرا ایڈیشن تقریباً ساٹھ صفحات کے اضافہ کے ساتھ اسی ادارے یعنی آگرہ اخبار برقی پریس سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔ دوسری اشاعت میں دیباچہ اول بھی شامل ہے۔ یہ کتاب دوسو صفحات پر مشتمل ہے۔ حامد حسن قادری دوسری طباعت کے متعلق دیباچۂ ثانی میں لکھتے ہیں:

''جب ۱۹۴۴ء میں دوسرے ایڈیشن کی تیاری ہوئی تو میں نے پھر تمام دیوان پڑھ کر انتخاب کو بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔ یعنی پہلے انتخاب کے ۱۴۰ صفحات تھے۔ اب ۲۰۰ صفحے ہیں۔ کمال داغ کی دوبارہ طباعت ۱۹۴۸ء میں شروع ہوگئی تھی۔ لیکن کتابت کی تکمیل اور تجلید میں ناگزیر اسباب کی بنا پر تاخیر ہوتی رہی۔ آخر آغاز کتابت سے دس گیارہ سال بعد دوسرے ایڈیشن کی اشاعت کی نوبت آئی ہے۔''[۲]

اس کتاب کی اشاعت پاکستان میں پہلی بار اکیڈمک آفسٹ پریس کراچی سے ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔ زیر نظر کتاب ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول میں مقدمہ وتنقید یعنی اردو غزل گوئی پر ریویو، انقلاب تغزل کے اسباب اور داغ کی غزل گوئی پر تبصرہ ہے دوسرے حصے میں داغ کے چاروں دیوان یعنی 'انتخابِ گلزارِ داغ'، 'آفتابِ داغ'، 'انتخابِ یادگارِ داغ' اور 'مہتابِ داغ' سے اشعار منتخب کیے گئے ہیں۔ حامد حسن قادری دیباچہ اشاعت اول میں لکھتے ہیں کہ:

''یہ انتخاب بہ ظاہر سخت نظر آئے گا، لیکن اگر احتیاط نہ برتی جاتی تو داغ آخری دور کے بہترین شاعر نظر نہ آسکتے۔''[۳]

حامد حسن قادری نے پہلے حصے میں ذیلی عنوانات کے تحت غزل کے متعلق کئی پہلو سے گفتگو کی

۱۔ حامد حسن قادری، کمالِ داغ: مع مقدمہ وتنقید، دیباچہ ص ا، اکیڈمک آفسٹ پریس، کراچی ۱۹۸۵ء

۲۔ ایضاً، ص ا

۳۔ ایضاً، ص ا

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ہے۔ مثلاً غزل کی اولیت، غزل کی خوبیاں، درد اور غالب کا ذوق سلیم، غزل کے مختلف مضامین، غزل کی اصلی شان، غزل قدیم کے عیوب، غزلِ جدید اور اس کا نقص، غزل جدید میں صحیح تغزل، غزل قدیم میں صحیح تغزلِ رنگ، غزل میں تغزل اور شعرائے قدیم کا بہترین رنگ تغزل وغیرہ۔ انھوں نے میر تقی میر، میر اثر، مصحفی، جرات، ذوق، غالب اور مومن کے اشعار بہ طور نمونہ پیش کیے ہیں۔

حامد حسن قادری کا خیال ہے کہ اردو کے قدیم شاعروں نے تغزل کا خاص خیال رکھا ہے، متوسط دور کے شاعروں نے اسے بگاڑ دیا ہے اور آخری دور کے شاعروں نے اسے پست اور ادنیٰ بنا دیا ہے۔ اور جدید دور کے شاعروں نے تغزل کو ترک کر دیا ہے۔ ساتھ ہی حامد حسن قادری نے قدیم دور کے معروف شاعروں میں میر، میر اثر، مصحفی، جرات، ذوق، غالب اور مومن وغیرہ کے رنگ تغزل پر روشنی ڈالی ہے اور یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان شاعروں کے کلام میں جذبات حسن و عشق کا بیان نیچرل انداز میں پایا جاتا ہے۔ حامد حسن قادری نے جدید اور قدیم غزل کے فرق کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ دونوں کے مضامین اور اسلوب میں فرق ہے۔

''انقلاب تغزل کے اسباب'' میں حامد حسن قادری نے تین باتوں کی نشان دہی کی ہے۔ پہلا سبب مغربی تعلیم، دوسرا مغربی تہذیب اور اخلاق تیسرا سبب جدید دور کی تہذیب اور آزادی وغیرہ۔ حامد حسن قادری کا خیال ہے کہ اردو شاعر انگریزی شاعروں شیکسپیر، ملٹن، ڈرائڈن، ورڈز ورتھ، براوننگ اور ٹینی سن وغیرہ سے متاثر ہوئے۔ جس کا اثر اردو شاعری پر پڑا ہے۔ جدید مغربی علوم مثلاً ریاضی، سائنس فلسفہ منطق اور معاشیات وغیرہ نے بھی اس میں حصہ لیا۔ مضمون کے آخر میں حامد حسن قادری نے غالب اور اقبال کے پندرہ اشعار بہ طور نمونہ نقل کیے ہیں۔

حامد حسن قادری نے مغربی تہذیب اور اخلاق پر بھی سرسری گفتگو کی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہندوستان میں مغل سلطنت کے زوال کے بعد انگریزوں نے ہماری معاشرت، تہذیب، اخلاق اور ادب پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ موصوف نے حسرت، عزیز، اقبال، مظہر، درد، مینائی، جرات، انشا، داغ، ریاض اور جلیل وغیرہ کے اشعار بھی بر سبیل تذکرہ نقل کیے ہیں۔

حامد حسن قادری نے جدید دور کی تہذیب، عورتوں کی بے پردگی اور معاشرے میں اس کے اثر سے پیدا ہونے والے نتائج گنائے ہیں، ساتھ ہی یہ واضح کیا ہے کہ عورتوں کی آزادی مغرب کی دین ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری نے عورتوں کی آزادی کے منفی پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ پرانے زمانے میں بازارِ حسن جو کہ شہر کے کسی خاص حصے تک ہی محدود ہوتا تھا اب ہر راہ، ہر بازار، ہر محفل میں موجود ہے۔ اس سے انسانی زندگی کے اخلاق اور اعمال پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

حامد حسن قادری نے ''داغ کی غزل گوئی پر تبصرہ'' بھی کیا ہے۔ اور فٹ نوٹ میں داغ کی زندگی میں ہونے والے نشیب و فراز پر گفتگو کی ہے۔ داغ اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ خوش قسمت تھے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے پچیس سال قلعہ میں گزار دیے۔ ان کی پرورش بیگمات اور شہزادوں کے درمیان ہوئی۔

حامد حسن قادری نے داغ کی شاعرانہ خوبیوں کی نشاندہی کی ہے اور زبان، محاورے، فقروں کے توازن، جدت ادا، شوخی و ظرافت، اخلاق اور تصوف کے علاوہ خمریات داغ پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

خمریات داغ کے متعلق آل احمد سرور اپنی کتاب ''تنقیدی اشارے'' کے ص ۳۷ پر لکھتے ہیں:

''...غالب کے بعد داغ نے بھی خمریات کے تمام مدارج کو اپنی غزلوں میں برتا ہے۔ داغ کا حال بھی غالب کا سا ہے، دونوں ہم مشرب ہیں۔''[۱]

''انتخابِ دیوانِ مومن مع شرح و تنقید'' کی اشاعتِ اول کے متعلق حامد حسن قادری کے بیٹے خالد حسن قادری ان کے خطوط کے پہلے مجموعہ ''مکتوباتِ قادری'' کے (حاشیہ مکتوب نمبر ۲۴) ص ۱۳۰ پر رقم طراز ہیں:

''انتخاب و شرحِ مومن، والد صاحب قبلہ نے آگرہ میں یہ کتاب شروع کی تھی اور وہیں جنوری ۱۹۵۲ء میں ختم کر دی تھی۔ پھر کراچی میں دسمبر ۱۹۵۶ء میں مسودہ پر نظر ثانی فرمائی اور اس کا دیباچہ کراچی، ناظم آباد بڑا میدان میں ۱۶/ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں تحریر فرمایا۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ نے جناب پروفیسر آل احمد صاحب سرور کی نگرانی میں شائع کی۔''[۲]

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حامد حسن قادری کی اس کتاب کا سنہ تالیف ۱۹۵۲ء ہے۔ پہلی بار یہ کتاب انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع ہوئی۔ اکتوبر ۱۹۵۶ء میں کراچی ناظم آباد سے

۱۔ آل احمد سرور، تنقیدی اشارے، ص ۳۷، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس ۱۹۴۲ء

۲۔ حامد حسن قادری، مکتوباتِ قادری، پہلا ایڈیشن، ص ۱۳۰، لاہور، نگارشات پبلشر ۱۹۹۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اس کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن منظر عام پر آیا۔ ہندوستان میں دوبارہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے مئی ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔ اس ایڈیشن میں دوسو آٹھ صفحات ہیں۔ پھر تیسری بار یہ کتاب انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے مارچ ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی۔ زیر نظر ایڈیشن دوسو صفحات پر مشتمل ہے۔

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ حامد حسن قادری نے مومن کے دیوان سے شعروں کا انتخاب کیا ہے اور ان اشعار کی شرح کی ہے۔ حامد حسن قادری سے پہلے مومن کے دیوان کی مکمل شرح پروفیسر ضیاء احمد بدایونی کر چکے تھے۔ جس کا ذکر حامد حسن قادری نے بھی اس کتاب کے دیباچہ میں کیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''... مومن اور غالب دونوں کی شرحوں میں مجھے ہمیشہ سے یہ کمی نظر آئی تھی کہ شارحین نے صرف معانی و مطالبِ اشعار کی وضاحت کردی ہے۔ مختلف اشعار کے ذیل میں جو دوسرے بہت سے مسائل شعروادب، زبان و بیان، اسلوب و تخیل کے آجاتے ہیں، ان کی توضیح و تنقید شاذ و نادر کی گئی اور کسی کسی نے کی بھی مثلاً نظم طباطبائی صاحب اور آسی صاحب نے تو بیچ میں انھوں نے اپنی بہت سی ''لن ترانیاں'' شامل کردیں۔''[۱]

حامد حسن قادری نے سابقہ شارحین کی کمیوں کو مدِ نظر رکھ کر یہ کتاب تیار کی ہے۔ ساتھ ہی انھوں نے مومن کے تقریباً تمام اچھے اور بعض کم تر درجے کے اشعار بھی شامل کیے ہیں اور ان کی مدد سے مومن کے کلام اور ان کے شعری ذوق کی وضاحت کرنے کی کوشش کی ہے۔ حامد حسن قادری دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:

> ''...میں نے غزلیاتِ مومن کا انتخاب کیا ہے اور شرح لکھی ہے۔ تمام دیوان اور اس کی شرح کو لکھنا نہ تھا۔ یہ کام پروفیسر ضیاء احمد صاحب بہتر سے بہتر کر چکے تھے۔ میں نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے۔ میں نے اچھے اچھے اشعار سب نہیں تو اکثر لے لیے ہیں۔ انتخاب و اختصار مدنظر تھا۔ اس لیے اسی پایہ کے اچھے اشعار چھوٹ بھی گئے ہیں۔ مومن کے مرتبۂ کمال کو ثابت کرنے کے لیے میرے خیال میں یہ انتخاب کافی ہے۔ بُرے اور بھدّے اشعار بھی میں نے شامل کیے ہیں، صرف اس خیال سے کہ مومن کی افتادہ طبع کا اندازہ بغیر ایسے اشعار کے نہ ہوتا۔''[۲]

---

[۱] حامد حسن قادری، انتخابِ دیوانِ مومن: مع شرح و تنقید، دیباچہ، ص ۵، علی گڑھ لیتھو کلر پرنٹرس ۱۹۷۳ء

[۲] ایضاً، ص ۶

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

انھوں نے بعض اشعار پر گفتگو کرتے ہوئے مومن کی مثنویوں کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مومن نے اپنی مثنویوں میں اپنی زندگی میں پیش آئے واقعات بھی نظم کیے ہیں مثلاً کلیاتِ مومن کی پہلی مثنوی میں مومن خاں نے آغاز شباب اور عشق بازی وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ حامد حسن قادری اس مثنوی کو ان کی مشہور غزل سے جوڑ کر دیکھتے ہیں:

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا ، تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومن کے ایک اور شعر کے حوالے سے حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''وہ دن گئے کہ لاف و گزاف جہاد تھا
مومن ہلاک کی خنجر ناز تیاں ہے اب

یہ مضمون جہاد بھی حیات مومن کا ایک واقعہ ہے۔''[۱]

اس شرح میں حامد حسن قادری نے ایک شعر کے کئی مفہوم بتائے ہیں۔ ساتھ ہی دوسرے شارحین کے مطلب سے اختلاف بھی کیا ہے۔ص ۳۳ پر لکھتے ہیں:

''تھی کمینِ غارت بوس دہن ہنگامِ خواب
شب کی بیداری، سحر کا خواب رہزن ہوگیا

اس زمین کی پہلی غزل پوری ناسخ کے رنگ میں ہے اس لیے سب بے لطف ہے۔ مومن خود بھی اس بات کو سمجھتے ہیں۔ اس لیے دوسری غزل اپنے رنگ میں لکھتے ہیں اور پہلی غزل کے مقطع میں کہتے ہیں:

اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومن نے غزل

اس شعر کو یہاں اس لیے لکھا گیا ہے کہ اس کا جو مفہوم بعض حضرات سمجھتے ہیں اس سے مجھے اختلاف ہے۔

دوسروں کا مفہوم یہ ہے کہ معشوق وصل میں رات بھر جاگتا رہا۔ آخر صبح ہوتے نیند آ ہی گئی۔ اس کے سو جانے پر عاشق کو بوسۂ دہن کا موقع ملا گویا بوسہ دہن لینے کی خواہش

---

[۱] حامد حسن قادری، انتخابِ دیوانِ مومن: مع شرح وتنقید، ص ۵۲، علی گڑھ لیتھو کلر پرنٹرس ۱۹۷۳ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رات بھر گھات میں رہی اور وقتِ سحر محبوب کو محوِ خواب پا کر قزاقوں کی طرح لوٹنے کے لیے کہیں سے باہر..... آئی۔

لیکن مومن خاں شب کی بیداری کو سحر کا خواب رہزن کہتے ہیں۔ اور رہزن کا خواب سحر غارت گری سے محرومی کا باعث ہوتا ہے اس لیے شب کی بیداری محرومی کا باعث ہوتا ہے اس لیے شب کی بیداری محرومی کا سبب ہونی چاہیے۔ اس کے علاوہ یہ بات کہیں سے نہیں نکلتی کہ محبوب سحر کے وقت سو گیا۔

میرے نزدیک یہ مفہوم ہے کہ ہم اس فکر میں تھے کہ وہ سو جائے تو بوسہ لیں مگر وہ سویا ہی نہیں، رات بھر جاگتا رہا اس کی بیداری شب ہمارے حق میں رہزن کا خواب سحر ہوگئی۔ ایک ایڈیشن میں پہلے مصرعے میں ''کمین غارت بوس دہن'' کی جگہ ''کمین میں غارت بوس دہن'' ہے لیکن میں نے اس شعر کو کلیات مومن کے سب سے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۸۶۷ء) کے مطابق نقل کیا ہے۔ اس میں (میں) کا لفظ نہیں ہے بلکہ اضافت ہے معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی رہے گا۔''[۱]

حامد حسن قادری نے مومن کے خیالات کی بلندی، پیچ وخم، طرز بیان، مضمون آفرینی وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔ پروفیسر ضیاء احمد بدایونی اپنی کتاب دیوان مومن مع شرح کے ص ۵۵ پر مومن کی مضمون آفرینی کے متعلق لکھتے ہیں:

''مومن بھی فارسی کے شاعر تھے۔ اس لیے اس رنگ سے ان کا آشنا ہونا ناگزیر تھا۔ تاہم اردو میں سب سے پہلے اور سب سے آخر انھوں نے ہی اس کو برتا اور اپنی دوسری خصوصیاتِ کلام سے اس کو اپنا لیا۔''[۲]

حامد حسن قادری نے مومن کے رنگِ سخن کو واضح کرنے کے لیے چند بے لطف اور بھدے اشعار کا انتخاب بھی کیا ہے۔ ص ۴۶ پر لکھتے ہیں:

۱۔ حامد حسن قادری، انتخابِ دیوانِ مومن: مع شرح وتنقید، ص ۳۳، علی گڑھ لیتھو کلر پرنٹرس ۱۹۷۳ء

۲۔ ضیا احمد بدایونی، دیوانِ مومن مع شرح، ص ۵۵، الہ آباد، شانتی پریس ۱۹۶۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''ہے صلح عدوے خط تھی جنگ غلط فہمی
جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا
دیوانے کے ہاتھ آیا کب بند قبا اس کا
ناحق نہ بڑھ جاتے تو عقدہ یہ وا ہوتا

یہ دونوں مصرعے مومن کے خاص رنگ کے ہیں مگر دونوں بے مزہ۔
مضمون بھی بے اثر پیچ وخم بھی بے لطف۔''[۱]

حامد حسن قادری نے ضیاء احمد بدایونی کے معنی جہاں بہتر نہیں تھے، وہاں اپنے معنی لکھے ہیں۔ غالب، شیفہ، داغ اور امیر مینائی وغیرہ کے اشعار بھی بہ طور نمونہ نقل کیے ہیں۔

غالب سے متعلق حامد حسن قادری کے تمام مضامین کو ادارہ یادگارِ غالب کراچی نے ۲۰۰۱ء میں یکجا شائع کر دیا ہے۔ اس کتاب کا نام ''غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین'' ہے۔ کتاب کی ابتدا میں ''ادارہ'' کی طرف سے مندرجہ ذیل اطلاع فراہم کی گئی ہے:

''مولانا قادری کی غالب سے متعلق تحریریں کبھی کتابی صورت میں یک جا نہیں کی گئیں۔ ادارۂ یادگار غالب کی درخواست پر مولانا کے فرزند ڈاکٹر خالد حسن قادری نے ان تحریروں کو مرتب فرما دیا ہے اور اب یہ پہلی بار کتابی صورت میں شائع ہو رہی ہے۔''[۲]

یہ کتاب نو مضامین اور دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ فہرست مضامین اس طرح ہے: غالب کی اردو نثر، خطوط غالب، غالب کی شرحیں، کلامِ غالب کی تضمین، غالب کی رباعیات فارسی، غالب کے دو نئے شعر، احوال غالب از کلام غالب، احوال غالب بہ شعر فارسی، افکار غالب، مزاحیہ شرح دیوانِ غالب پر ایک نظر اور غالب کے دو غیر مطبوعہ شعر۔ ان مضامین میں ''غالب کی شرحیں، کلام غالب کی تضمین اور مزاحیہ دیوانِ غالب پر ایک نظر'' حامد حسن قادری کی کتاب ''نقد و نظر'' میں شامل ہے۔ گزشتہ صفحات میں ان کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کا پہلا مضمون ''غالب کی اردو نثر'' ''داستانِ تاریخ اردو'' میں شامل ہے۔ حامد حسن

۱۔ حامد حسن قادری، انتخابِ دیوانِ مومن: مع شرح وتنقید، ص ۴۷، علی گڑھ لیتھو کلر پرنٹرس ۱۹۷۳ء

۲۔ حامد حسن قادری، غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین، ص ۷، ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی ۲۰۰۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

قادری نے اس مضمون میں غالب کے حالات زندگی، فارسی کی کتابیں اور اردو خطوط کے امتیازات پر روشنی ڈالی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ان خطوط سے غالب کی پوری زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ غالب کے مکتوبات کی نمایاں خوبی ظرافت ہے۔ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی اپنے مضمون ''غالب کی نثر - چند گزارشات'' میں لکھتے ہیں:

''... غالب کے خطوط میں شوخی، ظرافت، بذلہ سنجی، طنز بلیغ، ہجو، ملیح اور دعائے لطیف کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔'' [۱]

حامد حسن قادری کا مضمون ''خطوطِ غالب'' پہلی بار ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا تھا۔ حامد حسن قادری نے غالب کے خطوط کی اہمیت بتاتے ہوئے حالی کے حوالے بھی دیے ہیں۔ حالی نے غالب کے خطوں کو اردو ناول اور ڈرامے سے زیادہ دل چسپ قرار دیا تھا۔ بہ قول خواجہ الطاف حسین حالی:

''... مرزا کی تحریر کی جو خصوصیتیں ... ان کے مکاتبات کو ناول اور ڈراما سے زیادہ دل چسپ بنا دیا ہے وہ شوخیِ تحریر ہے''۔ [۲]

اس کتاب میں غالب کی ''رباعیاتِ فارسی'' کے عنوان سے جو مضمون شامل ہے وہ پہلی بار رسالہ ''چمنستان'' دہلی اکتوبر ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا تھا۔ حامد حسن قادری نے ان رباعیات کے حوالے سے غالب کے نسب، پیشہ، مذہب، پنشن، شراب نوشی، شوخی، بے روزگاری وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

حامد حسن قادری کا ایک مضمون بہ عنوان ''غالب کے دو غیر مطبوعہ شعر'' رسالہ ''نیرنگ'' (خاص نمبر جلد ۴ شمارہ ۱) جنوری ۱۹۲۸ء، میں پہلی بار شائع ہوا تھا۔ یہی مضمون اس کتاب میں ''غالب کے دو نئے شعر'' کے عنوان سے شامل ہے۔ مضمون کا آغاز ان جملوں سے ہوتا ہے:

''میرے خاندان میں قدیم کتب خانے میں غالب کے دیوان کی تیسری اشاعت کا ایک نسخہ ہے، جو غالب کی زندگی میں منشی نرائن کے اہتمام سے مطبع مفید خلائق آگرہ میں ۱۸۶۳ء میں چھپا ہے۔'' [۳]

دوسرا مضمون ''احوال غالب از کلام غالب'' ہے جو رسالہ ''مخزن'' (شمارہ ۶ - ۱۹۳۰ء) میں راقمہ کی

۱۔ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی، غالب کی نثر - چند گزارشات، رسالہ فکر و نظر، ص ۵۱، جلد ۴۳، شمارہ ۱، علی گڑھ، جنوری تا مارچ ۲۰۰۶ء

۲۔ خواجہ الطاف حسین حالی، یادگار غالب، ص ۱۷۸، غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی، ۱۹۹۶ء

۳۔ حامد حسن قادری ''غالب کے دو غیر مطبوعہ شعر'' رسالہ نیرنگ، (خصوصی نمبر) ص ۱۰۶، جلد ۴، شمارہ ۱، رامپور، جنوری ۱۹۲۸ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نظر سے گزر چکا ہے۔ اس مضمون کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

''کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

غالب کی بڑی خوش نصیبی ہے کہ اس کی قدر نہ صرف اس کی زندگی میں ہوئی، بلکہ مرنے کے بعد اس سے زیادہ ہوئی۔ زندگی میں بہت سے ایسے حالات واسباب ہوسکتے ہیں کہ بے لوث وغیر جانب دارانہ قدر وستائش کا صحیح اندازہ نہ ہوسکے۔ لیکن ایسے زمانے میں جب کہ شاعر کے دیکھنے والے بھی گنتی کے رہ گئے ہوں۔ شاعر کی قدر ہونا، بے شبہ اس کی اصل قدر اور اس کے کمال کی واقعی دلیل ہے۔''[۱]

اس کتاب میں یہ مضمون ''احوال غالب بہ شعر فارسی'' کے عنوان سے شامل ہے۔ کتاب میں شامل مضمون میں انھوں نے فارسی اشعار کے حوالے سے غالب کی سوانح عمری مرتب کرنے کی کوشش کی ہے اور اشعار کا انتخاب اس طرح کیا گیا ہے کہ غالب کی زندگی کے تمام نشیب وفراز واضح ہوجاتے ہیں۔ غالب کے اشعار میں ان کے آبائی پیشہ، مذہب، مسلک، عقائد، یادِ رفتگاں، فکر احباب اور شکایتِ روزگار کا ذکر ملتا ہے۔ حامد حسن قادری نے ان تمام اشعار کو سلیقے سے یکجا کردیا ہے۔ یہ منظوم مضمون دوسو تیس اشعار پر مشتمل ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

''غالب چوں ز ناسازیِ فرجام نصیب
ہم بیمِ عدو دارم و ہم ذوقِ حبیب
تاریخِ ولادت من از عالمِ قدس
ہم شورش شوق آمد و ہم لفظ غریب
۱۲۱۲ ۱۲۱۲''[۲]
وقتِ حاجت ہر کہ گوید یاعلی
یا حقش کار است و یوزش باعلی

---

[۱] حامد حسن قادری، ''احوال غالب از کلام غالب'' رسالہ مخزن، ص ۲۴، دسمبر ۱۹۳۰ء

[۲] حامد حسن قادری، غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین، ص ۱۵۶، ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی ۲۰۰۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

یا محمد جاں فزاید گفتنش
چوں اعانت خواہی از یزدانِ پاک
یا معین الدین اگر گوئی چہ باک
ابلہاں را زانکہ دانش نارسا ست
گفتگو ہا بر سرِ حرفِ ندا ست''[۱]

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب ''افکارِ غالب'' پر حامد حسن قادری کا تبصرہ ''افکارِ غالب۔ایک تبصرہ'' کے عنوان سے سہ ماہی رسالہ ''اردو'' کراچی اکتوبر ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا تھا۔اس مضمون میں حامد حسن قادری نے غالب کے اردو فارسی کے منتخب اشعار پر تنقید کی ہے۔انھوں نے خلیفہ عبدالحکیم کی کئی تشریحات اور مفروضات سے اختلاف کیا ہے۔حامد حسن قادری نے اس تبصرے میں اس نکتے پر زور دیا ہے کہ بعض اوقات شاعری اور فلسفے کی حدیں آپس میں مل جاتی ہیں مگر شاعر اور فلسفی مشکل سے قریب آتے ہیں۔لکھتے ہیں:

''عجیب و دلچسپ حقیقت ہے کہ شاعری اور فلسفے کی حدیں بہت جلدی آپس میں مل جاتی ہیں یا ملتی نظر آتی ہیں۔لیکن شاعر اور فلسفی بڑی مشکل سے قریب آتے ہیں، دونوں کا متحد ہونا تو نہایت دشوار ہوتا ہے۔''[۲]

اس تبصرے میں حامد حسن قادری نے غالب کے اشعار کے امتیازی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ غالب کے امتیازات میں اس کا استفہامی انداز بیان بھی اہمیت رکھتا ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنی کتاب ''شعر شور انگیز'' میں غالب کے اس پہلو کا ذکر کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا ہے کہ:

''غالب کے یہاں استفہام کی فراوانی میر سے زیادہ ہے، اس لیے ان کا کلام میر سے زیادہ رنگا رنگ معلوم ہوتا ہے۔''[۳]

حامد حسن قادری کے تنقیدی مضامین، شعرا کے انتخاباتِ کلام اور تشریحاتِ متن کے اس جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ شعر و ادب پر ان کی گہری نظر تھی اور اردو ادب اور شاعری کے مختلف پہلوؤں پر انھوں نے غور و فکر کے بعد اپنے خیالات قلم بند کیے ہیں۔

۱۔ حامد حسن قادری، غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین، ص ۵۹، ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی ۲۰۰۱ء

۲۔ ایضاً، ص ۱۸۱

۲۔ شمس الرحمٰن فاروقی، شعرِ شور انگیز، جلد اول، ص ۵۱، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۱۹۹۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مکتوبات:

''مکتوباتِ قادری'' حامد حسن قادری کے خطوط کا پہلا مجموعہ ہے جسے ان کے بیٹے خالد حسن قادری نے مع حواشی اور تعلیقات مرتب کیا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن نگارشات پبلشر، لاہور سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ تین سو پینتیس صفحات پر مشتمل، زیرِ نظر مجموعہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے پہلے حصے میں ''داستان حیرت'' کے عنوان سے عبدالمجید حیرت شملوی کی خودنوشت سوانح ہے۔ اس کے متعلق خالد حسن قادری ص ۶ پر لکھتے ہیں:

> ''یہ خودنوشت سوانح کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ ان سے ان کے حالات کا کچھ علم ہو جاتا ہے۔ حیرت صاحب نے تاریخ پیدائش اولاً درج نہیں کی تھی۔ والد صاحب کے استفسار پر انھوں نے لکھا کہ اسکول کے اندراج کے مطابق ۱۹۰۰ء سال ولادت ہے۔''[۱]

خالد حسن قادری نے حیرت شملوی سے اپنے والد یعنی حامد حسن قادری کی مراسلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی مراسلت تقریباً ۱۹۴۹ء سے شروع ہوئی۔ اس وقت حامد حسن قادری آگرہ کے سنٹ جانس کالج میں فارسی اور اردو کے استاد تھے۔ اور حیرت شملوی راجستھان کے ایک شہر موڑک میں مقیم تھے۔

اس مجموعہ کے تمام خطوط تاریخی اعتبار سے مرتب کیے گیے ہیں۔ پہلے حصے میں حامد حسن قادری کے باسٹھ خطوط شامل ہیں۔ یہ سبھی رقعات ۱۹۴۹ء سے لے کر ۱۹۵۴ء کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ ان میں آگرہ سے لکھے گئے خطوط کی تعداد ۴۶ ہے اور کراچی سے لکھے گئے ۱۶ خطوط ہیں۔ ان خطوط کا تفصیلی خاکہ یہ ہے:

---

[۱] حامد حسن قادری، مکتوباتِ قادری، ص ۶، لاہور، نگارشات پبلشر ۱۹۹۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حصہ اول

آگرہ

مکتوباتِ قادری

نمبر شمار	تاریخ / ماہ	سنہ	مقام
۱	۲۰/اپریل	۱۹۴۹ء	آگرہ
۲	۱۸/مئی	//	//
۳	۱۲/ستمبر	۱۹۴۹ء	آگرہ
۴	۱۲/اکتوبر	//	//
۵	۱۶ //	//	//
۶	۲۶ //	//	//
۷	۱۰/انومبر	//	//
۸	۵/جنوری	۱۹۵۰ء	//
۹	۲۶ //	//	//
۱۰	۲۸/فروری	//	//
۱۱	۲۸/مارچ	//	//
۱۲	۱۳/اپریل	//	//
۱۳	۱۵/مئی	//	//
۱۴	۲/جون	//	//
۱۵	۸/جولائی	//	//
۱۶	۳۰/اگست	//	//
۱۷	۱۹/اکتوبر	//	//
۱۸	۷/دسمبر	۱۹۵۱ء	//
۱۹	۱۱/فروری	۱۹۵۲ء	//

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

۲۰	۲۲/مارچ	//	//
۲۱	۲۰/اپریل	//	//
۲۲	۱۰/اکتوبر	//	//
۲۳	// ۲۴	//	//
۲۴	۱۲/جنوری	۱۹۵۳ء	//
۲۵	// ۲۳	//	//
۲۶	۶/فروری	//	//
۲۷	۲۲/مارچ	//	//
۲۸	۲۳/اپریل	//	//
۲۹	// ۲۹	//	//
۳۰	۷/مئی	//	//
۳۱	// ۲۲	//	//
۳۲	۴/جون	//	//
۳۳	۱۰/جولائی	//	//
۳۴	// ۲۲	//	//
۳۵	// ۲۸	//	//
۳۶	۲۷/اگست	//	//
۳۷	۱۶/ستمبر	//	//
۳۸	۷/اکتوبر	//	//
۳۹	۲/نومبر	//	//
۴۰	// ۱۴	//	//
۴۱	۲۲/دسمبر	//	//
۴۲	۵/فروری	۱۹۵۴ء	//

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

۴۳	۷/اگست	//	//
۴۴	۱۸/اپریل	//	//
۴۵	۲۲/اکتوبر	//	//
۴۶	۴/دسمبر	//	//

کراچی

	تاریخ ماہ	سنہ	مقام
۱	۲۳/جنوری	۱۹۵۵ء	کراچی
۲	۱۴/فروری	//	//
۳	۶/مارچ	//	//
۴	۲۵ //	//	//
۵	۲۷/اپریل	//	//
۶	۱۲/جون	//	//
۷	۱۵/ستمبر	//	//
۸	۷/نومبر	//	//
۹	۲۰ //	//	//
۱۰	۴/دسمبر	//	//
۱۱	۹/فروری	۱۹۵۶ء	//
۱۲	۳/مارچ	//	//
۱۳	۲۲/جنوری	۱۹۶۱ء	//
۱۴	۱۳/مارچ	//	//
۱۵	۲۶ //	//	//
۱۶	۱۶/دسمبر	//	//

''مکتوباتِ قادری'' کے زیادہ تر خطوط میں حامد حسن قادری نے اپنی کتابوں اور مضامین وغیرہ

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

پر گفتگو کی ہے اور معاصر رسالوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً رسالہ اردو، احسن، نقوش، ساقی اور اردو نامہ وغیرہ۔ بہ طور نمونہ خط نمبر ۱۴ نقل کیا جاتا ہے:

''آگرہ کٹرہ خانخانان

۲ جون ۱۹۵۰ء

محبّ مکرم، السلام علیکم

کل کرم نامہ ملا۔ گرمی یہاں بھی آگرہ کے شایانِ شان ہے،

انجمن ترقی اردو علی گڑھ کے رسالے کا نام اب ''اردو'' سے ''اردو ادب'' کر دیا ہے۔... مولوی عبد الحق صاحب کراچی سے دوبارہ ''اردو'' جاری کر چکے ہیں، ایک سال کے چار پرچے نکل گئے۔ علی گڑھ سے ابھی شائع نہیں ہوا۔ ارادہ ہی ارادہ ہے۔

چند پتے لکھتا ہوں۔

(۱) (۲) مسعود صاحب اور احتشام صاحب کو یونیورسٹی کے پتے پر لکھیے۔ گھروں کے پتوں کا پتا نہیں۔

(۳) پروفیسر مجنوں گورکھپوری۔ میاں بازار امام باڑہ۔ گورکھپور

(۴) ڈاکٹر عبد الستار صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی۔ نمبر ۱ میو روڈ۔ الہ آباد

(۵) پروفیسر آل احمد سرور۔ نمبر ۷ بیرو روڈ BARROW ROAD۔ لکھنؤ

(۶) لطیف الدین احمد اکبر آبادی۔ من ٹولہ۔ آگرہ

(۷) سید محمد علی شاہ میکش اکبر آبادی، میر جی کا باغ۔ جے پور

(۸) پروفیسر مغیث الدین فریدی ایم اے۔ نالہ نئی بستی۔ آگرہ

اور جتنے کہیے لکھ دوں گا۔ میں نے سوچ سوچ کر ایسے نام لکھے ہیں جن سے جواب کی توقع ہے۔ سرور صاحب کو غزلوں کے متعلق بھی لکھ دیجیے گا۔

والسلام

احقر حامد حسن قادری''[۱]

---

[۱] حامد حسن قادری، مکتوباتِ قادری، ص ۴۴، لاہور، نگارشات پبلشر ۱۹۹۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری نے اپنے خطوط میں جن مضامین کا ذکر کیا ہے انھیں بھی خالد حسن قادری نے مجموعہ کے آخر میں شامل کرلیا ہے۔ جس سے مضامین کی نوعیت واضح ہوجاتی ہے۔ شاگردوں کی غزلوں اور نظموں وغیرہ پر حامد حسن قادری کی دی گئی اصلاحیں بھی بعض خطوط میں موجود ہیں۔

''مکتوباتِ قادری'' کے دوسرے حصے میں حامد حسن قادری کے وہ رقعات شامل ہیں جو ۱۹۵۴ء سے لے کر ۱۹۶۱ء کے درمیان لکھے گئے۔ یہ خطوط قیام آگرہ اور کراچی کی یادگار ہیں۔ ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

مکتوبات قادری (حصہ دوم):

نمبر شمار	تاریخ	ماہ	سنہ	مقام
۱	۸	مارچ	۱۹۵۴ء	آگرہ
۲	۲۵	//	//	//
۳	۱۷	مئی	//	//
۴	۲۵	//	//	//
۵	۵	جون	//	//
۶	۲۰	//	//	//
۷	۱۴	جولائی	//	//
۸	۱۴	جنوری	۱۹۵۸ء	کراچی
۹	۱۲	اگست	//	//
۱۰	۱۵	اکتوبر	//	//
۱۱	۵	ستمبر	//	//
۱۲	۳۰	جنوری	۱۹۵۹ء	//
۱۳	۱۶	مارچ	//	//
۱۴	۲۹	مارچ	//	//
۱۵	۲	جولائی	//	//
۱۶	۱۲	اکتوبر	//	//

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

۱۷	۲۱	نومبر	//	//
۱۸	۲۳	مارچ	۱۹۶۰ء	//
۱۹	۱۱	اپریل	//	//
۲۰	۱۵	مئی	۱۹۶۱ء	//
۲۱	۳۰	اکتوبر	//	//

ان خطوں کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ ان سے بعض دوسرے ادیبوں کے حالات کا بھی علم ہوتا ہے۔ مثلاً درج ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

''... آل احمد سرور، معین احسن جذبی، اسرار الحق مجاز اور غلام ربانی تاباں۔ باوقاتِ متعلقہ سینٹ جانس کالج آگرہ میں پڑھتے تھے۔... آل احمد سرور زمانہ طالب علمی میں بھی سرور ہی تخلص کرتے تھے۔ لیکن معین احسن جذبی کا تخلص ملال تھا اور اپنا نام ملال حامدی لکھتے تھے۔ پھر معین احسن جذبی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اسرار الحق شروع سے مجاز تخلص کرتے تھے۔ ان چاروں میں غلام ربانی تاباں کا معاملہ دلچسپ ہے۔... ۱۱ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ایک طرحی مشاعرہ سینٹ جانس کالج میں منعقد ہوا تھا۔ آل احمد سرور متعلم سیکنڈ ایر سائنس نے اور معین احسن ملال نے بھی طرحی غزلیں پڑھی تھیں۔ طرح تھی ''اب نہ پوچھ دلِ خراب کا رنگ''۔

''اس پہ غالب ہے اضطراب کا رنگ
اب نہ پوچھ دلِ خراب کا رنگ
غور سے دیکھیے جھلکتا ہے
ذرہ ذرہ میں آفتاب کا رنگ

آل احمد سرور

اللہ اللہ ترے نقاب کا رنگ
ایسا ہے جیسے آفتاب کا رنگ

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تیرا جلوہ ہو یا نقاب کا رنگ
کچھ بھی ہو ، ہے یہ سب حجاب کا رنگ

معین احسن ملال

چشم ساقی میں ہے شراب کا رنگ
اب نہ پوچھ دل خراب کا رنگ
عرق آلود ہے رخ گلگوں
آج پانی میں ہے شراب کا رنگ

حامد حسن قادری۔''[1]

''مکتوباتِ قادری'' کی طرح ''خطوطِ قادری'' بھی حامد حسن قادری کے رقعات کا مجموعہ ہے۔ اسے بھی خالد حسن قادری نے مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب پہلی بار فرید آرٹ پریس کراچی سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ مجموعہ ۳۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۲ء تک کے خطوط شامل ہیں۔ ان میں حامد حسن قادری کے آٹھ خطوط اور نظیر صدیقی کے گیارہ خطوط ہیں۔ ان میں شعر و شاعری سے متعلق دلچسپ مباحث ہیں۔ ان رقعات کے علاوہ اس کتاب میں احوال نظیر صدیقی، آپ بیتی، تلخ تنقیحات، سنیاس اور پالٹیکس، خطوط کے متعلق بعض مباحث وغیرہ شامل ہیں۔ حامد حسن قادری کے جن حضرات کے ساتھ علمی روابط تھے ان کا بھی ذکر ہے۔ جن میں مولوی مفتی سعادت اللہ اسرائیل سنبھلی، مولوی حافظ سید حامد علی سنبھلی، پروفیسر فرمان فتح پوری، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر سید ابوالخیر کشفی اور عندلیب شادانی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حامد حسن قادری کی مراسلت نظیر صدیقی سے ۱۹۵۰ء سے شروع ہوئی۔ اس مراسلت کے وقت نظیر صدیقی ڈھاکہ میں مقیم تھے اور حامد حسن قادری آگرہ میں تھے۔ خط و کتابت کا سلسلہ صرف ۱۹۵۲ء ہی تک جاری رہا۔ نظیر صدیقی کا پہلا خط ۲۴ فروری ۱۹۵۱ء کا ہے جب کہ حامد حسن قادری کا پہلا خط ۵ مارچ ۱۹۵۱ء کا لکھا ہوا ہے۔ نظیر صدیقی کا آخری خط ۷/اکتوبر ۱۹۵۲ء کا ہے اور حامد حسن قادری کا آخری خط ۱۳ جولائی

---

[1] حامد حسن قادری، مکتوباتِ قادری، ص ۲۶۴، لاہور، نگارشات پبلشر ۱۹۹۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۱۹۵۲ء کا ہے۔ ان رقعات کے علاوہ خالد حسن قادری نے حامد حسن قادری کے دفتری خطوط، خطبات، تقریریں اور نظمیں وغیرہ بھی شامل کی ہیں۔ اس مجموعہ میں حامد حسن قادری کی ایسی تقریریں بھی درج ہیں جو کہ جامعہ اردو کی بعض تقریبات یا میٹنگوں میں کی گئی تھیں۔ ایک نظم ''تاریخ جامعہ اردو'' کے عنوان سے ہے۔

بعض خطوط میں شاگردوں کے کلام پر اصلاح یا رائے زنی ہے۔ کہیں حامد حسن قادری نے اپنی کتابوں اور مضامین کا ذکر کیا ہے، تو کہیں کوئی ادبی معلومات فراہم کی گئی ہیں مثلاً ایک خط میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ مضطر خیر آبادی کی نظم ''دکھی کی پکار''، مولانا حالی کی نظم ''مناجات بیوہ'' کی بحر اور طرز میں لکھی گئی ہے۔

حامد حسن قادری نے بعض خطوط میں اپنے تنقیدی اور ادبی ذوق کا ذکر کیا ہے۔ خط نمبر ۳ اور ص ۲۱۶ پر لکھتے ہیں:

''مجھے شعر و ادب و تنقید سے زیادہ کسی چیز سے دلچسپی نہیں ہے۔''[۱]

ص ۲۱۹ پر لکھتے ہیں:

''... جس میں میری رائے مطلوب ہو۔ میری تنقید، میرا فیصلہ مقصود ہو۔''[۲]

ان دونوں مجموعوں کے علاوہ حامد حسن قادری کے پانچ خطوط رسالہ ''آج کل' خطوط نمبر اپریل ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئے تھے جو خواجہ احمد فاروقی اور نثار احمد فاروقی کے نام لکھے گئے تھے۔ یہ مکاتیب ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۳ء کے درمیان لکھے گئے، جن میں پہلا، دوسرا اور تیسرا خط خواجہ احمد فاروقی کے نام ہے۔ چوتھا اور پانچواں خط نثار احمد فاروقی کے نام ہے۔

''آج کل'' میں شائع شدہ پہلے خط میں حامد حسن قادری نے اپنے شجرہ نسب کا ذکر کیا ہے۔ نثار احمد فاروقی کی تاریخ گوئی کا بھی ذکر ہے۔ لکھتے ہیں:

''... آپ نے جو تاریخیں لکھی ہیں وہ بھی لغو نہیں اور وہ واقعات بھی لغویات میں نہیں۔ بہت خوب، بہت موزوں، بہت مناسب تاریخیں ہیں۔ بلاشبہ کہنی چاہیے تھیں۔ آپ ان کو لغو کیوں کہتے ہیں۔ زندگی اور لٹریچر میں مزاح بھی ایک چیز ہے۔ پھر کالے کی شادی

۱۔ حامد حسن قادری، خطوطِ قادری، ص ۲۱۶، کراچی فرید آرٹ پریس ۱۹۹۹ء

۲۔ ایضاً، ص ۲۱۹

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کی تاریخ کیوں نہ کہی جاتی ''وزیرِ مفلس'' والی تاریخ میں تو ظرافت، لطافت، شاعری، تاریخ سب کچھ بہتر سے بہتر موجود ہے۔''[۱]

حامد حسن قادری نے ایک اور خط میں اپنی گوشہ نشینی کا ذکر کیا ہے، مشہور شخصیات سے اپنی ملاقات کا بھی ذکر کیا ہے جس میں گاندھی جی، پنڈت نہرو، سردار پٹیل، ڈاکٹر راجندر پرشاد، جناح، لیاقت علی خاں، اقبال، اکبر، ریاض، بے خود، نوح، حفیظ، کیفی، اثر، ڈاکٹر عابد حسین، ڈاکٹر ہادی حسن، پروفیسر حبیب اور پروفیسر مجیب وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ۲۵ نومبر ۱۹۵۲ء کے خط میں صفیہ چچی اور شاہ صاحب کے چہلم اور رام پور، مراد آباد اور بچھرایوں وغیرہ کے قیام کا ذکر ہے۔

آگرہ کٹرہ خاں خاناں

۲۵ نومبر ۱۹۵۲ء

برادر مکرم۔ السلام علیکم

آپ کا خط یہاں سے لوٹ کر مجھے رام پور میں ملا۔ میں رامپور، مراد آباد، بچھراؤں ایک ایک ہفتہ رہا۔ بچھراؤں میں اوگھٹ شاہ صاحب، صفیہ چچی کے چہلموں میں شریک ہوا۔ اصل مقصود، عسکری کے ہاں تعزیت کرنا ہی تھا۔ ویسے تو بچھراؤں میں اب خاک ہی اڑنے لگی ہے مگر چہلم میں کافی مجمع تھا۔ کچھ نئے پُرانے قریب و بعید لوگ مل گئے۔ قاضی جمیل الدین صاحب کے ترکِ بچھراؤں سے اب میرے لیے وہاں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ مراد آباد میں مُنّا اور ضیاء بھائی بھی باغ و بہار آدمی ہیں اور قاضی جمیل اور روش صدیقی سے بھی لطفِ صحبت رہا۔ قاضی جی کو دیکھ کر صدمہ بھی ہوا۔ بیمار اتنے نہیں جتنے مایوس ہیں۔ نہایت ضعیف و نحیف اور زار و بیزار نظر آئے۔ مگر شکر ہے کہ شاعرانہ فطرت مردہ نہیں ہوئی، افسردہ ضرور ہے۔ جب گیا شعر و شاعری ہی کا تذکرہ رہا۔ رامپور میں البتہ اتنی دلچسپیاں تھیں کہ ایک ہفتہ میں سیری نہیں ہوئی۔ عرشی صاحب سے روزانہ طویل ملاقاتیں رہیں۔ وہ روز صبح کو میری قیام گاہ پر آجاتے تھے۔ شاعروں سے بھی جلسے رہے۔ آپ کے پرنسپل عبدالشکور صاحب اور نجم الدین بستوی صاحب سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ رامپور میں کسی مسخرے نے بغیر میرے علم و اجازت کے دو روزانہ اخبارات ناظم و جمہور میں اعلان چھپوا دیا۔

---

[۱] حامد حسن قادری، بہ نام نثار احمد فاروقی، رسالہ آجکل، خطوط نمبر، ص ۲۷، جلد ۲۱، شمارہ ۹، نئی دہلی، اپریل ۱۹۵۴ء

''پروفیسر حامد حسن قادری رامپور میں''۔ نئے نئے لوگ دیکھنے ملنے کو آنے لگے۔ بھلا میں ملنے جُلنے کا آدمی کہاں ہوں۔ ایک جدید متعارف نے بڑے اصرار سے اپنے مکان پر چائے کے ساتھ (بہ قول نوشہ میاں کے) ''مشاعری'' منعقد کردی۔ غرض بڑے لطف سے چند یوم گزرے۔ یوں بھی رامپور میں ہمیشہ سے میرے لیے کشش ہے۔ ہمارے سلسلہ کے بزرگ بھی وہاں ہیں۔ مثلاً حافظ جمال اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دادی صاحبہ اور والد صاحب بھی وہیں آرام فرما ہیں اور بہ قولے کہ میں نے اپنی جوانی بھی وہیں کھوئی ہے۔ پچاس سال سے پہلے کے جاننے والے متعدد آدمی موجود ہیں۔ جن میں سے ایک کے مکان پر ٹھہرا اور دو سے خوب لطفِ صحبت رہا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آگرہ چُھٹے تو میرے رہنے کی جگہ رامپور ہے۔ اگرچہ وہاں کی آب و ہوا مجھے عمر بھر سے نہایت ناپسند ہے۔

اب اپنے جواب لیجیے۔ آپ کے خط سے میرا ذہن سنگِ موسیٰ کے تخت کی طرف کیوں منتقل ہوا؟ اس کو آپ نہ سمجھے تو اچھا ہوا۔ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی! میرے متعلق مضمون کو میرے بعد رکھیے۔ اب تو مجھے ایسا معلوم ہوگا کہ میں نے خود فرمائش کرکے چھپوادیا۔ میں نے تو کبھی تصویر بھی نہ چھپوائی۔

والسلام

احقر حامد حسن قادری [1]

اس خط سے حامد حسن قادری کی مکتوب نگاری کی نمایاں خصوصیات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ اپنی بات بے تکلفی سے کہتے ہیں اور تعلقات کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس نوع کی نجی خطوط میں بھی شعر و ادب سے ان کا لگاؤ کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔

۱۲ جنوری ۱۹۵۳ء کے خط میں انھوں نے اپنی کتاب ''دیوانِ مومن مع شرح و تنقید'' کی اشاعت کا ذکر کیا ہے اور مومن کی مثنویوں کا ایک انتخاب تیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔

۱۴ راگست ۱۹۵۳ء کے خط میں انھوں نے نثار احمد فاروقی کو پی ایچ ڈی ایوارڈ ہونے کی مبارک باد دی ہے۔

ان خطوں کے علاوہ راقمہ کو ''رسالہ فروغِ اردو'' میں شائع شدہ خط بھی دستیاب ہوا ہے جو مغیث

---

[1] خط بہ نام نثار احمد فاروقی، حامد حسن قادری کے خطوط، رسالہ آجکل، (خطوط نمبر) ص ۲۵-۲۶، جلد ۱۲، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۵۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

الدین فریدی کے نام ہے۔ اس میں حامد حسن قادری نے ''غالب انسائیکلو پیڈیا'' سے متعلق گفتگو کی ہے۔ لکھتے ہیں:

آگرہ کٹرہ خانخاناں

۲۰ جنوری ۱۹۵۴ء

جناب مکرم۔ السلام علیکم

کل مغیث صاحب نے ۱۵ جنوری کا ''ہماری زبان'' دیکھنے کے لیے بھیجا۔ اس میں آپ کے اشتہار ''غالب انسائیکلو پیڈیا'' کے متعلق دیکھ کر خیال آیا کہ میں بھی اس میں شرکت کرسکتا ہوں۔

یوں تو میں نے چالیس سال سے زیادہ ہوئے ۱۹۱۲ء میں ایک نظم غالب کے متعلق لکھی تھی جو شاہ دلگیر اکبر آبادی مرحوم کے رسالہ ''نقاد'' آگرہ میں غالباً ۱۹۱۴ء ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت کے متعلق ایک پرلطف قطعہ پیش کرتا ہوں جو کہیں چھپا نہیں ہے۔

امید ہے کہ یگانہ بھی سن کے خوش ہوں گے — لکھی ہے پنچ میں کیا خوب چندانے
یگانہ آرٹ عبارت ہے ان کے چننے سے — کبھی بکھیر گئے ہیں جو اہل فن دانے
مقابلہ اسداللہ کی ذوالفقار سے کیا — پڑے ہوئے ہیں ترے نیچے میں دندانے

یگانہ کیوں نہ ہو سہوت سن کے یہ نعرہ
بیاور یہ گر این جا بود سخندانے

آپ اپنی کتاب میں غالب کے خراج عقیدت جمع کریں گے تو غالب کے متعلق مختلف و متفرق مضامین کا حوالہ بھی تو ایک باب میں درج کرنا چاہیے۔ میں نے بھی چند مضامین لکھے ہیں۔ اور غالب کی فارسی غزلوں کا انتخاب مع شرح و تنقید بھی کتابی صورت میں مرتب کیا ہے۔

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ میں بھی —— زندہ ہوں، کمال کر رہا ہوں۔ قاضی صاحب کی خدمت میں سلام عرض کیجیے گا اور اس عریضے کی رسید لکھیے گا۔

احقر حامد حسن قادری [1]

---

[1] حامد حسن قادری، خط بہ نام مغیث الدین فریدی، رسالہ فروغ اردو، ص ۱۲، جلد ۳۷، ادارہ فروغ اردو لکھنؤ، ستمبر ۱۹۶۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رسالہ نقوش مکاتیب نمبر میں شائع شدہ ایک خط (بہ نام نثار اٹاوی) میں حامد حسن قادری نے اپنی تاریخ گوئی کا تفصیلی ذکر کیا ہے:

۲۱ رمئی، ۱۹۵۷ء

مکتوب الیہ: جناب نثار اٹاوی

جناب مکرم۔ السلام علیکم

کرم نامہ صادر ہوا۔ منظر صاحب نے جس روز آپ کو خط لکھا ہوگا اسی روز یا اس سے ایک روز بعد ان کے پاس میرا رجسٹرڈ لفافہ پہنچ گیا ہوگا۔ آج کل جو ہم لوگوں کے لیے ''ہنگامی ہنگامہ'' برپا ہے اس کی بے غایت مصروفیت کے سبب سے تاریخ جلد نہ لکھ سکا۔ جب منظر صاحب کا دوسرا خط شدید تقاضے کا آیا تو پرچے اور کاپیاں ہاتھ سے رکھ کر تعمیل فرمائش شروع کردی اور عجلت میں جو بن پڑا بھیج دیا۔ اگرچہ ایسا نہ ہوسکا جیسا میں چاہتا تھا یا ہوسکتا تھا۔ تاریخی مادے اور قطعے واقعی عمدہ نہ ہوئے۔ صرف شرکتِ غم کی خاطر بھیج دیجیے مگر قرآن مجید سے تاریخ خوب ہوگئی۔ وہ آپ کو بھی لکھتا ہوں۔

(۱) قد رحمه وذلک الفوز المبین . (سوره انعام پاره ۷)

قرآن مجید میں (فقد) ہے میں نے (ف) کو حذف کردیا ہے۔ لوحِ مزار پر نام کے نیچے بس یہ آیت کافی ہے لیکن بڑی لوح ہو تو جس کسی کا بہترین قطعہ ہو وہ لکھوائیں۔

اسی سنہ کی ایک اور آیت بھی نکلی ہے سورہ والفجر کی:

(۲) ایّتها النفس المطمئنّة ارجعی الیٰ ربک .

آیت یوں ہے یٰایتها ۔ میں نے یائے ندا یعنی صرف (ی) حذف کردی ہے۔ یہ آیت میں نے منظر صاحب کو نہیں لکھی کہ ایک ہی کافی ہے۔ مگر یہ اس سے بہتر ہے۔ آپ چاہیں تو لکھ دیں۔ دونوں میں سے جو پسند ہو۔ آپ کی طرح دوسرے حضرات بھی یہ فرمادیا کرتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ مجھ سے بہتر تاریخ گو نہیں۔ میں اس کو آپ کی اور ان کی قدر افزائی سمجھتا ہوں ورنہ میرے علم میں تین سال پہلے تک دہلی میں ایسے تاریخ گو تھے (جواب پاکستان میں ہوں گے) اور لکھنؤ اور دوسرے مقامات پر ہیں، جن کے کمال کے سامنے میری تاریخیں ہیچ ہیں۔ البتہ میرا سا خبط کسی کو نہ ہوگا کہ دن رات تاریخیں کہتا ہوں۔ بات بات پر کہتا ہوں۔ اسی دُھن میں رہتا ہوں۔ آج ہی آپ کا خط آنے سے پہلے کئی تاریخیں فرمائشی لکھ چکا تھا۔ میرے

Maulana Azad Library, Aligh Muslim University

لیے تاریخوں کی بے گار عرش سے اترتی ہے یعنی آج جن بزرگ کی تاریخیں کہیں ان کا وصال گیارہ سال ہوئے ۱۳۶۹ھ میں ہوا تھا۔ مجھ سے اب فرمائش کی گئی۔ اپنے شوق اور خبط سے جو کہتا ہوں ان کا یہ حال ہے کہ لڑکی کے ہاتھ سے بندر روٹی لے گیا تو کہا ''بڑا موذی و ظالم ہے'' (۱۹۵۱ء)۔ ایک بچی کے ہاتھ میں بچھو نے کاٹ لیا تو کہا ''یہی طبیعت کژدم کا اقتضا ہے یہی'' (۱۹۵۰ء)۔ ایک دوست کے ہاں لڑکی ہوئی تو کہا ''بیٹی مبارک بیٹی مبارک'' (۱۳۷۰ھ)۔ وطن میں ایک عزیز کو بڑھاپے میں پتلون پہننے کا شوق ہوا ۔۵۵ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ پتلونیں بنوائیں، میں نے تاریخ کہی:

تن گئے بھائی بھی پتلون میں آج ان کی ٹانگوں کو سلاخیں کہیے
خوب پتلون کی نکلی تاریخ ''شجرۂ شوق کی شاخیں کہیے

۱۹۵۰ء

ایک سال منع بقر کے سبب سے قربانی نہ ہوسکی تو کہا ''عید الاضحیٰ کیا جو قربانی نہ ہو'' (۱۳۶۷ء)۔ اعزا و احباب پاکستان چلے گئے تو کہا ''ہوگئے خاندان بارہ باٹ'' (۱۳۶۸ھ)۔ پاکستان کی دو تاریخیں قرآن مجید سے بڑی عجیب نکالی تھیں۔ ایک ہجری ایک عیسوی، ابھی پاکستان بن نہ چکا تھا۔ صرف ۳ر جون ۱۹۴۷ء کو اعلان ہوا تھا کہ میں نے تاریخیں کہہ لیں۔ ہجری تاریخ صرف تین لفظوں سے نکلی تھی۔ وہ قطعہ میں نظم ہوگئی۔

آیۂ قرآن سے تاریخ یہ ہے ارشاد کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃ ۱۳۶۶ھ

مشہور آیت ہے کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ..... دوسری عیسوی تاریخ کے لیے قرآن مجید جیسی ضخیم کتاب میں میری تلاش کی داد دیجیے **حلّنا دار المقامة من فضله لایمسنا فیها نصیب** (سورہ فاطر، رکوع ۴ پارہ ۲۲)۔ ''اس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا جہاں ہم کو کوئی تکلیف نہ پہنچے گی''۔ اپنے ہاں کے استاد عربی کو سنائیے۔

اگر آپ جواب کے لیے ٹکٹ نہ بھیجتے تو میں کارڈ میں لکھ دیتا کہ منظر صاحب کو تاریخیں بھیج دیں۔ مگر لفافہ لکھنا ٹھہرا تو میں نے سوچا کہ دو آنے وصول ہونے چاہئیں۔ سو وہ مجھے وصول ہوئے کہ میں نے اپنی شان میں قصیدہ سنا ڈالا۔ آپ کے تو ضائع ہی ہوئے کہ آپ کا وقت ضائع ہوا۔ مگر اس کو شاعر کا درد شکم سمجھ لیجیے یا ''حیف بر جانِ سخن گر بسخنداں نرسد'' بلکہ دونوں ہی سمجھیے۔ میرا تو واقعی جی چاہا کہ آپ کو تاریخیں

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

سناؤں اور آپ کے سخنداں ہونے میں بھی شک نہیں۔ ابھی تو خدا جانے کتنی لکھتا اس لیے کہ بندر، بچھو، پتلون کی قسم کے بھی بے شمار لطیفے ہیں مگر ورق تمام ہوا... پھر بھی پرمٹ کی تاریخ اور سُن لیجیے۔

کڑی شرطیں ہوئیں جانے پہ عائد بڑھی کچھ اور پاکستان سے دوری
کہی تاریخ سُن کر قادری نے ہُوا ہے لیجیے پرمٹ ضروری

۱۹۴۸ء

اب اپنے مقدمہ کی بات خاتمہ پر سُنئے۔ اس زمانے میں تو نصف مئی تک کاپیوں، نتیجوں سے ہی فرصت نہ ملے گی۔ آگرہ، دہلی، علی گڑھ وغیرہ کے ۶ پرچے میرے پاس ہیں۔ لیکن فی الواقع اب میں سوچنے، لکھنے کے قابل نہیں رہا۔ سکون میسر نہیں۔ ہر وقت پریشانی رہتی ہے ایسے میں کیا لکھ سکوں گا۔ آپ کا کلام خود ایسا اچھا ہے کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین کی قسم کے رفقا کی مُہر کی ضرورت نہیں۔ میری تحریر سے کیا وزن پیدا ہوگا۔ کچھ بوجھ ہی بڑھ جائے گا۔ ہم سے بوڑھوں کو ریٹائرڈ ہی سمجھئے۔ والسلام

احقر حامد حسن قادری [۱]

سید ابوالخیر کشفی کے نام ایک خط میں حامد حسن قادری نے بعض ادبی معاملات پر گفتگو کی ہے۔ طوالت کے باوجود پورا خط نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱۱ر مارچ ۱۹۵۸ء

عزیزی کشفی سلمہٗ! دعائے خیر و برکت

آپ مجھے یاد رکھتے ہیں، اس کا ثبوت یہ ہے کہ مہر نیمروز پابندی کے ساتھ مل جاتا ہے۔ کراچی میں آنے سے تکلیف دہ تجربہ یہ ہوا ہے کہ عزیز دوست، یار، آشنا سب کیسے اور کس آسانی سے بھول جاتے ہیں۔ نہ جانے شکایت کے یہ چند لفظ زبانِ قلم پر کیسے آ گئے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ ارادہ تو محض آپ کا شکریہ ادا کرنے کا تھا۔

مہر نیمروز کے پچھلے پرچے میں بے پتہ اشعار کے متعلق ایک مضمون دلچسپ تھا (اس وقت وہ پرچہ اور مضمون سامنے نہیں ہے)۔ بعض اشعار کے حوالے، پتے لکھے تھے اور بعض کے دریافت کیے گئے تھے۔

---

[۱] حامد حسن قادری، خط بہ نام نثار اٹاوی، رسالہ نقوش، مکاتیب نمبر، حصہ دوم، ص ۹۲-۹۹۴، ادارہ فروغ اردو لاہور، جنوری ۱۹۵۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ان میں سے دو کے پتے مجھے معلوم تھے، اور آپ کو لکھنا چاہتا تھا مگر آج سے پہلے نوبت نہ آئی۔

ایک شعر دریافت طلب یہ تھا۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

یہ شعر شاہ عالم بادشاہ آفتاب تخلص کا ہے۔ بادشاہ نے یہ قطعہ کہا تھا۔

شب دل آرام سے گزرتی ہے صبح اُٹھ جام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے اب تو آرام سے گزرتی ہے

زبانِ خلق نے دوسرا شعر لے لیا اور مصرعوں کی ترتیب درست کردی یعنی پہلے ''اب'' ہے، پیچھے عاقبت۔

دوسرا شعر یہ تھا۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

اس شعر کا حوالہ ایک داستان ہے۔ بڑی دلچسپ بہت طویل جس کو شاید اب میرے علاوہ کوئی مشکل سے بتا سکے۔ اس میں بھی زبانِ خلق نے تصرف کیا ہے۔ یعنی کہنے والے نے یوں کہا تھا:

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری ہوجائے

پہلے اس طرح بھی کہتے تھے ''اس کی نوکری ہوگئی'' اس کو نوکری ہوجائے'' لیکن اب مل جائے ہی بول چال ہے۔ اسی طرح شعر مشہور ہوگیا۔

میرے پاس ایک قدیم مطبوعہ کتاب ہے، جس میں شاعر نے صرف اسی زمین میں اسی قافیے کے پہلو بدل بدل کر تقریباً ڈیڑھ سو شعر کہے ہیں۔ کتاب کا نام کچھ نہیں۔ بلکہ سرورق پر کتاب کے نام کی جگہ خطِ طغریٰ میں شاعر کا نام لکھا ہوا ہے جس میں کاتب سے طغریٰ کی آرائش کے شوق میں نام کا ایک جزو لکھنے سے چھوٹ گیا ہے۔ بہر حال اتنا صاف پڑھا جاتا ہے۔

''نواب امین الدولہ، سیف الملک سید علی خان بہادر فیروز جنگ دام اقبالہٗ۔''

کتاب مطبع محمدی میں چھپی ہے۔ معلوم نہیں یہ مطبع کہاں کا ہے۔ سالِ طباعت کہیں درج نہیں۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

شاعر کا تخلص مہر ہے۔ ٹائٹل پیج کے بعد دوسرے صفحے پر ''سبب طبع ریختہ کلک ناظم'' فارسی میں حسب ذیل لکھا ہے۔

''طبع ایں اشعار بے مقدار صرف از اصرار احباب اموی صاحب قبلہ و کعبہ دیر الدولہ دلاور ملک مرزا محمد علی خان بہادر فیروز جنگ عرف مرزا حیدر صاحب کہ شفقت وعنایتِ بزرگانہ برحال آثم می فرمایند، گردیدنہ از راہِ تعلّی دخودستائی''۔

اس کے بعد دو صفحوں پر ''مخمس غزل جامی'' ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

عارض ست ایں یا قمر یالالۂ حمر است ایں
یاشعاعِ شمس یا آئینہ دل ہاست ایں

مخمس بھی فارسی میں کہا ہے۔ اس کے بعد گیارہ صفحوں پر ''پیمبری ہوجائے'' والی غزل ہے۔ کل ۱۶ صفحے کی خوش خط، جلی قلم، رنگین کاغذ کی کتابت۔ شاعر نے قافیہ کی روی (ری) سے پہلے زبر، زیر، پیش، تینوں حرکتوں کے اشعار الگ الگ لکھے ہیں۔ مگر نتیجہ وہی ہے جو پرگوئی کا ہوتا ہے کہ ڈیڑھ سو اشعار میں اگر کوئی شعر ہے تو وہی (خدا کی دین) والا۔ باقی سب قافیہ پیمائی ہے۔ عجیب وغریب، کچھ اچھی کچھ بری، بہر حال بعض اچھے یا غنیمت اشعار دیکھیے۔

(حرف ساکن قبل (روی)

جو روشنی تری آنکھوں کی پیشِ چشم نہ ہو — جہاں، خلق کو کاجل کی کوٹھری ہوجائے
جو راستہ چلو اس نور اس شکوہ کے ساتھ — تو کوہِ طور ابھی اک ایک کنکری ہوجائے

(حرف مضموم قبل روی)

جو میرے ترک کو میل بہادری ہوجائے — نکیلی وضع مرے واسطے چھُری ہوجائے
بھلائی اپنے مقدر کی صاف ہم سمجھیں — جو آئینہ سے طبیعت تری بُری ہوجائے
جسے بُرا لگے قشقہ تمھارے ماتھے کا — وہ اس کی جان کو قرآن کی چھری ہوجائے

(حرف ۔ کے قبل روی)

تمھیں وہ پیکرِ انوار ملا کہ جس کے حضور — چمک تمام تمامی کی کرکری ہوجائے

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

جو مدحتیں قدِ بالائے یار کی لکھوں　　بلند مرتبہ فنِ شاعری ہوجائے
گرا کے دیکھ دلِ خستہ اپنی آنکھ سے تو　　عجب نہیں کہ یہ بادام کی گری ہوجائے

(حرف مفتوح قبل روی)

جو ذرّوں پہ نظر مہر گستری ہوجائے　　تو فرشِ ریگ رواں بسترِ زری ہوجائے
نظارہ بازوں کے ناز مگر نہ آنے دوں　　نگاہ بانوں میں میری جونوکری ہوجائے
پڑے جوعکس ترے گھاس کے دوپٹے کا　　تو گھاس میں صفتِ سایہ گستری ہوجائے

قطعہ

انھیں کوحکم ہوسجدے کا اس کی قدر ہے　　جنھیں غرور بلندی و برتری ہوجائے
ملے زمین کو یہ رتبہ خاکساری سے　　کہ مشتِ خاک کو اَوجِ پیمبری ہوجائے
جواب کوئی نہیں کس سے ہمسری ہوجائے　　بُتو! کہیں نہ خدا سے برابری ہوجائے
پڑے فلک پر اگر رنگ جو دو عدل ترا　　زحل قمر بنے مریخ مشتری ہوجائے
مئے پیوست شاخِ امید زاہد خشک　　جو آبِ زر کا وہ چھینٹا ابھی ہری ہوجائے
نہیں ہے حرصِ زرونام حاتم وقاروں　　یہی دعا ہے کہ دل کو تو انگری ہوجائے

نعت شریف

جناب سے جو ہدایت نصیب ہوں گمراہ　　تو خضر غول سے خواہان رہبری ہوجائے
تو وہ نبی ہے ترے عالمانِ امّت کو　　عجب نہیں جو غرورِ پیمبری ہوجائے

غزل کا آخری شعر

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال　　کہ آگ لینے کو جائیں پیمبر ہوجائے
بس اب وہ مقطع روشن ہونور کا اے مہر　　کہ زیب مطلعِ دیوان انوری ہوجائے

دعا گو

حامد حسن قادری) [۱]

حامد حسن قادری کے ان خطوط سے ان کی علمی وادبی مصروفیات، شعروادب سے ان کی گہری وابستگی، ذاتی حالات اور لوگوں سے ان کے تعلقات کا علم ہوتا ہے اور ہمیں ان کی شخصیت کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔

[۱] ڈاکٹر سید ابوالخیر کشفی، ہمارے عہد کا ادب اور ادیب، پہلی جلد، ص ۱۶-۱۱۳، جاوید پریس کراچی، ۱۹۷۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ترجمے:

ترجمہ ایک مشکل فن ہے خواہ نثر کا ہو یا نظم کا۔ مگر نظم کے مقابلے میں نثر کا ترجمہ آسان ہوتا ہے۔ خلیق انجم ''فن ترجمہ نگاری'' ص ۱۳۵ پر رقم طراز ہیں:

> ''ڈاکٹر جانسن نے بہت سیدھے سادے اور مختصر الفاظ میں کہا تھا۔ ''نظم کا ترجمہ تو جناب ہو ہی نہیں سکتا''۔ ڈاکٹر وکٹر ہیوگو نے فیصلہ سنایا تھا۔ ''نظم کے ترجمے کا خیال ہی بے معنی اور ناممکن ہے'' لیکن اس کے باوجود مغرب کے بعض صفِ اول کے ادیبوں اور شاعروں نے اس بے معنی اور ناممکن فن کی طرف توجہ کی ہے مثلاً ہوریس، سیرو، لوتھر، ڈرائی ڈن، پوپ، شیلی اور کالرج وغیرہ نے بہت اہم ترجمے کیے ہیں۔''[۱]

اردو ادب میں بھی انگریزی، فارسی، عربی، ہندی اور سنسکرت سے ترجمے ہوتے رہے ہیں۔ رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی بنگالی نظموں کا انگریزی نثر میں ترجمہ کیا تھا اور اس کا نام ''دی گارڈنر'' رکھا تھا۔ اس کتاب کی چند نظموں کا ترجمہ اردو نثر میں نیاز فتحپوری، حامد حسن قادری، اور قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی نے کیا تھا۔ ان ترجموں کو رسالہ نقاد کے ایڈیٹر سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبر آبادی نے ''جذبات ٹیگور'' کے نام سے اس نوٹ کے ساتھ شائع کیا تھا۔

> ''... آج چند نظموں کا ترجمہ پہلی مرتبہ شائع کیا جاتا ہے اور شاید یہ خدمت اولیت نقاد میں شمار کی جائے گی۔''[۲]

اس کا ذکر بھی حامد حسن قادری نے اپنے خط میں یوں کیا ہے۔

> ''... کچھ نظموں کا نیاز فتحپوری نے ترجمہ کیا، بعض کا میں نے کیا۔ دونوں کے ترجمے رسالہ ''نقاد'' آگرہ کے ایک ہی پرچے میں شائع ہوئے۔ ۱۹۱۷ء میں، ایک یا دو نظموں کے

---

۱ خلیق انجم، فن ترجمہ نگاری، ص ۱۳۵، نئی دہلی، ثمر آفسٹ پرنٹرس ۱۹۹۶ء

۲ سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبر آبادی، جذبات ٹیگور، رسالہ نقاد، ص ۲، جلد ۵، شمارہ ۴۰، آگرہ، جون ۱۹۱۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ترجمے میں توارد ہوگیا یعنی دونوں نے ایک ہی نظم کا ترجمہ کیا، مجھے تقابل میں بڑا لطف آیا۔
میری نظر میں بعض فقرے نیاز صاحب کے بہتر تھے بعض میرے ان سے اچھے تھے۔
میرے پاس نقاد کی وہ جلد محفوظ ہے۔''[۱]

اس کے بعد حامد حسن قادری نے کلکتہ کی میکمیلن اینڈ کمپنی لمیٹیڈ کی فرمائش پر ''دی گارڈنر'' کی تمام نظموں کا اردو نثر میں ترجمہ کیا اس کے متعلق ڈاکٹر سرور اکبر آبادی اپنی کتاب ''حامد حسن قادری: ادبی کارنامے'' کے ص ۱۶۳ پر لکھتے ہیں۔

''... کلکتے کے ایک اشاعتی ادارے ''میکملن اینڈ کمپنی لمیٹڈ نے بنگال کے مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کی کتاب ''دی گارڈنر'' The Gardener انگریزی میں شائع کی اور مولانا سے اس کا ترجمہ کرنے کے لیے کہا۔ مولانا نے یہ پیشکش منظور کرلی اور مصنف کے دیباچہ سے لے کر تمت بالخیر تک ایسا عمدہ ترجمہ کردیا۔''[۲]

۱۹۲۱ء میں ''دی گارڈنر'' کا اردو ترجمہ ''باغباں'' کے نام سے میکمیلن اینڈ کمپنی نے شائع کیا۔ اب یہ کتاب نایاب ہے۔ اس کے متعلق حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''آگرہ کٹرہ خانخاناں
۷ مئی ۱۹۵۳
جناب مکرم، السلام علیکم

کرم نامہ صادر ہوا۔... دو کتابیں جو میرے پاس نہ رہی تھیں بازار میں بھی نہ ملیں، یعنی میکمیلن کمپنی کلکتہ کے لیے میں نے دو کتابیں انگریزی سے ترجمہ کی تھیں وہ میرے پاس نہ رہیں، کمپنی کو لکھا تو معلوم ہوا وہاں بھی ختم ہوگئیں۔... ایک کتاب دلچسپ تھی، ٹیگور نے اپنی بنگالی نظموں کا انگریزی نثر میں ترجمہ کیا تھا۔ ''گارڈنر'' نام ہے۔ میں نے اس کا اردو نثر میں ترجمہ کیا۔ ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی تھی۔''[۳]

حامد حسن قادری کے بیٹے خالد حسن قادری نے ''جذبات ٹیگور'' کے ہی عنوان سے ایک طویل

۱۔ حامد حسن قادری، مکتوبات قادری، ص ۶۸، لاہور، نگارشات پبلشر ۱۹۹۹ء
۲۔ سرور اکبر آبادی، حامد حسن قادری: ادبی کارنامے، ص ۱۶۳، لاہور، گنج شکر پریس، اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۹۹ء
۳۔ حامد حسن قادری، مکتوبات قادری، ص ۸۷

Maulana Azad Library, Aligh Muslim University

مضمون لکھا تھا جو سہ ماہی رسالہ ''اردو'' کراچی شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۰ء اور جنوری تا مارچ ۱۹۹۱ء میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔ یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ نیاز فتحپوری نے ''جذباتِ ٹیگور'' میں صرف سات نظموں کا ترجمہ کیا تھا اور حامد حسن قادری نے دیباچہ سے لے کر سولہ نظموں کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:

''... ترجمہ ہر جگہ لفظی نہیں ہے کہیں اصل کو مختصر کر دیا گیا ہے اور کہیں اس کی تشریح و توضیح کر دی گئی ہے۔''[۱]

ترجمہ ملاحظہ ہو:

''میں بے چین ہوں۔ میں اپنے سے بہت دور چیزوں کے لیے تشنہ ہوں۔ میری روح یہ آرزو لیے ہوئے باہر نکلتی ہے کہ اس نازک فاصلہ کے دامن کو چھو لے... میں مشتاق و منتظر ہوں، میں ایک اجنبی ملک کا مسافر ہوں، تری سانس آتی ہے اور ایک نا ممکن الحصول امید مجھے سنا جاتی ہے۔ تیری زبان سے میرا دل ایسا ہی آشنا ہے گویا وہ آواز اس کی اپنی ہی ہو۔''[۲]

ان نظموں کے ترجموں کے متعلق سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبر آبادی رسالہ نقاد میں لکھتے ہیں:

''ان نظموں میں تخیل کی وسعت و لطافت، جذبات کی سادگی اور سچائی، وارداتِ عشق، معاملات محبت، جدید استعارے اور لطافت طرز بیان خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے۔ نیاز، قادری اور اختر کے ترجمے ایک ہی سلسلے میں شائع کیے جاتے ہیں کہ لطف قائم رہے۔ ایڈیٹر نقاد۔ آگرہ۔''[۳]

''دی گارڈنر'' کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ مصر کے مشہور اہل قلم ودیع البستانی نے عربی میں اس کا ترجمہ کیا تھا اور اپنے نام کی مناسبت سے اس ترجمہ کا عنوان ''البستانی'' رکھا۔ یہ ترجمہ راقم الحروف کو رسالہ ''معارف'' اعظم گڈھ بابت مئی ۱۹۲۰ء جلد ۵ شمارہ ۱۰ سے دست یاب ہوا ہے۔ اس

۱۔ حامد حسن قادری، جذباتِ ٹیگور، ص ۲۱۰، رسالہ اردو کراچی، جلد ۶۶، شمارہ ۴، اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۰ء

۲۔ ایضاً، ص ۲۱۲

۳۔ سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبر آبادی، رسالہ نقاد، ص ۲، جلد ۴، شمارہ ۳، آگرہ، جون ۱۹۱۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ترجمہ کو قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی نے اردو میں منتقل کیا اور اس کا نام ''ٹاگور عربی لباس میں'' رکھا۔ اختر جونا گڑھی نے صرف بچپن کے ہی حصے کا ترجمہ کیا تھا۔ اصل عربی متن اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

(ترجمۂ عربی)

(۱) مصافحة بالايادى ومناظرة بالعيون كذالك افتتح قلبنا نا باب الغرام الليلة مقمرة من ليالى شهر "مارس" وعبير الحناء مِلْءُ الهواء ، ونايي ملقى على الارض وطاقة الزهر فى يدك، ثم يتم تنظيمها ان المحبة التى بينى و بينك هى الا غنّية للباظة (وسلامة نية)

نقابك بلونه الزعفرانى يُسكر عينى واكليل الياسمين الذى ضفرته يصيح فوادى كالحمد، وما هى الالعبة منح ومنع،وتحجيب واسفار شئ من البسمات الى شئ من الخجل ، الى شئ من باطل المجاهدة والمعاناة ان مابينى و بينك من الحب هو الا غنية سذاجة (وسلامة نيّة)

لاغرابة ولا اسرار فيما وراء الزمن الحاضر، ولا محاولات ضائعة سدىً فى سبيل المستحيل ، ولاظلال وراء سحر الجمال ولا مجاولات فى اعماق الفلام ان الذى بينى وبينك من الحب لكا لاغنّية بساطة (وسلامة نية)

نحن لانخرج من الكلام الى الصمت الا بادى و لا نتطاول لتنا ول ما عز يبعده ان ينال من الاعمال حسبنا الا خذ مانتعا طاه ولم

(ترجمہ اُردو)

ہاتھ سے ہاتھ ملتے ہیں اور آنکھوں سے آنکھیں اور یوں ہمارے دلوں کی تاریخ شروع ہوتی ہے مارچ کی چاندنی رات ہے اور مہندی کی خوشبو سے ہوا لبریز ہے ، میری بانسری یونہی بے پروائی کی حالت میں زمین پر پڑی ہے اور تمھارا پھولوں کا ہارنا تمام، ہماری تمھاری محبت ایک گیت کی طرح سادہ ہے تمھاری زعفرانی نقاب میری آنکھوں کو مخمور کررہی ہے،چنبیلی کا ہار جوتم نے میرے لئے گوندھا ہے میرے دل میں تعریف کی لرزش پیدا کردیتا ہے یہ ایک کھیل ہے دینے اور باز رکھنے کا،افشا کرنے اور پھر پردہ داری کرنے کا، چند تبسموں کا تھوڑی سی حیا کا ، اور (چند شیرینِ بیسودم بیسود وہاتھاپائیوں کا، یہ محبت تمھارے اور میرے درمیان نغمہ کی طرح سادہ ہے، ہمارا کوئی راز زمانہ حال سے باہر نہیں ہے، ہماری کوئی سعی ناممکن کے لیے نہیں، کوئی تاریکی دلفریبی کے پس پردہ نہیں،کوئی جستجو ظلمت کی گہرائی میں نہیں۔ یہ محبت تمھارے اور میرے درمیان نغمہ کی طرح سادہ ہے ، ہم تمام ذخیرۂ الفاظ ختم نہیں کردیتے کہ سکوت دائمی اختیار کرنا پڑے، ہم امید سے باہر چیزوں کے لیے فضول ہاتھ نہیں اُٹھاتے، جو کچھ ہم دیتے ہیں اور جو کچھ ہم پاتے ہیں وہ کافی ہے، ہم نے مسرت کو بالکل پامال نہیں کردیا ہے کہ اس سے شرابِ الم نچوڑیں، یہ محبت تمھارے

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

"لقتصر الفرح" لتخرج لنا خمرة الا لم، ان الحب الذي بيني وبينك لكالا غنية بساطة (وسلامة نية) [1] اور میرے درمیان نغمہ کی طرح سادہ ہے۔

نیاز فتح پوری، حامد حسن قادری اور اختر جوناگڑھی نے ٹیگور کی نظموں کے جو ترجمے کیے ہیں، ان کے اقتباسات بھی بہ طورِ نمونہ پیشِ نظر رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نیاز فتح پوری لکھتے ہیں:

"...اے ماں، نوجوان شاہزادہ ہمارے دروازے سے ہوکر گزرنے والا ہے، آج صبح میں اپنے کام کیوں کر کرسکتی ہوں؟ مجھے بتا کہ میں اپنے بال کس طرح سنواروں اور کون سا لباس پہنوں؟ اے ماں تو کیوں مجھے تعجب سے دیکھتی ہے؟ میں خوب جانتی ہوں کہ وہ ایک دفعہ بھی میرے دریچہ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھے گا۔ میں جانتی ہوں کہ وہ چشمِ زدن میں میری نگاہوں سے اوجھل ہوجائے گا اور صرف بانسری کی سی مٹی ہوئی آواز دور سے سسکیاں بھرتی مجھ تک آسکے گی۔ لیکن نوجوان شاہزادہ ہمارے دروازے سے ہوکر گزرے گا۔" [2]

حامد حسن قادری کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"مدت گزری کہ روز آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ جاؤ اسے میرے بالوں میں سے ایک پھول دے دو۔ اگر وہ پوچھے کہ کس نے بھیجا ہے تو خدا کے لیے اس کو میرا نام نہ بتانا کیوں کہ وہ صرف آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔

وہ درخت کے نیچے خاک پر بیٹھ جاتا ہے، وہاں پھولوں اور پتوں کی ایک سیج سجادو۔ اس کی آنکھیں غم آلودہ ہیں اور میرے دل کو غمگین کردیتی ہے۔ وہ اپنے دل کا حال مجھ سے نہیں کہتا۔۔ وہ صرف آتا ہے اور چلا جاتا ہے۔" [3]

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"میں بے چین ہوں، میں تشنہ کام ہوں، اس بعید ترین (وجود) کے لیے...دن کی روشنی کم ہوتی چلی، اور میں دریچہ پر اسی طرح منتظر ہوں۔ آہ میری منتظر روح اس وسیع و

---

[1] قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی، البستانی: ٹاگور عربی لباس میں، رسالہ معارف، ص ۳۹۳-۳۹۶، جلد ۵، شمارہ ۱۰، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۰ء

[2] حامد حسن قادری، مکتوباتِ قادری، ص ۲۰۵، لاہور، نگارشات پبلشر ۱۹۹۹ء

[3] ایضاً، ص ۲۱۳

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

تاریک بعد کے کنارے چھو لینے کے لیے کافی ہے۔ اے بلندی سے بالاتر، اے ہمہ تن روشنی، آہ، وہ تیرے قرب کی صدائے عمیق! میں بھول جاتا ہوں، ہمیشہ بھول جاتا ہوں کہ میرے پاس پر پرواز نہیں ہیں۔'' [۱]

کرسچین ڈی لارسن کی کتاب ''دی سائنٹفک ٹریننگ آف چلڈرن'' کا اردو ترجمہ ''فطرت اطفال'' کے نام سے لیا تھا۔ یہ کتاب پہلی بار مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ۶۴ صفحات اور سات ابواب ہیں۔ حامد حسن قادری نے ہر باب میں تجاویز اور اشارات دیے ہیں اور کتاب کے آخر میں ''مختصر فہرست'' کے عنوان سے اردو انگریزی کے وہ الفاظ شامل کیے ہیں جو کہ کتاب میں بہ طورِ مصطلحات آئے ہیں۔

اس کتاب میں بچوں کی حرکات وسکنات اور نفسیات سے بحث کی گئی ہے۔ بچوں کے رجحاناتِ طبعی، تربیتِ تخیل، احساساتِ لطیف، ملکۂ نقالی، تاثراتِ فطری اور تعمیر سیرت وغیرہ۔ بچے اپنی خلقت میں بے ضرر اور معصوم طبع ہوتے ہیں اس لیے ان کی تربیت کے لیے ان کی نفسیات (سائیکلوجی) اور علم خواص الاعضا (فزیالوجی) پر غور کرنا ضروری ہے۔

پہلے باب میں بچوں کی انرجی یعنی قوت عمل کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انرجی ہر مخلوق، ذی روح اور متحرک اشیا کے اندر ہوتی ہے۔ بچوں کی انرجی سے مراد ان کی قوت عمل یعنی مچلنا، کھیلنا کودنا اور کچھ نہ کچھ کرتے رہنا ہے۔

دوسرے باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچوں میں قوتِ عمل سے نفع حاصل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ جس میں بچوں کا طبعی میلان یعنی ذاتی رجحان بھی شامل ہے۔ بچوں کو وہی چیزیں مہیا کی جائیں جو کہ ان کے مستقبل کے لیے مددگار ثابت ہوں۔ اس سے بچوں کی مخفی اور فطری صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع ملے گا۔

تیسرے باب میں ''تربیتِ تخیل'' پر زور دیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ بچوں کے ذہن کی تربیت اس طرح کی جائے کہ ان کا قوتِ تخیل محفوظ رہے اور تعمیری مقاصد کے لحاظ سے نشو نما پاتا رہے۔ بچوں کے ذہن میں بے شمار اثرات، احساسات، فطری خیالات وغیرہ موجود ہوتے ہیں جن سے ان کے ذہن میں نئے تصورات اور نئی کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔

---

[۱] حامد حسن قادری، مکتوباتِ قادری، ص ۲۲۰، لاہور، نگارشات پبلشر ۱۹۹۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اس کتاب کے چوتھے باب میں بچوں کے احساساتِ لطیف کا ذکر کیا گیا ہے۔ بچوں میں تخیل کی کارفرمائی اور نقل کرنے کے قوت بڑوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ تمام بچوں کے اندر احساساتِ لطیف کا مادہ موجود ہوتا ہے۔

پانچویں باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچوں کی فطرت میں نقل کرنا شامل ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کی حرکات کی نقالی کرتے ہیں۔ اس لیے جو لوگ بچوں کے ساتھ رہتے ہیں انہیں اپنے افعال پر بہت توجہ دینا چاہیے اور ساتھ ہی بچوں کی تربیت سائنٹفک طرز پر ہونی چاہیے۔ چیزوں کا سیدھا اور خاص اثر بچوں کے ذہن پر پڑتا ہے ہمیشہ بچوں کی دلچسپی کے لحاظ سے چیزیں موجود ہونی چاہئے۔ تعلیم و تربیت میں بچوں کی طبعی میلان کا خیال رکھنا چاہیے۔

چھٹے باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچوں کا ذہن زیادہ حساس ہوتا ہے۔ بچے کے ذہن پر پڑنے والے اثرات عموماً دیرپا ہوتے ہیں۔ بچے کا دماغ مختلف طرح سے متأثر ہوتا ہے جس میں سب سے گہرا اثر تقریر اور گفتگو کا ہے۔ مثلاً اساتذہ کی تقریر اور والدین کی گفتگو وغیرہ۔

اس کتاب کے آخری یعنی ساتویں باب میں ''تعمیر سیرت'' کے عنوان سے گفتگو کی گئی ہے اور بچوں کی سیرت کی تعمیر کے لیے نیکی، پارسائی، خوش خلقی صداقت اور خوبصورتی وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ بچوں کو ان کی خامیوں کی طرف بھی توجہ دلانا چاہیے، بچوں کے سامنے بڑوں کا جھگڑنا اچھا نہیں ہے۔ بچوں کو ہمیشہ یہ احساس دلاتے رہنا چاہیے کہ ان کا مستقبل خیال، قول اور فعل سے متاثر ہوتا ہے۔ ان باتوں سے بچوں میں بڑے کارنامے انجام دینے کی صلاحیت پیدا ہوسکتی ہے۔

یہ کتاب بچوں کی نفسیات پر لکھی گئی ایک اہم کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے بچوں کی نفسیات، حرکات وسکنات، افعال و اخلاق کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ ساتھ ہی بتایا ہے کہ بچوں کی تربیت میں کن اصولوں کی مدِنظر رکھنا چاہیے تاکہ ان کی نشونما خاطر خواہ ہوسکے۔

حامد حسن قادری نے ایران کے مشہور شاعر ابوسعید ابوالخیر کی سو رباعیوں کا منظوم ترجمہ ۱۹۲۹ء میں کیا تھا۔ اس کے چند حصے رسالہ ''زمانہ'' شمارہ مئی میں ۱۹۲۹ء شائع ہوئے تھے۔ یہ سات رباعیوں کا ترجمہ ہے جس کا عنوان ''فیضانِ ابوسعید ابوالخیر'' ہے۔ اس کے متعلق حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا شاہ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کا پایہ شعرائے رباعی

میں نہایت بلند ہے۔ ان کی چند رباعیوں کا ترجمہ اردو رباعیوں میں
حاضر ہے۔ کہیں لفظی ترجمہ ہے، کہیں صرف خیال لے لیا گیا ہے۔
ترجمہ اصل سے بہتر کیا برابر ہونا بھی مشکل ہے۔ اس لیے اصل کو
ترجمہ کے ساتھ لکھنا ترجمہ کا بھرم کھولنا ہے۔''[۱]

اصل فارسی متن اور اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

(۱)

وصلِ تو کجا ومن مہجور کجا — وصل اس کا کہاں اور یہ مہجور کہاں
دردانہ کجا حوصلۂ مور کجا — یہ خاک کہاں وہ منبعِ نور کہاں
ہرچند ز سوختن ندارم باکے — ہرچند کہ جلنے سے مجھے باک نہیں
پروانہ کجا و آتشِ طور کجا — پروانہ کہاں اور آتشِ طور کہاں

(۲)

گہ میگردم برآتش ہجر کباب — ہوں آتش ہجر میں کبھی جل کے کباب
گہ سرگردان بحر غم ہمچو حباب — سرگشتہ ہجر غم کبھی مثل حباب
القصہ چو خار و خس دریں دیر خراب — القصہ مثال خار وخس دنیا میں
گہ برسرِ آتشم گہے برسرِ آب — یا برسرِ آتش رہوں یا برسرِ آب

(۳)

زاں مے خوردم کہ روح پیمانۂ اوست — روح اس کی شرابِ غم کا پیمانہ ہے
زاں مست شدم کہ عقل دیوانۂ اوست — عاشق ہشیار ہے جو دیوانہ ہے
دودے بمن آمد آتشے بامن زد — اُس شمع کی لو سے دل میں ہے آگ لگی
زاں شمع کہ آفتاب پروانۂ اوست — جس شمع کا آفتاب پروانہ ہے

---

[۱] حامد حسن قادری، فیضان ابوسعید ابوخیر، رسالہ زمانہ (جوبلی نمبر)، ص ۳۰۰، جلد ۵۷، شمارہ ۵، کانپور، مئی ۱۹۲۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

(۴)

درکشور عشق جائے آسایش نیست — عاشق ہو تو آرزوئے آسایش کیا
آنجاہمہ کا ہس است افزایش نیست — بیتاب رہو سکوں کی فرمایش کیا
بے درد والم توقعِ درماں نہ — بے درد و الم توقع درماں کیوں
بے جُرم و گنہ اُمید بخشایش نیست — بے جرم و گنہ امید بخشایش کیا

۵

برمن در وصل بستہ میدارد دوست — مجھ پر در وصل بستہ ہے اس کو پسند
دل را بفراق خستہ میدارد دوست — دل فرقت و غم سے خستہ ہے اس کو پسند
من بعد من و شکستگی و در دوست — اب میں ہوں شکستگی ہے اور یار کا در
چوں دوست دل شکستہ میدارد دوست — آخر تو دل شکستہ ہے اس کو پسند

۶

ناکامم اے دوست زخود کامی تست — ناکام ہوں میں یہ تری خود کامی ہے
دین سوختگی ہائے من از خامی تست — تو مجھ کو جلاتا ہے یہ کیسا خامی ہے
مگذار کہ در عشق تو رسد اگر دم — رسوا نہ کر اپنے عشق میں اے ظالم
رسوائی من باعث بدنامی تست — رسوائی عاشق تری بدنامی ہے

۷

عشق تو بلاے جانِ درویشِ من است — ہے غم سے ترے قطع تعلق مشکل
بیگانہ نمی شود مگر خوش من است — رکھتا ہے اسے عزیز تر جان سے دل
گفتم سفرے کنم زغم بگریزم — چاہوں بھی اگر کہ غم سے بچ کر بھاگوں
منزل بہ منزل غم تو در پیش من است — رہتا ہے غم آگے آگے منزل منزل[1]

اس اشاعت کے کئی سال بعد سہ ماہی رسالہ ''اردو نامہ'' جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء (شمارہ ۱۹) میں یہ رباعیاں ''خزانۂ رباعیات یعنی گنجِ نایاب مصنفاتِ مولانا ابوسعید ابوالخیر مع ترجمہ اردو'' کے عنوان سے شائع

---

[1] حامد حسن قادری، فیضان ابوسعید ابوالخیر، رسالہ زمانہ (جوبلی نمبر)، ص ۳۰۰-۳۰۱، جلد ۵۷، شمارہ ۵، کانپور، مئی ۱۹۲۹ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ہوئیں۔ بہ طورِ نمونہ چند رباعی اور اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

(۱)

''دنیا جم را وقیصر خاقان را	دنیا جم وقیصر اور خاقان کے لیے
تسبیح ملک را و صفا رضواں را	تسبیح ملک کے ، باغ رضوان کے لیے
دوزخ بدرا بہشت مرنیکاں را	دوزخ ہے بدوں کا، اور نیکوں کا بہشت
جاناں ما را و جانِ ما جاناں را	جاناں مرا، میری جاں جاناں کے لیے

(۲)

از چرخ وفلک گردش یکساں مطلب	کیوں چرخ سے ہے گردش یکساں کی طلب؟
وز دور زمانہ عدل سلطان مطلب	کیا دور زمانہ عدل سلطان کی طلب
روزے پنج کہ در جہاں خواہی بود	دنیا میں جو چند روز رہنا ہے فقط
آزاد دل ہیچ مسلماں مطلب	دل میں نہ رکھ آزاد مسلماں کی طلب

(۳)

آئینہ حسن تو در صورت زیب	آئینہ ترے حسن کا بازینت وزیب
گرداب ہزار کشتی صبر و شکیب	گرداب ہزار کشتی صبر و شکیب
ہر آئینہ کہ غیر حسن تو بود	لیکن جو تیرے حسن کا آئینہ نہیں
خوائد خردش سراب صحرائے فریب	ہے پیش خرد سراب صحرائے فریب

(۴)

گہ شانہ کش طرہ لیلیٰ باشی	تو شانہ کش طرہ لیلیٰ ہے کبھی
گہ در سر مجنوں ہمہ سودا باشی	اور قیس کے سر میں توہی سودا ہے کبھی
گہ آئنہ جمال یوسف گردی	ہے تو کبھی آئینۂ حسن یوسف
گہ آتش خرمن زلیخا باشی	اور آتش خرمن زلیخا ہے کبھی[1]

---

[1] حامد حسن قادری، خزانۂ رباعیات، رسالہ اردو نامہ، ص ۶۱-۶۴، شمارہ ۱۹، جنوری تا مارچ، انجمن ترقی اردو بورڈ، کراچی ۱۹۶۵ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ترجمہ شدہ تمام رباعیاں ساٹھ سال بعد مارچ ۱۹۹۰ء میں افضل شریف پرنٹرز قادری اکیڈمی کراچی سے پہلی بار کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ کتاب ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب میں شامل رباعی نمبر ۷۷ اور رباعی نمبر ۸۳ کے متعلق مرتب نے یہ اطلاع فراہم کی ہے:

''حضرت والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا ابو الخیر ابو سعید کی دو رباعیوں کے ترجموں کو یہ سمجھا کہ وہ اصل فارسی رباعی کے مفہوم سے دور ہیں۔ اس لیے انھوں نے اصل اردو متن پر ہی اپنے قلم سے چھلک x کا نشان بنا دیا گویا رباعی نمبر ۷۷ اور رباعی نمبر ۸۳ کو وہ اصل متن سے خارج کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے میں نے اصل متن سے نکال دیا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ خواہ فارسی رباعی کے ترجمے کی حیثیت سے نہ ہو لیکن خود اپنے طور پر یہ دونوں اردو رباعیاں اپنا مقام رکھتی ہیں۔ اس لیے ان دونوں اردو رباعیوں کو فارسی متن کے بغیر آخیر میں شامل کر دیا ہے۔''[۱]

اس کتاب کے آخر میں حامد حسن قادری کا ''قطعہ تاریخ'' شامل ہے۔ ان کے علاوہ حامد حسن قادری نے کچھ اور ترجمے بھی کیے ہیں۔

آفتابچی جوہر نے ''تذکرۃ الواقعات'' کے عنوان سے ہمایوں بادشاہ کے حالاتِ زندگی لکھے تھے۔ یہ کتاب فارسی میں تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ملازم میجر اسٹوارٹ نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ حامد حسن قادری نے اسے اردو میں منتقل کر دیا اور اس کا نام ''تذکرۂ ہمایوں'' رکھا۔ یہ ترجمہ پہلی بار رسالہ ''نقاد'' شمارہ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے متعلق حامد حسن قادری رقم طراز ہیں:

''...اتفاق سے انگریزی ترجمہ مجھے مل گیا۔ میں نے بہ مشورہ مولانا شبلی مدظلہ اس کا ترجمہ کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جوہر معمولی قابلیت کا آدمی ہوگا اور اس کا پایہ مورّخ کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جا سکتا مگر جس چیز نے مجھے اُس کی کتاب کے ترجمہ کا شوق دلایا، وہ یہ ہے کہ اس نے جو کچھ دیکھا ہے لکھ دیا ہے۔ اور ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی درج کیے ہیں جن سے بادشاہ کے حالات، خیالات اور عادات پر خاص روشنی پڑتی ہے۔ یہ باتیں بڑی بڑی تواریخ میں بھی نہیں مل سکتیں۔ جوہر کی اصل کتاب (تذکرۃ الواقعات)

---

[۱] حامد حسن قادری، رباعیاتِ فارسی، ابو سعید ابو الخیر، ص ۵، قادری اکیڈمی، کراچی ۱۹۹۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

افسوس کہ باوجود جستجو کے نہ مل سکی ۔ ناظرین نقاد میں سے کوئی صاحب اگر اس کا پتہ بتا سکیں تو میں نہایت ممنون ہوں گا۔''[۱]

تذکرہ ہمایوں سے چند سطریں ملاحظہ ہوں:

''راجہ مالدیو والیِ جودھپور کے علاقہ میں داخل ہوتے ہی بادشاہ نے راجہ کو حاضری کا فرمان بھیجا۔ اس نے آنے کے واسطے تو چند عذر لنگ کہلا بھیجے لیکن تحفہ میں میوہ جات روانہ کیے ۔ ہم تین دن وہاں رہے ۔ اس عرصہ میں راجہ نے نہ کوئی مہمان نوازی کی نہ آفت رسیدہ بادشاہ کے واسطے کوئی سامان راحت مہیا کیا۔ اثنائے قیام میں ایک دربان راجو نام موکب خسروی سے علیحدہ ہوگیا اور مالدیو کو جا کر اطلاع کی کہ بادشاہ کے پاس بہت سے جواہرات اور بیش قیمت موتی ہیں۔ پھر ایک اور شاہی ملازم محمد عاشق نامی بھی جادہ اطاعت سے منحرف ہوگیا اور راجہ سے کہا کہ بادشاہ سے وہ جواہر طلب کرو۔'' [۲]

حامد حسن قادری نے تہران کے مشہور رباعی گو شاعر بابا طاہر عریاں کی دس رباعیوں کا اردو ترجمہ ''رباعیاتِ بابا طاہر عریاں'' کے عنوان سے کیا تھا۔ یہ رباعیاں پہلی بار ۱۹۳۱ء رسالہ ''زمانہ'' میں شائع ہوئیں ۔ اس میں موصوف نے فارسی شاعری کی ابتدا اور ارتقا، رباعی کی تعریف، بحر اور اقسام کے ساتھ بابا طاہر کی رباعیوں کی خصوصیات پر مختصراً گفتگو کی ہے۔ حامد حسن قادری نے ان سے متعلق کئی واقعات بھی بیان کیے ہیں۔ ''رباعیاتِ بابا طاہر عریاں'' کا اصل فارسی متن اور اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

(۱)

دلت اے سنگدل برما نسوجہ — حالت پہ مری تجھے ترس آتا کیا
عجب نبود اگر خارا نسوجہ — پتھر ہے تو پھر جلے گا دل تیرا کیا
بسوجم تم بسو جو نم دلت را — جلتا ہوں کہ تیرے دل میں بھی آگ لگے
ور آتش چوب تر تنہا نسوجہ — ظاہر ہے جلے گی چوبِ تر تنہا کیا

(۲)

دلم از دردِ تو دائم غمینہ — دائم ترے درد سے ہوں رنجور و حزیں
ببالیں خشتم و بستر زینہ — تکیہ مرا خشت اور بستر ہے زمیں

---

[۱] حامد حسن قادری، تذکرۂ ہمایوں، رسالہ نقاد، ص ۱۲، جلد ۲، شمارہ ۱۰، آگرہ، اکتوبر ۱۹۱۴ء

[۱] ایضاً، ص ۱۲

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ہمیں جرمکہ موتہ اوست دیرم — یہ جرم سہی کہ میں ترا عاشق ہوں
نہ برکت دوست دارد حالش اینہ — لیکن سب عاشقوں کا یہ حال نہیں

(۳)

زدل نقشِ جمالت در نشی یار — دل سے نہیں مٹتی تری تصویرِ جمال
خیال خط و خالت در نشی یار — ہٹتا نہیں اک دم کو خیالِ خط و خال
مژہ سازم بگرد دیدہ برچیں — پلکوں سے یہ روک ہے کہ جب خون بہے
کہ خوں ریژہ خیالت در نشی یار — ایسا نہ ہو آنکھوں سے نکل جائے خیال

(۴)

بیتہ یک دم دلم خرم نمونہ — دل تیرے بغیر شاد و خرم نہ رہے
وگر روے تو و نیم غم نمونہ — جب دیکھ لوں تجھ کو تو کوئی غم نہ رہے
اگر دردِ دلم قسمت نمونہ — کردیں مرا درد سب کو تقسیم اگر
ولے بے درد در عالم نمونہ — بے درد کے کوئی فرد عالم نہ رہے

(۵)

دلے دیرم ز عشقت گیژہ ویژہ — دل عشق میں تیرے کیا الم سہتا ہے
مژہ برہم زنم سیلابہ خیزہ — دریا مری آنکھوں سے رواں رہتا ہے
دلِ عاشق مثالِ چوب تربہ — عاشق کا ہے دل بھی چوبِ تر کی مانند
سرے سوجہ سرے خونبابہ ریژہ — جلتا ہے ادھر خون اُدھر بہتا ہے

(۶)

دلے نازک بسانِ شیشہ ام بے — شیشے کی طرح دل ہے نزاکت پیشہ
اگر آہے کشم اندیشہ ام بے — اِک آہ میں ہے شکست کا اندیشہ
سر شکم گر بوہ خونیں عجب نیست — خونیں نہ ہوں اشک کیوں کہ میں ہوں وہ شجر
سو آں دیرم کہ در خوں ریشہ ام بے — ہے خون میں غرق جس کا ریشہ ریشہ

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

(۷)

زشور انگیزی چرخِ فلک بے — مجھ پر ستم و جورِ فلک رہتے ہیں
کہ دائم چشم زخمم پُر نمک بے — دائم مرے زخم پر نمک رہتے ہیں
دمام دود آہم تا سموات — یا آہِ رسا تا بہ سما رہتی ہے
دلم تالاں و اشکم تا سمک بے — یا اشک رواں تا بہ سمک رہتے ہیں

(۸)

خدا وند از بس زارم ازیں دل — اس دل کے سبب خستہ و زار ہوں میں
شود روزاں در آزارم ازیں دل — آزار میں دن رات گرفتار ہوں میں
زبس نالیدم، از نالیدنم کس — نالاں ہوں میں نالۂ و فغاں سے اپنے
زمر بستوں کہ بیزارم ازیں دل — لے لے کوئی دل، کہ دل سے بیزار ہوں میں

(۹)

زدست دیدہ و دل ہر دو فریاد — فریاد دل و دیدہ سے یارب فریاد
کہ ہر چہ دیدہ دینہ دل کنہ یاد — دیکھے جو نہ آنکھ، دل کرے پھر کیوں یاد
بسازم خنجرے نیشش زپولاد — فولاد کی نوک کا بناؤں خنجر
زنم بردیدہ تا لد گردہ آزاد — اور بھونک لوں آنکھ میں کہ دل ہو آزاد

(۱۰)

خرم آناں کہ ہر زماں تہ و نین — خوش ہیں، جنھیں دیدار میسّر ہے ترا
سخون وا تہ کرن وا تہ نشین — باتیں کریں، پاس بیٹھیں، تو کیا کہتا
گرم پائے نہ بے کایم تہ دینم — دیدار ترا جو میری قسمت میں نہیں
بشم آنوں بو نیم کہ تہ ونین — جو دیکھتے ہیں تجھے انھیں دیکھوں گا[۱]

اصل متن اور اردو ترجمے کا موازنہ کرنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ حامد حسن قادری نے شاعر کے خیالات کو اردو میں منتقل کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔

---

۱ حامد حسن قادری، رباعیاتِ باباطاہر عریاں، رسالہ زمانہ، ص ۱۹-۲۱، جلد ۵۹، شمارہ ۷، کانپور، جولائی ۱۹۳۱ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

سلیمان حئیم کی فارسی کتاب ''ڈراما یوسف زلیخا'' کا اردو ترجمہ حامد حسن قادری نے اسی نام سے کیا تھا۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن آگرہ اخبار برقی پریس سے ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔ جب کہ دوسرا ایڈیشن بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں چھپا۔ یہ کتاب ۱۱۶ صفحات اور پانچ ''پردوں'' پر مشتمل ہے۔ ہر ''پردے'' میں کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ سات مجالس ہیں۔ اس کتاب کے حرفِ آغاز میں خالد حسن قادری نے مصنف سلیمان حئیم کے مختصر حالاتِ زندگی اور علمی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''سلیمان حئیم ماہر لسانیات تھا اور جدید فارسی ادبیات میں بلند مرتبہ رکھتا ہے۔ جدید فارسی کی کئی لغات اس نے پچاس اور ساٹھ ہزار الفاظ پر مرتب کر کے شائع کی ہیں۔ ... اس کی پہلی لغتِ فارسی انگریزی دو ضخیم جلدوں میں ۱۹۳۶ء میں تہران سے کتاب فروشی یھودا برخیم و پسران نے شائع کی تھی۔''[1]

اس کتاب کے پہلے اور تیسرے پردے میں پانچ، دوسرے اور چوتھے پردے میں تین، اور پانچویں پردے میں سات مجلسیں ہیں۔ شروع میں درج ذیل کرداروں کی فہرست پیش کی گئی ہے۔

''حضرت یعقوب۔

پسر ارشد حضرت یعقوب	روبن
// دوم	شمعون
// سوم	لاوی
// چہارم	یہودا
// پنجم	یساکار
// ششم	زبولوں
// ہفتم	دان
// ہشتم	نفطالی
// نہم	جاد
// دہم	آشر

---

[1] حامد حسن قادری، ڈراما یوسف و زلیخا، ص ۵، نئی دہلی، بھارت آفسٹ پریس ۲۰۰۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

// پسر یازدہمین	یوسف
// پسر دوازدہمین	بن یامین
// بادشاہ مصر	فرعون
عزیز مصر و رئیس خواجگان	یوطیفاد
فرعون	وزیر اول
//	وزیر دوم
	ملک زعر تاجر عرب
	سپاہ مالک
	سجانوس قاصد
از یک مادر	منسی پسر اول یوسف
	افرایم پسر دوم یوسف
	ناظر یوسف
	یک نفر فراش
	پیش خدمت فرعون
از یک مادر	پیش خدمت عزیز مصر
	زلیخا و عزیز مصر
از یک مادر	دایہ زلیخا
	کنیز اول زلیخا
از یک مادر	کنیز دوم //
	کنیز سوم //
	کنیز چہارم //
	کنیز پنجم //

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

منجم اول	مہمان اول ایک نفر از خانم ہائے مصری
// دوم	// دوم // // //
// سوم	// سوم // // //
ساقی فرعون	ستارہ دختر آشر
خباز فرعون	بربطہ زنہائے زلیخا
زندانیاں	دونفر رقاصہ
زندانی اول	دونفر خنیاگر
زندانی دوم	صدائے غیبی ''[1]

پہلا ''پردہ'' تین مجالس میں منقسم ہے۔ پہلی مجلس میں صحرائے کنعاں، دوسری میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے مکان کا ایک کمرہ اور تیسری مجلس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جنگل میں پھرنے کا منظر ہے۔

دوسرا ''پردہ'' تین مجالس پر مشتمل ہے جس کی پہلی مجلس میں زلیخا آدھی رات کو خواب سے بیدار ہوتی ہے اور پریشان نظر آتی ہے۔ دوسری مجلس میں زلیخا کے کمرے اور تیسری مجلس میں صحرا میں زلیخا اور دایہ کو خیمے میں بیٹھے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

تیسرے ''پردے'' میں مصر والوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہ پانچ مجلسوں میں پھیلا ہوا ہے۔ پہلی مجلس میں عزیز مصر محل کے ایک کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا خادم کھڑا ہے۔ دوسری مجلس میں زلیخا کے کمرے کا سین ہے۔ دایہ اس کے کمرے کو درست کر رہی ہے۔ تیسری مجلس میں پھر وہی منظر ہے یعنی دایہ کمرے میں داخل ہوتی ہے اور زلیخا متفکر بیٹھی ہے۔ بربط نواز گانے بجانے میں مشغول ہیں۔ چوتھی مجلس میں خواب گاہِ زلیخا کا ذکر ہے۔ جس میں حضرت یوسف علیہ السلام داخل ہوتے ہیں اور پانچویں یعنی آخری مجلس میں مہمان خانۂ زلیخا کے ایک کمرے کا منظر پیش کیا گیا ہے جس میں دایہ اور ایک کنیز محفل آراستہ کرتی ہیں اور سازندے سازوں کو ٹھیک کرنے میں مشغول ہیں۔ چوتھے ''پردے'' میں تین مجالس ہیں۔ پہلی مجلس میں مصر کے ایک قید خانے کا حال ہے۔ دوسری مجلس میں قصر فرعون کا ایک کمرہ ہے جس میں دربارِ شاہی

---

[1] حامد حسن قادری، ڈراما یوسف و زلیخا، ص ۳۳-۳۴، نئی دہلی، بھارت آفسٹ پریس ۲۰۰۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

آراستہ ہے۔ فرعون، عزیز مصر، دو امیر اور ایک خادم خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ تیسری مجلس میں خواب گاہ فرعون کے ایک کمرے کا منظر پیش کیا گیا ہے، جس میں فرعون خوابِ راحت میں ہے اور خدمت گار کھڑے ہیں۔

پانچویں ''پردے'' میں مصر و کنعان کا ذکر ہے۔ اس میں سات مجالس ہیں۔ پہلی مجلس میں قصر یوسف کا کمرہ دکھایا گیا ہے۔ دوسری مجلس میں بھی وہی منظر ہے۔ تیسری مجلس میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے کمرے کا بیان ہے۔ چوتھی مجلس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے کمرے کا سین ہے۔ پانچویں مجلس میں دروازۂ مصر کے باہر کا منظر ہے۔ چھٹی مجلس میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے کمرے کا ذکر ہے۔ آخری یعنی ساتویں مجلس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے کمرے کے باہر کا صحن دکھایا گیا ہے۔

پہلے پردے کی دوسری مجلس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام سو رہے ہیں اور ان کے والد یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام دعائیں مانگ رہے ہیں۔ بیدار ہونے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد سے کہتے ہیں:

> ''بابا جان، میں نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب و مہتاب اور گیارہ ستارے میرے سامنے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کی عظمت و ہیبت سے آنکھ کھل گئی۔ (سب بھائی قہقہہ لگاتے ہیں)''[1]

پارہ ۱۲، سورہ یوسف، آیت ۴ کے مطابق حضرت یوسف کا بیان ملاحظہ ہو:

> ''میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج چاند کو دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا پیارے بچے اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں۔''[2]

متذکرہ اقتباس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت یوسف نے یعقوب علیہ السلام سے اپنے خواب کا ذکر علیحدگی میں کیا تھا۔ یعنی اپنے بھائیوں کے سامنے نہیں۔ ان کے والد نے سن کر یہ کہا تھا کہ اس کا تذکرہ اپنے بھائیوں سے نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ وہ کید و مکر سے کام لیں۔ اس ڈرامے میں یہ دکھا گیا ہے کہ حضرت یوسف نے سب بھائیوں کے سامنے خواب کا ذکر کیا ہے۔ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ ص ۴ کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

---

[1] حامد حسن قادری، ڈراما یوسف و زلیخا، ص ۳۸، نئی دہلی بھارت آفسٹ پریس ۲۰۰۴ء

[2] مولانا محمد جوناگڑھی اور مولانا صلاح الدین یوسف، قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، ص ۶۳۹، سعودی عرب، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس ۱۴۱۸ھ

''شمعون: بھائیو!! اب موقع کو ہاتھ سے نہ دو کہ دشمن بپائے خود آمد بگور۔ آؤ ہم نے جو تجویز کر رکھی ہے اس کے مطابق اس کو فوراً مار ڈالیں اور یہیں کسی کنویں میں ڈال دیں۔ پھر دیکھیں گے اس کے خواب کا کیا حشر ہوتا ہے۔''[۱]

یہ خیال غلط ہے کہ بھائی پہلے چلے گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے پیچھے بھیجا گیا۔ قرآن مجید پارہ ۱۲، سورۃ یوسف میں ہے کہ بھائیوں نے ساتھ لے جانے کی اجازت اپنے والد یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام سے حاصل کی اور لے جا کر کنویں میں ڈال دیا۔

ڈراما یوسف وزلیخا ص ۴۲ کا ایک اور اقتباس درج ذیل ہے:

''یہودا: خدایا! کنویں سے یہ کیسا نور نکل رہا ہے۔''[۲]

اس ڈرامے میں پیش کیا گیا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے کنویں سے نکالا اور فروخت کر دیا۔ یہ بات قرآن مجید کے خلاف ہے۔ پارہ ۱۲، سورۃ یوسف آیت ۱۹ کے مطابق:

''ایک قافلہ آیا انھوں نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا۔ اس نے اپنا ڈول لگایا، کہنے لگا واہ، واہ خوشی کی بات ہے یہ تو لڑکا ہے۔ انہوں نے اسے مالِ تجارت قرار دے کر چھپا دیا۔''[۳]

دوسرے ''پردے'' کی پانچویں مجلس میں ص ۷۷ پر درج ہے:

''دایہ: عزیز مصر یوسف کو معاف نہیں کرتا تھا اور قید خانے بھیجنے پر بھی آمادہ تھا۔ مگر سنا ہے (میں نہیں کہہ سکتی سچ ہے یا جھوٹ) کہ قید خانے کے قریب ایک شیر خوار بچے کی خدا نے زبان کھول دی اور اس نے گواہی دی کہ یوسف بے قصور ہے۔''[۴]

قرآن مجید میں بچے کی گواہی کا واقعہ نہیں ہے۔ پارہ ۱۲، سورۃ یوسف آیت ۲۷-۲۶ کے مطابق:

''یوسف نے کہا یہ عورت ہی مجھے پھسلا رہی تھی اور عورت کے قبیلے ہی کے ایک شخص نے

۱۔ حامد حسن قادری، ڈراما یوسف وزلیخا، ص ۴۰، نئی دہلی بھارت آفسٹ پریس ۲۰۰۴ء

۲۔ ایضاً، ص ۴۲

۳۔ مولانا محمد جوناگڑھی اور مولانا صلاح الدین یوسف، قرآن کریم مع اردو ترجمہ وتفسیر، ص ۶۴۳، سعودی عرب، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس ۱۴۱۸ھ

۴۔ حامد حسن قادری، ڈراما یوسف وزلیخا، ص ۷۷، نئی دہلی بھارت آفسٹ پریس ۲۰۰۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

گواہی دی کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو عورت صحیح اور یوسف جھوٹ بولنے والے میں سے ہے اور اگر اس کا کرتا پیچھے سے پھاڑا گیا ہے تو جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے۔''[۱]

چوتھے ''پردے'' کی پہلی مجلس میں مصر کے ایک قید خانے کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ اس میں یہ مکالمہ ہے۔

''ٹھہرو، پہلے ساقی کی تعبیر بتادوں۔''[۲]

اس ڈرامے کا یہ سین قرآن مجید سے مطابقت نہیں رکھتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب سنتے ہی فوراً تعبیر نہیں بتائی بلکہ پہلے اپنے رب کی حمد و ثنا کی۔ اس واقعہ کا ذکر پارہ ۱۲، سورۃ یوسف، آیت ۳۶-۳۷ میں اس طرح ہے:

''اس کے ساتھ ہی دو اور جوان بھی جیل خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو شراب نچوڑتے دیکھا ہے۔ اور دوسرے نے کہا میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں جسے پرندے کھا رہے ہیں۔ ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے۔

... یوسف نے کہا تمھیں اس کی تعبیر بتادوں گا۔ یہ سب اس علم کی بدولت ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے۔ میں نے ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے۔ جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔''[۳]

پانچویں ''پردے'' کی پہلی مجلس میں قصر یوسف کے ایک کمرے کا ذکر ہے:

''یوسف ... جب تک تمھارا چھوٹا بھائی یہاں حاضر نہ ہو جائے، زیادہ سے زیادہ تم اتنا کر سکتے ہو کہ اپنے میں سے ایک شخص کو بھیج دوں کہ اس کو لے آئے اس کے آنے تک تم اسیر رہو گے۔ اگر ایسا نہ ہو تو جان فرعون کی قسم تم جاسوس ہو۔''[۴]

---

۱ مولانا محمد جونا گڑھی اور مولانا صلاح الدین یوسف، قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، ص ۶۴۶-۶۴۷

۲ حامد حسن قادری، ڈراما یوسف و زلیخا، ص ۸۳

۳ مولانا محمد جونا گڑھی اور مولانا صلاح الدین یوسف، قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، ص ۶۵۱،

۴ حامد حسن قادری، ڈراما یوسف و زلیخا، ص ۹۲

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

قرآن مجید میں ہے کہ چھوٹے بھائی کو بلانے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے کسی بھائی کو روکا نہیں بلکہ گھر جانے دیا اور غلہ پورا بلکہ اور زیادہ ہی دلوادیا۔ مگر یہ کہہ دیا کہ آئندہ غلہ لینے آؤ تو چھوٹے بھائی کو لے کر آنا ورنہ ایک دانہ بھی نہیں ملے گا۔ غلہ کی قیمت واپس کرنے کا ذکر حامد حسن قادری نے بھی کیا ہے اور قرآن مجید میں بھی ہے۔

پارہ ۱۳، سورۃ یوسف، آیت ۵۹ میں اس کا ذکر ہے:

''جب انھیں ان کا اسباب مہیا کر دیا تو کہا کہ تم میرے پاس اپنے اس بھائی کو بھی لانا جو تمھارے باپ سے ہے، تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں۔ اور میں ہوں بھی بہترین میزبانی کرنے والوں میں۔''[۱]

پانچویں ''پردے'' کی پانچویں مجلس کے ص ۱۰۶ پر لکھا ہے:

''یہودا: جس شخص کے پاس یہ جام برآمد ہوگا وہ واجب القتل ہے۔''[۲]

یہاں یہودا نے چوری کی سزا قتل بتائی ہے۔ پارہ ۱۳، سورۃ یوسف، آیت ۷۵ میں اس کا بیان اس طرح ہے۔

''جواب دیا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے اسباب میں سے پایا جائے وہی اس کا بدلہ ہے۔ ہم تو ایسا ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔''[۳]

اسی ''پردے'' کی چھٹی مجلس میں حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں:

''یوسف: (روتے ہوئے) اس سے زیادہ راز کو پوشیدہ نہیں رکھا جاسکتا۔ بھائیو! میں یوسف ہوں۔ کیا میرے باپ زندہ سلامت نہیں۔''[۴]

یہاں قصے کو مختصر کر دیا گیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی جانے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض کے پہنچنے سے بینائی واپس آنے کا بھی ذکر نہیں ہے۔ قرآن مجید کے پارہ ۱۳، سورۃ یوسف آیت ۹۳ میں ہے کہ دوسرے سفر میں سرقہ جام کے بہانے سے

---

۱ مولانا محمد جونا گڑھی اور مولانا صلاح الدین یوسف، قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، ص ۶۵۹

۲ حامد حسن قادری، ڈراما یوسف و زلیخا، ص ۱۰۶

۳ مولانا محمد جونا گڑھی اور مولانا صلاح الدین یوسف، قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر، ص ۶۶۴

۴ حامد حسن قادری، ڈراما یوسف و زلیخا، ص ۱۰۹-۱۱۰

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حضرت یوسف علیہ السلام بنیامین کو روک لیتے ہیں۔ بڑا بھائی روبن اپنے عہد کے مطابق کنعان واپس نہیں گیا۔ دوسرے بھائی جا کر حضرت یعقوب علیہ السلام سے بنیامین کی چوری کا حال بیان کرتے ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام صدمے سے نڈھال ہو جاتے ہیں اور پھر تیسری بار اپنے لڑکوں کو مصر بھیجتے ہیں تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں پر اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں اور اپنے والد یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کا حال سن کر اپنی قمیض بھیجتے ہیں اور ماں باپ کو مصر بلاتے ہیں۔ سب آتے ہیں اور اس وقت والدین اور گیارہ بھائی سجدے میں گر جاتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کہتے ہیں۔ ابا یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو پہلے دیکھی تھی۔

حامد حسن قادری کے ترجمہ شدہ ڈرامے کا ایک مکالمہ (ص ۱۱۱) اس طرح ہے:

''یوسف: میں خط لکھ دوں گا اور اس میں ایسی باتیں لکھ دوں گا کہ ان کو یقین آ جائے گا کہ میں زندہ ہوں (دیکھنے لگتے ہیں)۔''[۱]

قرآن مجید میں بجائے خط لکھنے کے قمیص بھیجنے کا واقعہ ہے۔

Sterling Narth اسٹرلنگ نارتھ کی مشہور کتاب "A B E lincoln log cabin to white house" کا پہلا ایڈیشن Randam House, New York سے شائع ہوا تھا۔ حامد حسن قادری نے اس کا ترجمہ ''ابراہام لنکن: جھونپڑی سے ایوان صدر تک'' کے نام سے کیا۔ یہ ترجمہ پہلی بار انجمن پریس اردو اکیڈمی کراچی سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ اردو ترجمہ دو سو سات صفحات اور بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے ہر باب کا الگ عنوان ہے۔ مثلاً نینسی کا ننھا منا مہمان، بے در و دیوار سا ایک گھر بنایا چاہیے، دوسری ماں، ابتدائی تعلیم، سی سی پی میں کشتی رانی، الی نواڈے کی سرحد، نیو سیلم اور بلیک ہاک کی جنگ، ہر فن مولا، اسپرنگ فیلڈ کے ابتدائی ایام، سیاست داں اور وکیل، گھر کی پھوٹ اور الوداع وغیرہ۔ اپنے ترجمے کے متعلق حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

''کتاب کو اردو خواں طبقہ میں مقبول بنانے کے لیے جگہ جگہ آزاد اندازِ بیان میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔ ترجمہ بھی بہت آزاد ہے۔''[۲]

۱۔ حامد حسن قادری، ڈراما یوسف و زلیخا، ص ۱۱۱

۲۔ حامد حسن قادری، ابراہم لنکن: جھونپڑے سے ایوان صدر تک، ص ۸، کراچی انجمن پریس، ۱۹۵۷ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ حامد حسن قادری نے آزاد ترجمہ کیا ہے۔ پہلے باب میں ابراہام لنکن کی زندگی، کردار، اعمال اور افکار کا بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ابراہام لنکن اپنی ذاتی صلاحیت اور محبت سے امریکہ کے ایوانِ صدر تک پہنچے اور ان کا انتخاب سولھویں صدی میں سولھویں صدر کی حیثیت سے ہوا۔ اس باب کی ابتدا ان جملوں سے ہوتی ہے:

''میری زندگی کے ابتدائی واقعات کو اختصار مگر جامعیت کے ساتھ صرف ایک فقرے میں بیان کیا جا سکتا ہے اور وہ فقرہ گرے کے مرثیہ میں موجود ہے۔ غریبوں کی سادہ اور مختصر کہانی۔'' [1]

اس کتاب کے دوسرے باب میں ابراہام لنکن کے نئے گھر اور پرورش کا بیان ہے جس میں انڈیانا کی ریاست کو یونین میں شامل کرنے کا اعلان بھی شامل ہے۔ اس وقت وہاں جنگل تھے اور ان جنگلوں میں ریچھ اور دوسرے جانور وغیرہ پائے جاتے تھے۔

تیسرے باب میں ابراہام لنکن کی دوسری ماں کا ذکر ہے جس کا نام سارا بش لنکن تھا۔ اس باب کے متعلق خود سارا بش لنکن کے چند جملے درج ہیں جو کہ ابراہام لنکن کے عادات و افکار کی عکاسی کرتے ہیں:

''ادیب بہت ہی نیک اور پیارا بچہ تھا۔ وہ میرے ساتھ نہ کبھی بری طرح پیش آیا اور نہ مجھے کوئی شکایت کا موقع دیا۔ وہ طبعاً ہر شخص اور ہر شے سے اچھا سلوک کرتا تھا۔ ہم دونوں کے خیالات یکساں تھے۔ ہم دونوں کا دماغ بھی ہر معاملات میں یکساں کام کرتا تھا۔'' [2]

اس کتاب کا چوتھا باب ابراہام لنکن کی ابتدائی تعلیم اور تربیت سے متعلق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابراہام لنکن نے اپنی تعلیم کے دوران زندگی کے نشیب و فراز کا بہ خوبی سامنا کیا۔

پانچویں باب میں ابراہام لنکن کی زندگی میں ہونے والے مدوجزر پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ابراہام لنکن کا بیان ہے:

---

[1] حامد حسن قادری، ابراہام لنکن: جھونپڑے سے ایوان صدر تک، ص ۱۰، کراچی انجمن پریس، ۱۹۵۷ء

[2] ایضاً، ص ۴۱

''مجھے اس بات کے اظہار میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی کہ میں نے کشتیوں پر ایک معمولی مزدور کی طرح کام کیا ہے۔ غریب آدمی کے لڑکوں کی طرح میں نے ہر طرح کی محنت مزدوری کی ہے۔''[۱]

چھٹے باب میں الی نوائے کی سرحدوں کا ذکر ہے جہاں ابراہام لنکن اور ان کے دوست نے تقریباً ایک ماہ قیام کیا تھا۔ اسی دوران ابراہام لنکن ایک چھوٹی سی دوکان میں ملازم ہوگئے۔ ان کا عہدہ منشی کا تھا پھر وہاں سے ابراہام لنکن دوست کے ساتھ مسی سی پی چلے گئے۔

ساتویں باب میں نیو سیلم اور بلیک ہاک کی جنگ کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ اس جنگ میں ابراہام لنکن کو رضا کاروں کے ایک دستہ کا سردار مقرر کیا گیا۔ اس کے متعلق خود ابراہام لنکن لکھتا ہے کہ:

''...اس کامیابی پر مجھے حد سے زیادہ خوشی ہوئی''۔[۲]

آٹھویں باب میں اس دوکان کا ذکر ہے جس میں ابراہام لنکن منشی تھے۔ اس دوکان کا دیوالہ نکل گیا۔

نویں باب میں حامد حسن قادری نے ابراہام لنکن کے قانون کے مطالعہ کا اجمالاً ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ابراہام لنکن نے اسپرنگ فیلڈ جا کر وکالت شروع کرنے کا ارادہ کیا۔ وکالت کے دوران ہی ابراہام لنکن نے فرضی ناموں سے تحریریں لکھیں۔ ایک موقع پر انھوں نے اپنے دوست کو مصیبت سے بچانے کے لیے سارا الزام اپنے سر لے لیا۔ اسی باب میں لنکن کی شادی کا ذکر ہے۔

دسویں باب میں ابراہام لنکن کے سیاست داں اور وکیل ہونے کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ۱۸۴۶ء میں ابراہام لنکن کا انتخاب امریکہ کے کانگریس کے ایوان صدر کی حیثیت سے ہوا۔

گیارھواں باب اس کتاب کا تاریخی باب ہے جس میں ۶ نومبر ۱۸۶۰ء کا ذکر ہے۔ جب ابراہام لنکن کا انتخاب امریکہ کے صدر کی حیثیت سے ہوا اور امریکہ کی جنوبی ریاستیں جو کہ الگ تھی وہ مل گئیں۔

اس کتاب کا آخری باب ''الوداع'' ہے جس میں ابراہام لنکن کی زندگی کے آخری دنوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کی ابتدا ہی ان جملوں سے ہوتی ہے:

''میں آپ لوگوں کو الوداع کہتا ہوں۔''[۳]

۱۔ حامد حسن قادری، ابراہام لنکن: جھونپڑے سے ایوان صدر تک، ص ۷۵، کراچی انجمن پریس، ۱۹۵۹ء

۲۔ ایضاً، ص ۱۰۷

۳۔ ایضاً، ۱۸۰

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری نے ایران کے مشہور ڈرامہ نگار سعید نفیسی کے خاکوں، ڈراموں اور افسانوں کا بھی اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کے یہ تراجم ''ایرانی افسانہ'' کے عنوان سے ۱۹۴۴ء میں آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئے۔ ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۴ کے درمیان ان میں سے کئی ترجمے رسالہ ''آج کل'' میں شائع ہو چکے ہیں۔

اس کتاب میں شامل تحریروں کے عنوانات اس طرح ہیں: اندھی محبت، آدمی ہونا بہت دشوار ہے، فرنگی مآبی، کیمیائے ہستی، اذان مغرب، قفسِ زرّیں، دمِ واپسیں، سلائی پچکیں، کنگھے ربڑ کے، عشق کی غلطی، اک چوٹ مول لائے، سیلِ انقلاب، عوض معاوضہ گلہ ندارد، فریب رنگ، لقب، الماری میں چوہا، پردۂ حقیقت نما، طوقِ لعنت اور تفریح۔ ۱۸۷ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے دیباچے میں حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

> ''اردو میں مزاحیات وطنزیات کی طرز نگارش نے کافی ترقی کر لی ہے۔ لیکن ابھی ایسے اسالیب باقی ہیں جن کے نمونے اردو میں نظر نہیں آتے۔ یہ ایرانی افسانے، اردو میں منتقل ہو کر وہ نمونے مہیا کرتے ہیں۔ ایران کی ادبیاتِ جدید میں ڈرامے یا تمثیلیں بہت پہلے سے اور کثرت سے لکھی گئی ہیں، لیکن رومانی یا نفسیاتی افسانے اور خاکے بیسویں صدی سے پہلے نہیں لکھے گئے، اور اب تک بہت کم لکھے گئے ہیں۔ ان افسانوں کے مصنف سعید نفیسی کا دعویٰ ہے کہ وہ ایران میں اس صنفِ ادب کے موجد ہیں (''کہ در ایران من آغاز کردی بودم'')۔ مصنف کے نزدیک افسانہ تمثیل ''بزرگ ترین رکنِ ادب'' ہے اور دوسرے سب ارکان ''پایۂ دوم وپلّہ وپست تر'' میں ہیں۔''[1]

کتاب میں شامل تحریریں طنزیہ اور مزاحیہ نوعیت کی ہیں۔ افسانوں کا موضوع رومانی ہے۔ اردو میں رومانی افسانوں کی شروعات یلدرم، راشد الخیری اور نیاز فتح پوری سے ہوتی ہے اور طنز و مزاح کی روایت اردو میں ''اودھ پنچ'' سے ہی جاری ہے، اور روز بروز اس میں ترقی ہو رہی ہے۔ طنزیہ اور مزاحیہ اسلوب میں کوئی بھی ادب پارہ لکھا جا سکتا ہے۔ یلدرم اور نیاز فتح پوری دونوں کے یہاں یہ اسلوب موجود ہے۔ گو کہ یلدرم اور نیاز نے رومانی افسانے لکھے لیکن وہ رومان پرور فضا میں بھی طنز و مزاح کا کوئی نہ کوئی

---

[1] حامد حسن قادری، ایرانی افسانے، دیباچہ، ص ا، اخبار برقی پریس، آگرہ ۱۹۴۴ء

پہلو ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ مثلاً یلدرم کا مشہور مضمون ''مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ'' رومانی ہونے کے باوجود طنزیہ اور اصلاحی مضمون نظر آتا ہے۔ اسی طرح سے فارسی میں سعید نفیسی کی تحریریں بھی رومانی اور نفسیاتی تحریروں کے ذیل میں آتی ہیں۔ اکثر جگہوں پر سعید نفیسی انشاپرداز کی شکل میں سامنے آتے ہیں۔ مثلاً یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''غلط مشہور'' دنیا میں بہت ہیں۔ اگر کوئی کتاب لُغت ایسی مرتّب ہوتی جس میں بعض معروف ومتداول کلمے درج ہوتے تو یقیناً حرف غین میں یہ بھی لکھا جاتا۔

''غلط مشہور، اس چیز کو کہتے ہیں کہ سب لوگ اس کے مفہوم میں متفق ہوں لیکن کوئی شخص مفہوم کی صحت پر غور نہ کرے اور سب اس کو غلط معنوں میں استعمال کریں۔

بہر حال ''اغلاطِ مشہور'' عالم میں بہت پائے جاتے ہیں۔ خیارِ شمیراں، دعوتِ شیراز، لکھنؤ کی نزاکت، پیرس کا فیشن، ہندوستان کی وضعداری، یہ سب غلطِ مشہور'' ہیں۔''[1]

اسی طرح افسانہ ''کیمیائے ہستی'' سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''یہ زندگی کیا ہے؟ فقط زندہ رہنا اور اپنے زندہ ہونے کے آثار کو آشکار ونمایاں کرنا۔ آثارِ زندگانی تمھارا تحمل وثروت ہے یا خود تم اور تمھاری ہستی؟ کیا تمھارے ذہن وفکر، روح وقلب، سرشت وفطرت سے تمھاری زندگانی عبارت ہے یا تمھارے اندوختہ مال و متاع سے؟''[2]

اپنے بعض افسانوں میں سعید نفیسی اس طرح کا دلچسپ اندازِ بیان بھی اختیار کرتے ہیں جو فن افسانہ طرازی کے لیے نہایت موزوں ہے: مثلاً افسانہ ''اپنا گھر'' کے ابتدائی جملے ملاحظہ ہوں:

''اسّی برس ہوئے ہرات میں ایک بوڑھا آدمی رہتا تھا۔ وہ قدیم ایرانیوں کی نسل سے تھا۔ نصر اللہ کی عمر ۷۴ برس کی تھی۔ اصل میں اس کا وطن دہخوارقاں تھا، لیکن گردشِ روزگار نے اس کو ہرات میں لا ڈالا تھا اور وہ یہاں حمّالی کیا کرتا تھا۔ نصر اللہ ان لوگوں میں تھا جن کو کسی چیز سے کوئی وابستگی نہیں ہوتی۔ بچپن میں یتیم ہوگیا تھا۔ شادی نہ کی تھی۔ وطن میں

---

[1] حامد حسن قادری، ایرانی افسانے، ص ۳-۴، اخبار برقی پریس، آگرہ ۱۹۴۴ء

[2] ایضاً، ص ۳۸

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ایک موروثی گھر تھا، لیکن اب خدا جانے تھا بھی یا نہ تھا۔ نصر اللہ گھر اور خاندان کے جذبات و احساسات کو لغو و لایعنی سمجھا کرتا تھا۔ کہیں گلی کوچے میں کوئی عورت اپنے چھوٹے سے بچے کو سینے سے لگائے، محبت بھری آواز سے بچے سے بولتی اور پیار کرتی تو نصر اللہ کو بڑا تعجب ہوتا اور یکا یک اس کے چہرے سے نفرت کے آثار نمایاں ہو جاتے۔ نصر اللہ کو ہرات میں رہتے ساٹھ برس ہو گئے تھے لیکن کوئی گھر نہ بنایا تھا، کسی مقام سے اس کو تعلقِ خاطر نہ تھا، کوئی جگہ اس کی نظر میں دوسری جگہ سے بہتر نہ تھی۔ یہ پیر مرد عجب طرح کا آزاد فلسفی تھا کہ کسی شے سے اس کو محبت نہ تھی، نہ کسی شخص نے کبھی اس سے محبت کی تھی۔ اس لیے وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ میں دنیا میں کسی کا پابند نہیں۔ جس روز بھی مرنے کی ٹھہرے، بڑے اطمینان سے، بغیر حسرت و افسوس کے دنیا سے رخصت ہونے کو تیار ہوں۔ انہی خیالات کی بنا پر اس کا کہیں آنا جانا تھا نہ کسی سے میل جول۔''[۱]

سعید نفیسی کا شمار ایران کے مشہور اور اہم قلم کاروں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم تہران میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے فرانس گئے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے ملک لوٹ آئے اور تہران و وزارت فوائد عامہ میں ملازم ہو گئے، لیکن وہ اس سے مطمئن نہ ہو سکے۔ جلد ہی وہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ اس کے بعد ''مدرسہ علوم سیاسی دارالفنون اور دارالمعلمین عالی'' میں بحیثیت استاد ملازم ہو گئے۔ جہاں انھوں نے تاریخِ ادبیات، تاریخِ تمدن اور تصوف وغیرہ کا درس دیا۔ ملازمت کی مدت سے پہلے ہی ۱۹۳۱ء میں وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے اور اپنا سارا وقت مطالعہ، تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیا، اور پورے انہماک کے ساتھ تخلیقی، تنقیدی، اور تحقیقی کاموں میں مصروف ہو گئے، نومبر ۱۹۶۶ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

سعید نفیسی نے اپنے پیچھے تصنیفات، تالیفات اور تحقیقی مقالوں کا بڑا سرمایہ چھوڑا ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع تھا اور انھیں کئی زبانوں پر مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے کئی زبانوں سے ترجمے بھی کیے۔ ان کی بیش تر تصانیف فارسی میں ہیں۔ وہ ادیب، شاعر، مترجم، ناول نگار، افسانہ نگار ڈرامہ نگار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ اصطلاح سازی میں بھی انھیں مہارت حاصل تھی۔ ظہور الدین احمد اپنی کتاب ''نیا ایرانی

---

[۱] حامد حسن قادری، ایرانی افسانے، ص ۵۱-۵۲، اخبار برقی پریس، آگرہ ۱۹۴۴ء

ادب مع ترجمہ واضافہ'' میں سعید نفیسی کے متعلق لکھتے ہیں:

''نفیسی عہد حاضر کے نامور استادوں، محققوں اور نثر نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ بہت تیز نویس ہیں۔ ان کی تالیفات اور تصانیف کے علاوہ تصحیح وتحشیہ ترجمہ ملا کر کل تعداد ۲۴۵ تک پہنچ چکی ہے۔ کتابوں کے علاوہ ان کے تقریباً ۶۰۰ تحقیقی اور علمی مضامین رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۵۰۰ کے قریب مقالات ہیں جو یورپ اور ایشیا میں فرانسیسی انگریزی، روسی، عربی، اردو اور ارفنی زبانوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے اور انھیں کتابوں پر بڑا عبور ہے۔ فرانسیسی اور عربی میں تو مہارت رکھتے ہیں۔ انگریزی جرمنی اور روسی کو بھی استفادہ کے مراتب تک سمجھتے ہیں۔ زبان شناسی پر ان کی گہری نظر ہے۔ زبان فارسی کو بنانے سنوارنے میں انھوں نے قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اصلاح زبان پر ان کے استادانہ مقالات شائع ہوتے رہتے ہیں۔ الفاظ کی تحقیق میں ان کو بڑا درک ہے۔''[۱]

مذکورہ اقتباس سے سعید نفیسی کی ہمہ جہت شخصیت کا پتہ چلتا ہے۔ حامد حسن قادری نے ان کی تحریروں کو اردو میں منتقل کر کے قابل قدر ادبی خدمت انجام دی ہے۔ ان ترجموں نے ہمیں ایران کے ایک صاحب طرز انشا پرداز کے اسلوب نثر سے استفادہ کا موقع عطا کیا ہے۔ حامد حسن قادری نے کتاب میں شامل افسانوں کے باب میں اپنے دیباچے میں جو رائے پیش کی ہے، اسے اس جگہ حاصل کلام کے طور پر نقل کرنا مناسب ہوگا:

''ان افسانوں میں بیان کا پیچ اور طول خاص طور پر عجیب دلکش ہے۔ جزئیات کی تفصیل، نفسِ انسانی کا مطالعہ، اسلوبِ بیان کی قوت وقدرت، طنز ومزاح کی لطافت نے ان افسانوں اور خاکوں کو بجا طور پر مصنف کے لیے باعث فخر بنا دیا ہے۔''[۲]

۱۔ ظہور الدین احمد، نیا ایرانی ادب مع ترجمہ واضافہ، ص ۴۷۰، ضیاء ادب پرنٹرس، لاہور ۱۹۹۰ء

۲۔ حامد حسن قادری، ایرانی افسانے، دیباچہ، ص ا، اخبار برقی پریس، آگرہ ۱۹۴۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

متفرقات:

۱۹۵۲ء میں حامد حسن قادری نے رسالہ ''نقوش'' کے لیے ایک مختصر مضمون لکھا تھا اور اس مضمون میں اکبرالہ آبادی کے کلام سے چند غزلیں اور نظمیں منتخب کی تھیں۔ کتابی صورت میں اسے ۲۰۰۲ء میں خالد حسن قادری اور افضال الرحمٰن صاحب نے ''جج اکبر: انتخابِ کلام اکبرالہ آبادی'' کے عنوان سے لبرٹی پریس نئی دہلی سے شائع کیا گیا۔ اس مقالے کے عنوان کے متعلق حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

> ''مولانا محمد علی ظریف شاعر نہ تھے، مگر طبیعت سے بڑے چلبلے، باتوں میں بڑے مسخرے تھے۔ ایک روز نامہ ہمدرد کوچہ چیلان دہلی سے نکالتے تھے۔ اس میں اکبرالہ آبادی کے تذکرے پر ان کو جج اکبر لکھا تھا۔ مجھے بہت پسند آیا تھا۔ اسی لیے اس کو اس مقالے کا عنوان قرار دیتا ہوں۔''[1]

یہ کتاب باون صفحات پر مشتمل ہے۔ چودہ صفحات میں اکبرالہ آبادی کی شاعری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اٹھارہ صفحات میں غزلیں اور بیس صفحات میں منتخب نظمیں ہیں۔ نظموں میں مشرق و مغرب، خاص مواقع اور حالات، اکبر کا فلسفہ، محض خیال آرائی، زیست سے بیزار، موت کا انتظار، سرسید نیچری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

''چمنستانِ ادب'' حامد حسن قادری اور ان کے چھوٹے بھائی محمد طاہر فاروقی کی مرتب کی ہوئی کتاب ہے۔ اس کی اشاعت ۱۹۴۴ء میں آگرہ اخبار برقی پریس سے ہوئی۔ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ بی اے کی نصابی ضرورت کے تحت تیار کی گئی اس کتاب میں اردو کے مشہور شاعروں، ادیبوں اور انشاپردازوں کے مختصر حالاتِ زندگی اور ادبی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔ حصہ اول ۱۹۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۳۹ صفحات کا مقدمہ شامل ہے۔ یہ مقدمہ محمد طاہر فاروقی نے لکھا ہے جس میں اردو کی ابتدا اور ارتقا پر مختصر گفتگو امیر خسرو، بندہ نواز گیسودراز، کبیرداس، گرونانک، شاہ میراں جی، شاہ برہان الدین، وجہی اور شاہ محمد قادری وغیرہ کے حوالے سے کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ فورٹ ولیم کالج، سرسید تحریک، ترقی پسند تحریک اور عصر حاضر کے مصنفین وغیرہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں میر امن، مرزا غالب، سرسید احمد خاں، مولوی محمد حسین آزاد، مولوی نذیر احمد، خواجہ الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، عبدالحلیم شرر، محمد علی طبیب، برج نرائن چکبست، مولانا ابوالکلام

---

[1] حامد حسن قادری، جج اکبر: انتخابِ کلام اکبرالہ آبادی، ص ۵، لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی، ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

آزاد، خواجہ حسن نظامی، سید سجاد حیدر یلدرم، منشی پریم چند، قاضی عبدالغفار، رشید احمد صدیقی اور مرزا فرحت اللہ بیگ کے ایک ایک دو دو مضامین شامل ہیں۔

دوسرے حصے میں اردو کے معروف شاعروں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے، جن میں ولی اورنگ آبادی، میر تقی میر، میر درد، غالب، مومن، ذوق، اقبال، فراق، فانی، حسرت اور شاد عظیم آبادی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

۱۹۴۱ء میں حامد حسن قادری نے ''نوادر منتخبۂ شعر و ادب'' کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی تھی جو مدتوں بعد خالد حسن قادری اور ان کے دوست افضال الرحمٰن صاحب کی توجہ سے بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۱۹۵ صفحات اور دو بیاضوں میں پر مشتمل ہے۔ پہلی بیاض نوادر منتخبہ شعر و ادب ہے جس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

در حمد، اساتذہ کی جانشینی، رباعی غیر مطبوعہ، ریختی، شعر متعلق سماع، ادیبوں کی غلطی، جلال لکھنوی، پروفیسر لوگ، کیا شعر کہا ہے، اچھا بند نکالا ہے، ایڈیٹروں کی جہالتیں، لطیفہ، کہاں خیال پہنچا، کمالِ داغ پر تبصرہ، آج کل کی فارسی دانی، غالب و ذوق، رقعۂ شاہجہاں، ثاقب اکبر آبادی، عفت اہلیہ ثاقب اکبر آبادی، اکبر الٰہ آبادی، ادیبوں کی غلطیاں، مرزا غالب کی فارسی رباعیاں، دیدنی، تلک، اقبال و سیماب، آغا حجو شرف لکھنوی، امیر و داغ، ایک زبان کا تصرف، اے، غزل نواب صدیق حسن خاں، مضطر و مضطرب، عجائباتِ جہالت کی ایک عجیب مثال، توارد، ماثر الکرام، لطیفہ دین الٰہی، لطیفہ اور پیامِ اقبال کی خرابی۔

دوسری بیاض کے عنوانات اس طرح ہیں: اغلاط، توارد، استفادہ، سرقہ تقلید، قبول عام، لطیفہ، شاعروں کی ناشاعری، کلام نعتیہ مولانا غلام امام شہید، تعقید لفظی، ایک دیوانہ شاعر، اساتذہ کی پسند، پاؤں ..... پیر، جوش ملیح آبادی کی عروضی غلطی، لطیفہ اوپر سے ہوتی آتی ہے، ایک اور بھانڈ، شعرائے کم سواد، توارد، ذَم کا پہلو، تعقید لفظی، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، تحقیق لفظ خضر، مشتہر..... منتظر..... ایک تحقیق، محاکمہ مشورہ، ذو معنی، نوح ناروی، ادیبوں اور شاعروں کی غلطیاں، پرگوئی کا نتیجہ، شاہی لطیفہ، استادوں کی غلطیاں، ریاض کی قدر دانی، شاعری کی کرامت، انگڑائی، بلبلے، حسن نظامی، نقالی اور خط و خال وغیرہ۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''ادبی مقالات'' پہلی بار لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ انتیس مقالات اور ۲۸۸ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں ۱۹۲۶ء سے ۱۹۶۱ء کے درمیان لکھے گئے

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

مضامین شامل ہیں۔ ان میں سے بیش تر مضامین رسالہ ''زمانہ''، ''اردو نامہ''، ''عالمگیر'' وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں ان مضامین کے علاوہ ایک تقریر اور چند ترجمے بھی شامل ہیں۔

کتاب کا پہلا مضمون ''عربی مبین'' ہے۔ اسے حامد حسن قادری نے حلیم مسلم ہائی اسکول کی ملازمت کے دوران لکھا تھا اور دار العلوم ندوۃ العلوم کانپور کے تیسرے جلسے کے موقع پر پڑھا تھا۔ اس مضمون میں انھوں نے عربی زبان کی قدامت، رسم الخط، عربی زبان کی کثرت الفاظ و معانی، متضاد الفاظ، الفاظ میں حقیقت اشیا کی طرف اشارہ، الفاظ مقلوب، حروف مفردہ، عربی مادے کی وسعتِ استعمال اور عربی زبان کی انفرادیت پر زور دیا ہے۔ بہ قول حامد حسن قادری ''عربی زبان وادب نے فارسی کو شیرینی بخشی ہے اور زندگی کو رنگینی عطا کی ہے''۔

حامد حسن قادری نے اپنے مضمون ''انقلابی شاعری'' میں نئی شاعری نئے رجحانات، تحریکات وغیرہ کے حوالے سے نئی شاعری کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے قافیہ، آزاد نظم اور پابند نظم وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے اور اقبال کی شاعری کو انقلاب آفریں قرار دیا ہے۔

''بعض یورپین شعرائے کرام'' میں حامد حسن قادری نے یورپین مصنفین اور شاعروں کے حالاتِ زندگی اور ادبی خدمات کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ انھوں نے جن حضرات کو موضوع بحث بنایا ہے ان میں جارج پیش شور، ولیم برویٹ، مزویا متر و مظلوم، ہنری ڈیروز یو وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

''اردو شاعری کی روایت: ایک نشری تقریر'' میں موصوف نے ''ابلاغ یعنی "Communication" سے بحث کی ہے، بلاغت کی تعریف بیان کی ہے اور رموز وعلائم اور کنایے وغیرہ پر گفتگو کی ہے۔

مضمون ''مزے کی بات'' میں حامد حسن قادری نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ خوب صورتی کی پہلی شرط ندرت، تازگی اور حسن ادا ہے۔

''آزاد کی انشا پردازی'' میں حامد حسن قادری نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ آزاد اپنے زمانے کے پہلے صاحبِ طرز ادیب تھے۔ انھوں نے آزاد کے اسلوب نگارش پر روشنی ڈالی ہے اور ''آب حیات، نیرنگ خیال، دربارِ اکبری اور سخندانِ فارس وغیرہ سے حوالے پیش کیے ہیں۔

''غزل کی روایت'' میں حامد حسن قادری نے حسرت موہانی، فانی بدایونی، اصغر گونڈوی، جگر مرادآبادی کی شاعری کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور غزل کی روایت پر روشنی ڈالی ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ان مضامین کے علاوہ اس کتاب میں حامد حسن قادری کے وہ مضامین بھی شامل ہیں جن کا ذکر گذشتہ باب میں کیا جاچکا ہے۔ جن میں رباعیات بابا طاہر عریاں، امام رباعی اور ٹیگور وغیرہ شامل ہیں۔

راقمہ کو مختلف رسالوں سے ان کے درج ذیل مقالے بھی دستیاب ہوئے ہیں: دائرۃ ادبیہ (رسالہ نقاد، اگست ۱۹۱۴ء)۔ فنِ تاریخ گوئی (رسالہ زمانہ، نومبر ۱۹۲۶ء)۔ غالب یادگار یعنی تذکرہ الشعراء مرتبہ: حضرت امیر مینائی رحمۃ اللہ علیہ، (رسالہ عالمگیر، ۱۹۳۶ء)۔ علامہ اقبال اہل ایران کی نظر میں: ایک معرکۃ الآرا تحقیقی مقالہ (رسالہ عالمگیر، خاص نمبر، ۱۹۳۹ء)، وغیرہ شامل ہے۔

''مضامینِ کائنات'' حامد حسن قادری کے سائنسی مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کی اشاعت ۲۰۰۲ء لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ہوئی۔ یہ کتاب سولہ مضامین اور ۱۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں سائنس کی تحقیقات، طبیعیات، طب وغیرہ سے متعلق مضامین شامل ہیں۔ ان میں نظریہ ڈارون، اسبابِ اجتماع، روشنی کی رفتار اور فن نظریہ طبابت وجراحی مصر قدیم میں، ہومیو پیتھی، حقایق جدیدہ، مریخ کے اشارات، شہیدانِ سائنس، حصن حصین، ایک ریز، برکات سائنس، فضائے آسمانی، بنگال کا آخری راجہ، منشی جی، منشی حیات بخش رسا وغیرہ مضامین قابل ذکر ہیں۔ بہ قول خالد حسن قادری:

> ''زیر نظر مجموعہ میں ان کے ''غیر ادبی مضامین'' ہیں۔ ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دلچسپیاں کسی ایک میدان میں ہی محدود نہ تھیں۔ جدید انکشافات واکتشافات، سائنسی علوم، نجوم اور معلومات عامہ سے بھی ان کی دلچسپی تھی۔ مختلف انگریزی رسائل میں اس قسم کے مضامین ان کے مطالعہ میں رہتے تھے اور وہ ان کو اپنے طور پر اردو کے قالب میں ڈھال کر شائع کراتے تھے۔''[۱]

اس کتاب سے حامد حسن قادری کے وسیع مطالعہ اور دلچسپی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے انگریزی مضامین کے کئی اردو ترجمے کیے رابرٹ لوئی اسٹیونسن (Robert lui Stevensen) کے مضمون کا اردو ترجمہ بھی ''حصن حصین موت کے مقابلے کے لیے'' کے عنوان سے کیا ہے۔ اس مضمون میں ایک قدیم عقیدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ان کے ایک اور مضمون ''ہومیو پیتھی'' کے متعلق خالد حسن قادری کتاب کے ''حرفِ آغاز'' میں

۱۔ حامد حسن قادری، مضامینِ کائنات، حرف آغاز، ص ۵، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

لکھتے ہیں:

''موجودہ مضمون انھوں نے دوران قیام کانپور وہاں کے ایک مشہور ہومیو پیتھک ڈاکٹر شمبھو دیال صاحب سری واستوا کی تالیف آئینہ ادویات ہومیو پیتھی پر ۱۹۲۵ء میں بہ طور مقدمہ کے تحریر فرمایا تھا۔ راقم الحروف اس مضمون سے بے خبر تھا۔ یہ مضمون مولانا کے شاگرد رشید گرامی قدر پروفیسر ڈاکٹر مغیث الدین صاحب فریدی نے کانپور سے لندن بھیجا۔''[۱]

اس مضمون میں انھوں نے اصول طب قدیم، علاج بالضد کے نقائص، ایجاد ہومیو پیتھی، اصول ہومیو پیتھی، علاج ہومیو پیتھی، ادویات ہومیو پیتھی، مقبول ہومیو پیتھی، تحسین ہومیو پیتھی، تصانیف ہومیو پیتھی، آئینہ ادویات ہومیو پیتھی وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔

حامد حسن قادری نے ''نظریۂ ڈارون'' میں دو سائنس دانوں یعنی چارلس ڈارون اور الفرڈ والیس کے نظریات کو موضوع بحث بنایا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ دونوں سائنس دانوں نے اپنے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے تقریباً یکساں اصطلاحی الفاظ تجویز کیے ہیں۔ والیس نے ''تنازع للبقا'' یعنی "Struggle for life" اور ڈارون نے اسی مفہوم کو ''تنازع للحیات'' یعنی "Struggle for existence" سے تعبیر کیا ہے۔ ان دونوں سائنس دان کے نظریات کا مسلم اصول ''الانواع بانسل مع الترمیم'' یعنی "The origin of species by desceint with modification" ہے۔ حامد حسن قادری نے حیوانات کی سوسائٹی، اسباب جماعت بندی، مادۂ اجتماع، تعلقاتِ قرابت، غیروں کو خاندان میں شامل کرنا، زبان ونظام جماعت، عام احساسِ اخلاق، قیادتِ جمہور کا آغاز، آغازِ عدل وانصاف، قوتِ جنگ، مؤثراتِ طبعی، اثر صحبت، اشغال جماعت، اشکال جماعت، جذبات و ضبط جذبات، تحفظِ جماعت، بقائے جماعت، ترقی جماعت، اخلاقی تحریکات اور اشغال، اشغال اور تہذیب آموز اور کوآپریٹو سوسائٹیاں یا جماعت تعاونِ عمل وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔

مضمون ''فنِ طبابت وجراحی مصر قدیم میں'' پہلی بار رسالہ الناظر بابت دسمبر ۱۹۲۹ء، جلد ۳۶۔ شمارہ ۶ میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں حامد حسن قادری نے علم طبابت اور سرجری کے پرانے طریقوں کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

۱۔ حامد حسن قادری، مضامینِ کائنات، ص ۷، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی ۲۰۰۲ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''بنگال کا آخری راجہ'' میں انھوں نے بنگال کے مشہور راجا سین وجے لکشمیہ کے مختصر حالاتِ زندگی اور جنگی کارناموں کو قلم بند کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ تعلیم نے موجودہ بنگالیوں کے طبائع میں انقلاب پیدا کر دیا تھا اور خاص و عام ہر طبقے میں علم و ادب کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ جو آج بھی بنگالیوں کا طرۂ امتیاز ہے۔

حامد حسن قادری نے افسانے بھی لکھے ہیں۔ ''صید و صیاد اور دوسرے افسانے'' ان کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن آگرہ اخبار برقی پریس سے ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا۔ یہ ۲۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں افسانہ ''صید و صیاد'' ہے اور دوسرا حصہ بارہ افسانوں اور چار ترجموں پر مشتمل ہے۔ اس مجموعہ کے زیادہ تر افسانے ۱۹۲۵ء سے ۱۹۴۳ء کے درمیان لکھے گئے اور مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔ کتاب میں شامل افسانوں کو دو ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ۱۹۳۶ء سے پہلے کے افسانوں میں آسمانی سوار، تحفۂ محبت، غیبی سزا، خود بین سے سراغرسانی، مسہری کا راز، عید پر عید، عجیب جدت اور پیاسی بلی قابلِ ذکر ہیں اور ۱۹۳۶ء کے بعد کے افسانوں میں حج اکبر، ایک سیب کی قیمت، بوا فرعونی، محبت کے ٹکڑے، گم شدہ رانی، ااااا، دل کی آواز اور جوہر ذاتی وغیرہ ہیں۔ ''صید و صیاد'' بھی ۱۹۳۶ء کے بعد کے افسانوں میں شامل ہے۔ ان افسانوں کی نوعیت پر روشنی ڈالتے ہوئے حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

> ''ان افسانوں میں بعض ترجمے ہیں، چند ماخوذ اور کچھ طبع زاد۔ جو افسانے آپ کو سب سے کم درجے کے معلوم ہوں ان کو میرا نتیجہ طبع سمجھیے۔ جو ان سے زیادہ پسند آئے ان کو کسی دوسرے کی روح اور میرا قلب تصور کیجیے۔ یعنی انگریزی افسانے اردو زبان اور ہندوستانی ماحول میں ڈھلے ہوئے۔ لیکن کوئی افسانہ کسی اردو کے ناول یا افسانے سے نہیں لیا گیا۔ ترجموں میں جو اچھے ہوں ان پر اصل مصنف کی تعریف کیجیے، جو برے ہوں ان میں میری نظر انتخاب کی کوتاہی سمجھیے۔
>
> یہ افسانے کسی دعوے کے ساتھ پیش نہیں کیے جاتے۔ محض تفریح کے طور پر وقت گزارنے کے لیے لکھے گئے ہیں۔ اگر آپ کا وقت بھی تفریح کے ساتھ گزر جائے تو محنت وصول ہے۔''[1]

اس مجموعے کا اہم افسانہ ''صید و صیاد'' ایک معاشرتی افسانہ ہے جو پہلی بار ۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء کے

---

[1] حامد حسن قادری، صید و صیاد اور دوسرے افسانے، ص ا، اخبار برقی پریس، آگرہ ۱۹۴۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

رسالہ ''مرقع'' میں شائع ہوا تھا۔ یہ افسانہ ۷۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا پلاٹ مربوط اور اکیس حصوں میں منقسم ہے۔ حامد حسن قادری نے ان حصوں کو کوئی نام نہ دے کر اعداد (ایک، دو، تین تا اکیس) میں تقسیم کیا ہے۔ کہانی مندرجہ ذیل جملوں سے شروع ہوتی ہے:

''اب سیٹھ جی دولت مند تھے، لکھ پتی تھے..... شرافت کیا چیز ہے، دولت سب کچھ ہے .....اب وہ کئی کمپنیوں اور بینکوں کے ڈائرکٹر اور منیجر اور مالک و مختار تھے۔''

''دولت بڑی میٹھی چیز ہے۔ لیکن اس کی چاشنی اور تیز ہونی چاہیے..... سوسائٹی میں بھی قدر و وقعت حاصل ہو تو دولت کا مزہ دوگنا ہو جائے گا۔''

''گھر آ کر روپیہ کا لین۔ دین شروع کیا۔ رئیسوں کی جائداد میں رہن رکھیں۔ دولت سیلاب کی طرح بڑھتی گئی''۔ [۱]

اس افسانے میں حامد حسن قادری نے طبی نفسیاتی، سماجی، معاشی عناصر کو اس طرح سے پیش کیا ہے کہ افسانے کو کسی ایک خانے میں رکھنا مشکل ہے۔

حامد حسن قادری کے زیادہ تر افسانوں کے پلاٹ روزمرہ کی زندگی سے مستعار ہیں۔ ان کے افسانوں میں ہر طبقہ، ہر قسم کے کردار ہیں۔ ایک تاریخی افسانہ ''ایک سیب کی قیمت'' ہے جو شاہ جہاں کے وزیر نواب سعد اللہ خاں سے متعلق واقعہ پر مبنی ہے۔ افسانے کی ابتدا ان مکالموں سے ہوتی ہے:

''کسان: آج جی کیسا ہے؟ سست کیوں ہے؟

بیوی: جی اچھا نہیں۔ دل بیٹھا جاتا ہے۔

کسان: کچھ ٹکّر شکّر نہیں کھایا؟

بیوی: کھانے کو جی نہیں چاہتا۔

کسان: کچھ تو کھا لے۔ کیا کھائے گی؟

بیوی: سیب کھانے کو جی چاہتا ہے۔

کسان: اری کیسی باتیں کرتی ہے۔ ہم نے تو سیب دیکھا بھی نہیں۔

بیوی: کچھ ہو۔ کہیں سے سیب لا دے جان نکلی جاتی ہے۔'' [۲]

---

[۲] حامد حسن قادری، صید و صیاد اور دوسرے افسانے، ص ۳، اخبار برقی پریس، آگرہ ۱۹۴۴ء

[۱] ایضاً، ص ۱۷۸

حامد حسن قادری کے یہ افسانے کسی خاص ادبی اہمیت کے حامل نہیں ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ اس مجموعہ میں چار ترجمے ہیں: مسہری کا راز، عجیب جدت، بوا فرعونی اور محبت کے ٹکڑے۔ ان میں ''محبت کے ٹکڑے'' ایک ترکی افسانے کا اردو ترجمہ ہے۔ جس میں ریلوے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ایک لڑکی اپنے سامان کو سنبھالے بیٹھی ہے اور اپنے آپ کو متعدد مردوں کی نگاہوں سے بچانے کا جتن کررہی ہے۔ اس کے قریب دو آدمی کھڑے باتیں کررہے ہیں جن میں ایک نوجوان اور دوسرا عمر دراز ہے۔ ان دونوں کی طویل گفتگو کے بعد تینوں گاڑی میں سوار ہوکر اپنے وطن واپس چلے جاتے ہیں۔ بہ ظاہر یہ واقعہ معمولی ہے اور کہانی بے لطف ہے لیکن اس چھوٹی سی کہانی سے عورتوں بالخصوص لڑکیوں کی معاشرتی حیثیت واضح ہوتی ہے۔

حامد حسن قادری اور ایم خلیل الدین قدوائی نے ہائی اسکولوں کی نصابی ضرورت کے پیش نظر ایک کتاب ''رموزِ خطِ شکست'' مرتب کی تھی۔ یہ کتاب ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی پہلی اشاعت خواجہ فراست حسین کے زیرنگرانی آگرہ اخبار برقی پریس سے ۱۹۴۴ء میں ہوئی تھی۔ یہ کتاب دس ابواب میں منقسم ہے۔ بہ قول مرتب:

> ''اس میں وقتی ضرورت کا لحاظ کرکے ضروری لوازمات تعلیمی کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ بالخصوص ہائی اسکول کے مجوزہ نصاب اور درجہ کے طلبا کے معیار استعداد کو سامنے رکھ کر اس کی ترتیب عمل میں آئی ہے۔''[1]

پہلا باب قواعدِ تحریر شکست ہے جس میں خط شکست پڑھنے اور لکھنے کے لیے مشق کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور نمونے پیش کیے گئے ہیں۔

دوسرے باب میں قواعدِ خطوط نویسی، بڑوں کے القاب وآداب، چھوٹوں کے القاب وآداب، برابر والوں کے القاب وآداب اور خطوط نویسی کے متعلق ضروری ہدایات درج ہیں۔

تیسرے باب میں چھوٹے، بڑے اور برابر والوں کے نام خطوں کے نمونے شامل ہیں۔

چوتھا باب مختلف ادیبوں کے خطوط پر مشتمل ہے جن میں مرزا غالب، امیر مینائی، حالی، نذیر احمد، مضطر خیرآبادی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اس باب میں خالد حسن قادری کا ایک افسانہ ''وہ عورت'' بھی

---

[1] ایم خلیل احمد قدوائی و حامد حسن قادری (مرتب)، رموزِ خطِ شکست، دیباچہ، ص ا، اخبار برقی پریس، آگرہ ۱۹۴۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

شامل ہے۔

پانچواں باب مختلف نوعیت کے خطوط پر مشتمل ہے۔

چھٹے باب میں مختلف مضامین کی عرضیاں شامل ہیں۔

ساتویں باب میں رقموں اور اوزان کے لکھنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔

آٹھویں باب میں دیہی و پٹواری ونہری کے کاغذات وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے، نمونہ شجر، خسرہ، نقشہ، کھتونی سیاہہ، بہی کھاتہ جنس، کھیوٹ، کاغذاتِ نہری، پرچۂ آب پاشی، خسرہ آب پاشی، جمع بندی، کمی وبیشی اور نوٹس وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

نواں باب عدالتی کاغذات اور دستاویزات پر مشتمل ہے۔ جس میں تمسک سادہ، قسط بندی، بذریعہ رقعہ قرض لینا، کرایہ نامہ، پٹہ، قبولیت، وصیت نامہ، اقرار نامہ، ہبہ نامہ، وکالت نامہ، وقت نامہ، محضر نامہ، ضمانت نامہ، راضی نامہ، فارغ خطی، پروانہ، مچلکہ، اشتہار، فیصلہ پنچایت، درخواست طلبی گواہاں، سمن بغرض الفصال نامہ، درخواست نقل، نالش بقایا لگان، بیع الوفایا، داخلی رہن، رہن نامہ، امانت نامہ، تقسیم نامہ، بیع نامہ مکان، اقرار نامہ ثانی، مختار نامہ، عرضی، دعویٰ اور فوجداری وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب کے آخری یعنی دسویں باب میں مضمون نویسی کے قواعد، ایام تعطیل اور اس کا مصرف، کفایت شعاری اور ایمانداری وغیرہ کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس حصے میں دو نظمیں بھی شامل ہیں۔ سید ظہور عالم چشتی نظم ''خوفِ خدا'' سولہ اشعار پر مشتمل ہے جو مخمس کے فارم میں لکھی گئی ہے اور حامد حسن قادری کی ایک نظم ''بڑی ہمت'' بارہ اشعار پر مشتمل ہے، جس میں حاتم طائی کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

☆

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

پانچواں باب

خلاصۂ کلام

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

حامد حسن قادری کا شمار اردو ادب کے اہم مورخین میں ہوتا ہے۔ ان کی ادبی خدمات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مورخِ ادب ہی نہیں، مترجم، ناقد اور شاعر بھی تھے۔ ان کی تحریری صلاحیتیں کم عمری میں ہی ظاہر ہونے لگی تھیں۔

ان کے والد تاریخ گوئی کا شوق رکھتے تھے۔ حامد حسن قادری نے ان سے تاریخ گوئی کا فن سیکھا۔ دورِ طالب علمی سے حامد حسن قادری کی نظمیں، غزلیں اور مضامین رسالوں میں چھپنے لگے تھے۔ ان کی نظمیں مقبرۂ اکبر، حسن قدرت، وطن کی حالت، شادی وغم، مناجات، سیلاب، راحتِ مرگ، عورت، دردِ دل، انتہائے عشق، یاد ہند، آفتاب و ماہتاب اور مآل عشق وغیرہ زمانہ طالب علمی کی یادگار ہیں۔ بعد میں درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہونے کی وجہ سے ان کا ادبی ذوق نکھرتا چلا گیا۔

انھوں نے ۱۹۱۰ء میں ریزیڈنسی ہائی اسکول اندور چھاؤنی سے فارسی اور اردو کے استاد کی حیثیت سے اپنی ملازمت کی ابتدا کی۔ اسکول کے طالب علموں کو اردو، فارسی کے علاوہ انگریزی بھی پڑھانے کی ذمّے داری ان کے سپرد ہوئی، لیکن وہ اس ملازمت کو زیادہ دنوں تک جاری نہ رکھ سکے۔ انھوں نے ملازمت چھوڑ کر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۱۱ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال وہ خان بہادر عادل جی پٹن جی زودشتی ہائی اسکول مہو چھاؤنی میں بہ حیثیت ہیڈ مولوی ملازم ہوگئے۔ ایک سال پانچ ماہ یہاں رہنے کے بعد نومبر ۱۹۱۲ء سے دسمبر ۱۹۱۳ء تک اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ میں اردو فارسی کے استاد رہے۔ جنوری ۱۹۱۴ء میں حامد حسن قادری کا تقرر عربی، فارسی اور اردو کے لکچرر کی حیثیت سے بڑودہ کالج میں ہوگیا۔ اسی سال ان کی شادی ان کے منجھلے ماموں مولوی نصیر عالم چشتی کی صاحب زادی سائرہ خاتون سے ہوئی۔

بڑودہ کالج کی ملازمت کے دوران حامد حسن قادری نے ایک انگریزی کتاب "The Oriental Rheloric" مرتب کی اور ۱۹۱۵ء میں انھوں نے اپنا پہلا تنقیدی مضمون لکھا۔ علالت کی وجہ

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

سے ۱۹۱۷ء میں انھوں نے ملازمت ترک کردی اور اپنی صحت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسی سال یعنی ۱۹۱۷ء میں ان کا انتخاب مولوی حلیم مسلم ہائی اسکول کانپور میں ہوا اور ساتھ ہی ان کے چھوٹے بھائی عابد حسن فریدی کا تقرر بہ حیثیت ہیڈ مولوی ہوا۔

۱۹۱۸ء میں حامد حسن قادری نے بچوں کے لیے ۱۴ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ''سعید'' جاری کیا۔ اس کے چند شمارے ''اخبار سعید'' کے نام سے بھی شائع ہوئے۔ یہ رسالہ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۴ء تک برابر شائع ہوتا رہا۔

۱۹۲۰ء میں انھوں نے بچوں کے لیے کئی کتابیں ''پھولوں کی ڈالی، ہمت کا پھل اور گدڑی کا لال'' لکھیں۔ یہ کتابیں سعید پریس کانپور سے شائع ہوئیں۔

۱۹۲۱ء میں ''الکحل اور زندگی'' لکھی۔ اسی سال بنگال کے مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کی کتاب "The Gardenes" کا اردو نثر میں ترجمہ ''باغباں'' کے نام سے کیا۔ یہ کتاب کلکتہ کے میکملن اینڈ کمپنی لمیٹڈ کے زیر نگرانی شائع ہوئی۔

۱۹۲۲ء میں ''کاغذ کے کھلونے'' لکھی۔ یہ کتاب بھی سعید پریس کانپور سے شائع ہوئی۔

۱۹۲۴ء میں انھوں نے چار کتابیں ''ہلال اردو، جمال اردو، ماہ اردو اور نہال اردو'' لکھیں یہ کتابیں الہ آباد سے شائع ہوئیں۔

آٹھ سال کانپور میں رہنے کے بعد ۱۹۲۵ء میں حامد حسن قادری کا تقرر بہ حیثیت لکچرر سینٹ جانس کالج آگرہ میں ہوا۔ ۱۹۲۵ء میں انھوں نے سائنسی موضوعات پر مضامین لکھے۔

۱۹۲۶ء میں حامد حسن قادری نے کرسچین دی لارسن کی کتاب ''دی سائنٹفک ٹریننگ آف چلڈرن'' کا ترجمہ ''فطرت اطفال'' کے نام سے کیا۔ یہ کتاب مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے شائع ہوئی۔

۱۹۲۷ء میں ان کی دو کتابیں ''مرآت شعر و سخن'' اور ''ترانہ ہند'' سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئیں۔

۱۹۲۹ء میں ابوسعید ابوالخیر کی سو رباعیوں کا اردو ترجمہ ''خزانۂ رباعیات'' کے عنوان سے کیا۔ یہ رباعیاں پہلی بار رسالہ ''زمانہ'' کانپور میں شائع ہوئیں اور مدتوں بعد ۱۹۹۰ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۱۹۳۰ء میں حامد حسن قادری نے اپنی نعتیہ غزلوں کا مجموعہ مرتب کیا اور اس کا نام ''بیاض نعتیہ'' رکھا۔ یہ کتاب قادری اکیڈمی کراچی، پاکستان سے شائع ہوئی۔

۱۹۳۳ء میں انھوں نے اپنی غزلوں کا مجموعہ ''مرآت سخن دیوان غزلیات'' مرتب کیا۔ یہ کتاب قادری اکیڈمی کراچی سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوئی۔

۱۹۳۴ء میں ان کی کتابیں ''کمال داغ مقدمہ وتنقید، مختصر تاریخ مرثیہ گوئی اور شاہکار انیس'' آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئیں۔

۱۹۳۵ء میں دو کتابیں ''خم کدۂ رباعیات'' اور ''بہارِ انتخابِ کلام بیدل'' مرتب کیں۔

۱۹۳۶ء میں ''چمنستانِ اردو'' لکھی۔ یہ کتاب آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئی۔

۱۹۳۷ء میں ''خلاصۂ تاریخ'' اور ''گنجینہ تواریخ'' مرتب کیں۔ یہ لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں منظر عام پر آئیں۔

۱۹۳۸ء میں ''تاریخ وتنقید ادبیاتِ اردو'' اور ''چمنستانِ نثر'' لکھی۔ یہ دونوں کتابیں بھی آگرہ اخبار پریس سے شائع ہوئیں۔

۱۹۴۱ء میں ان کی مشہور کتاب ''داستانِ تاریخِ اردو'' آگرہ سے شائع ہوئی۔

۱۹۴۴ء میں حامد حسن قادری کی چار کتابیں ''صید وصیاد اور دوسرے افسانے، رموزِ خطِ شکست، چمنستانِ ادب اور ایرانی افسانے'' آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئیں۔ ایرانی افسانے سعید نفیسی کے طنزیہ اور مزاحیہ ڈراموں، خاکوں اور افسانوں کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۹۴۵ء میں حامد حسن قادری سینٹ جانس کالج آگرہ میں صدر شعبہ اردو اور فارسی ہوئے۔

۱۹۴۷ء میں انھوں نے ایران کے مشہور تمثیل نگار سلیمان حئیم کے ڈرامے ''یوسف وزلیخا'' کا اردو ترجمہ اسی نام سے کیا۔ یہ کتاب بھارت آفسیٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔

۱۹۵۰ء میں حامد حسن قادری نے چار ہزار تاریخی قطعات پر مشتمل چھ مجموعے مرتب کیے جو ''دفتر التواریخ، میزان التواریخ، آثار التواریخ، جامع التواریخ، تحفۂ کرامات، مجمع الکرامات اور سفینۂ تواریخ کے نام سے بعد میں شائع ہوئے۔

انھوں نے ۱۹۵۱ء میں ''جج اکبر: انتخاب اکبر الٰہ آبادی'' مرتب کی۔ یہ کتاب ۲۰۰۲ء میں لبرٹی

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

آرٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

ان کی کتاب ''انتخابِ دیوانِ مومن مع شرح وتنقید'' ۱۹۵۴ء میں سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی۔

انھوں نے ۱۹۵۷ء میں اسٹیرلنگ نارتھ Sterling Narth کی مشہور کتاب "A.B.E. incoln log cabin to white house" کا ترجمہ ''ابراہام لنکن: جھونپڑی سے ایوانِ صدر تک'' کے عنوان سے کیا۔ یہ کتاب دفتر پنجاب اردو مرکز لاہور انجمن پریس کراچی سے شائع ہوئی۔

حامد حسن قادری کی مرتب کردہ کتاب ''پھولوں کی ڈالی'' ان کے بیٹے ڈاکٹر خالد حسن قادری کی نگرانی میں ۱۹۶۸ء میں قادری اکیڈمی کراچی سے شائع ہوئی۔

۱۹۹۵ء میں حامد حسن قادری کی سو رباعیات اور قطعات کا مجموعہ ''گل صد برگ'' ماجد حسن فریدی کی نگرانی میں قادری اکیڈمی کراچی سے شائع ہوا۔

• حامد حسن قادری کے خطوط کا پہلا مجموعہ ''مکتوبات قادری'' کے عنوان سے ڈاکٹر خالد حسن قادری نے ۱۹۹۹ء میں مرتب کیا۔ یہ کتاب فرید آرٹ پریس کراچی سے شائع ہوئی۔ دوسرا مجموعہ بھی اسی سال یعنی ۱۹۹۹ء میں ''خطوطِ قادری'' کے نام سے فرید آرٹ پریس کراچی سے شائع ہوا۔

۲۰۰۰ء میں حامد حسن قادری کی کتاب ''سفینۂ تواریخ'' لبرٹی آرٹ پریس (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

۲۰۰۱ء میں حامد حسن قادری کی کتاب ''غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین'' ادارۂ یادگارِ غالب کراچی سے شائع ہوئی۔

۲۰۰۳ء میں حامد حسن قادری کے مقالات کا مجموعہ ''ادبی مقالات'' کے نام سے لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوا۔ مقالات کا دوسرا مجموعہ ''مقالاتِ قادری'' کے عنوان سے زیرِ طبع ہے۔

۲۰۰۳ء میں حامد حسن قادری کی ایک انگریزی کتاب "The Oriantal Rheteric" کے نام سے بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

۲۰۰۴ء میں ان کی نظموں اور مضامین کا مجموعہ ''سفینۂ نثر ونظم'' بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوا۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

۲۰۰۶ء میں ان کی مرتب کردہ دو کتابیں ''نوادر منتخبہ'' اور ''مثنوی نمونۂ عبرت'' افضال الرحمٰن کی نگرانی میں بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔

''خطوطِ قادری'' میں درج اطلاع کے مطابق حامد حسن قادری کی تین کتابیں ''کلام انتخابِ بیدل عظیم آبادی، مضامینِ قادری اور ابتدائی نگارشات: مجموعہ مضامین'' زیرِ طبع ہیں۔ ان کے علاوہ حسب ذیل کتابیں غیر مطبوعہ ہیں:

(۱) انتخابِ راز رامپوری

(۲) انتخابِ رسا رامپوری

(۳) انتخابِ دیوان غالب اردو

(۴) انتخابِ دیوانِ غالب فارسی

(۵) انتخابِ مرزا بیدل

(۶) انتخابِ میر درد

(۷) اسبق الظفر

(۸) تصویر التواریخ

(۹) جلوہ گاہِ تضمین

(۱۰) تذکرہ وتبصرہ

(۱۱) تنقیدات پر ایک نظر

(۱۲) جواہر شناسی اور دوسرے افسانے

(۱۳) کنز الکرامات

(۱۴) شجرۃ الاولیاء

(۱۵) شجرۃ الانبیاء

مقالے کے باب اول میں حامد حسن قادری کے حالات زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور مذکورہ بالا کتابوں کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''داستانِ تاریخ اردو'' کا شمار اردو کی اہم ادبی تاریخوں میں کیا جاتا ہے۔

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

دوسرے باب میں بہ حیثیت مورخِ ادب ان کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے اور اردو کی دوسری تاریخوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے مثلاً محمد حسین آزاد کی ''آب حیات'' ۱۹۰۷ء میں لکھی گئی۔ اس کتاب کو بعض نقادوں نے جدید طرز کا تذکرہ اور بعض نے ادبی تاریخ کا اولین نمونہ کہا ہے۔

نصیر حسین خاں خیال کی کتاب ''داستانِ اردو'' ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں انھوں نے آرین اور نو آرین کی مختصر تاریخ کے علاوہ اکبر سے لے کر فورٹ ولیم کالج کے قیام تک مختلف شاعروں کا ذکر کیا ہے۔

سید نصیر الدین ہاشمی کی کتاب ''دکن میں اردو'' ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں دکنی ادب اور شعرا کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مولوی محمد یحییٰ تنہا کی ''سیر المصنفین'' دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں جلدیں اردو نثر کی تاریخ ہیں۔ پہلی جلد دو ادوار میں منقسم ہے۔ پہلا دور ۱۷۹۸ء سے ۱۸۳۶ء تک، دوسرا دور ۱۸۳۶ء سے ۱۸۵۷ء تک پھیلا ہوا ہے اور دوسری جلد میں تیسرا دور ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۴ء تک، چوتھا دور ۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۴ء تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کتاب کی ابتدا اردو کے آغاز و ارتقا کے مختلف نظریات سے کی گئی ہے۔ تنہا نے اردو رسم خط سے بحث کرتے ہوئے اردو کے موجودہ رسم خط کی وکالت کی ہے۔

حکیم سید شمس اللہ قادری کی کتاب ''اردوئے قدیم'' پہلی بار ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۶۰ صفحات کے اضافے کے بعد منشی نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس کتاب میں عادل شاہی، قطب شاہی اور مغلیہ دور کے دس شاعروں کے تذکرے ہیں۔ مرتب نے اردو کے آغاز و ارتقا سے بحث کرتے ہوئے محمد حسین آزاد کے خیال سے اتفاق کیا ہے کہ اردو برج بھاشا سے نکلی ہے۔ شمس اللہ قادری نے گولکنڈہ، بیجاپور، اورنگ آباد کے شاعروں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب اردو ادب کے مصنفین کی مختصر تاریخ ہے۔

۱۹۲۶ء میں مولوی محمد عبد الرحمٰن کی کتاب ''مراۃ الشعراء'' پہلی بار دہلی سے شائع ہوئی۔ یہ کتاب پانچ ادوار پر مشتمل ہے اور ہر دور کے دو طبقے ہیں۔

پہلا دور: ۱۷۰۰ء سے ۱۷۳۹ء تک ہے۔

پہلا طبقہ: ولی سے احسن تک

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

دوسرا طبقہ: میراجی یعقوب

دوسرا دور: ۱۷۳۹ء سے ۱۷۶۱ء تک

پہلا طبقہ: حاتم سے فغاں تک

دوسرا طبقہ: یقین سے مخلص تک

تیسرا دور: ۱۷۶۱ء سے ۱۸۰۰ء تک

پہلا طبقہ: درد سے میر تقی میر تک

دوسرا طبقہ: ہدایت سے بیدار تک

چوتھا دور: ۱۸۰۰ء سے ۱۸۳۸ء تک

پہلا طبقہ: حسن سے نظیر تک

دوسرا طبقہ: حسرت سے جوش تک

پانچواں دور: ۱۸۳۰ء سے ۱۸۷۰ء

پہلا طبقہ: ناسخ سے دبیر تک

دوسرا طبقہ: وزیر سے شیفتہ تک

سید محمد کی ''ارباب نثر اردو'' ۱۹۲۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دکن کی قدیم کتابوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے اور فورٹ ولیم کالج کے مصنفین کے حالاتِ زندگی اور ان کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

رام بابو سکسینہ کی انگریزی کتاب ''ہسٹری آف اردو لٹریچر'' (History of urdu literature) کا اردو ترجمہ مرزا محمد عسکری نے ''تاریخ ادب اردو'' کے نام سے کیا تھا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں اردو کی ابتدا، رسم الخط، اردو ادب کی ترقی اور تبدیلیاں، اردو شاعری کی عام خصوصیات، اصناف سخن، دکن کے شعرا، لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، اردو مرثیہ اور مرثیہ نگار، نظیر کی نظم نگاری، ذوق اور غالب کی شاعری، اردو نثر کی ابتدا اور ارتقا پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

احسن مارہروی کی کتاب ''تاریخ نثر اردو و نمونہ منثورات'' مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۶۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور چھ ادوار میں منقسم ہے، ہر دور سو سال کو محیط ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

پہلا دور : ۱۳۹۸ء سے ۱۴۹۴ء

دوسرا دور: ۱۴۹۵ء سے ۱۵۹۲ء

تیسرا دور: ۱۵۹۳ء سے ۱۶۸۹ء

چوتھا دور: ۱۶۸۹ء سے ۱۷۸۶ء

پانچواں دور: ۱۷۸۷ء سے ۱۸۸۳ء

چھٹا دور: ۱۸۸۴ء سے ۱۹۳۰ء

اس کتاب میں مذہبی، اخلاقی، سیاسی، قانونی، دفتری، اخباری، تقریری اور اشتہاری نثر کے نمونے بھی پیش کیے گئے ہیں اور اردو نثر کا عہد بہ عہد جائزہ لیا گیا ہے۔

آغا محمد باقر کی کتاب ''تاریخ نظم ونثر اردو'' امرت سر کے راما آرٹ پریس سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب ۳۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں تاریخ نظم اردو اور دوسرے حصے میں تاریخ نثر اردو رقم کی گئی ہے۔ اس کے پہلے حصے میں اردو زبان کے آغاز وارتقا، اردو شاعری کی عام خصوصیات اور قلی قطب شاہ سے علامہ اقبال تک کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ پانچ ادوار میں پھیلا ہوا ہے۔

پہلا دور: اردو نثر کی ابتدا

دوسرا دور: نثر اردو کا دورِ متوسط اور جدید

تیسرا دور: اردو ناول کی ابتدا

چوتھا دور: اردو ڈرامے کی ابتدا اور

پانچواں دور: اردو زبان کی خاص خوبیاں

تاریخِ ادب کی یہ وہ کتابیں ہیں جو حامد حسن قادری کی ادبی تاریخوں سے قبل منظرِ عام پر آ چکی تھیں۔ لیکن ان کا دائرہ محدود تھا۔ حامد حسن قادری کا کام معیار اور مواد دونوں لحاظ سے بہتر ہے۔

حامد حسن قادری نے اردو ادب کی تاریخ سے متعلق تین کتابیں لکھی ہیں۔ پہلی کتاب ''تاریخ وتنقید ادبیاتِ اردو'' دوسری کتاب ''داستانِ تاریخ اردو'' اور تیسری کتاب ''خلاصہ تاریخ'' ہے۔

''تاریخ وتنقیدِ ادبیاتِ اردو'' پہلی بار جنوری ۱۹۳۹ء میں لکشمی نرائن اگروال پبلشر آگرہ سے شائع

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

ہوئی۔ یہ کتاب ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۴۲ صفحات کا مقدمہ ''مسئلہ زبانِ اردو'' کے عنوان سے ہے اور دس مضامین شامل ہیں۔ آخر میں خلاصۂ تاریخ کے عنوان سے پانچ صفحات میں عہد بہ عہد اردو کے ارتقا کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں شامل مضامین درج ذیل ہیں۔ مسئلہ زبانِ اردو، رفتار اردو نثر، رفتار اردو نظم، شاعری کے اسکول (دلی اسکول، لکھنؤ اسکول اور جدید اسکول)، نقد و نظم اردو (اصناف شاعری کی مختصر تاریخ: غزل کی تاریخ، مرثیہ کی تاریخ، مثنوی کی تاریخ، رباعی کی تاریخ، جدید اسکول کی شاعری، تنقید غزلِ جدید، شاد عظیم آبادی، حسرت موہانی، فانی بدایونی، عزیز لکھنوی اور شاعر کا رنگ)، غالب، مومن، ذوق، سخن فہمی، توارد و سرقہ، ہمارے مشاعرے اور خلاصۂ تاریخ اردو وغیرہ۔ ان کے علاوہ اس کتاب میں ڈاکٹر گستاولی کا پیش کردہ نقشہ، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی زبانوں کا نقشہ، اردو سمجھنے والوں کا اوسط فی صدی اور کانگریس نے جن سات صوبوں کی زبان کو اردو تسلیم کیا تھا اور ان کی آبادی کا ایک خاکہ پیش کیا تھا، اسے بھی حامد حسن قادری نے شامل کیا ہے اور اس نقشے کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندوستان کے مختلف علاقوں، صوبہ متحدہ، آگرہ، بہار، اڑیسہ، اجمیر، مارواڑ، پنجاب، صوبہ متوسط، سرحد اور دہلی وغیرہ میں اردو بولنے والوں کی تعداد تیرہ کروڑ بیس لاکھ ہوتی ہے اور اس میں غیر زبان والے صوبوں کے اردو بولنے والوں کو شامل کرلیا جائے تو اردو سمجھنے والے کم سے کم پچیس کروڑ ہوتے ہیں۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''داستانِ تاریخ اردو'' پہلی بار آگرہ اخبار برقی پریس سے ۲۳ نومبر ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔ دوسرا ایڈیشن سولہ سال بعد ۱۲ اپریل ۱۹۵۷ء کو عزیزی پریس آگرہ سے شائع ہوا۔ تیسرا ایڈیشن نئے دیباچہ کے ساتھ ۱۴ ستمبر ۱۹۶۶ء میں اردو اکیڈمی کراچی سندھ سے شائع ہوا۔ چوتھا ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد پانچواں ایڈیشن عاکف بکڈپو نئی دہلی سے ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ کتاب چھ ادوار اور ۹۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ مختلف ادوار کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے: نثر اردو کا پہلا دور دکن میں اردو (۱۳۴۷ء سے ۱۵۲۶ء)، نثر اردو کا دوسرا دور شمالی ہند میں اردو (۱۷۳۲ء سے ۱۷۹۹ء)، یورپین مصنفین، نثر کا تیسرا دور فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات (۱۸۰۰ء سے ۱۸۲۰ء)، نثر کا چوتھا دور سدا سکھ لال، نثر کا پانچواں دور سرسید احمد خاں (۱۸۷۱ء سے ۱۹۰۰ء) اور نثر کا چھٹا دور مولوی محمد حسین آزاد (۱۹۱۰ء سے ۱۹۴۱ء)۔

اس کتاب میں اردو نثر نگاروں کی تاریخ، اردو کے ابتدائی دور سے لے کر ۱۹۴۱ء تک کے مصنفین

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کے حالاتِ زندگی اور ان کی ادبی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

حامد حسن قادری نے حافظ محمود شیرانی کے نظریہ سے اتفاق کیا ہے کہ اردو کی ابتدا پنجاب سے ہوئی۔ حامد حسن قادری نے اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیاے کرام کی خدمات کا بھی جائزہ لیا ہے اور صوفیاے کرام کے ملفوظات کے نمونے پیش کیے ہیں۔ انھوں نے دکنی ادب پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

نثر اردو کے دوسرے دور کو حامد حسن قادری نے ۱۷۳۲ء سے ۱۷۹۹ء تک رکھا ہے۔ اس دور میں شمالی ہند کا پہلا نثر نگار فضل علی فضلی ہے۔ اس نے ملا واعظ کاشفی کی فارسی کتاب ''روضۃ الشہدا'' کا اردو ترجمہ ''کربل کتھا'' کے نام سے کیا۔

حامد حسن قادری نے ''یورپین مصنفین اردو'' کے عنوان سے ایک باب قائم کیا ہے جس میں جان گل کرسٹ اور گارساں دتاسی کی ادبی خدمات کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔ انھوں نے فورٹ ولیم کالج سے وابستہ مصنفین اور ان کی کتابوں کے علاوہ، کالج کے اغراض و مقاصد اور پالیسیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور فورٹ ولیم کالج سے باہر کے مصنفین کی ادبی خدمات کا بھی مختصراً ذکر کیا ہے۔

حامد حسن قادری نے اردو نثر کے چوتھے دور (۱۸۳۱ء سے ۱۸۷۰ء) میں تیئس مصنفین کی ادبی خدمات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان مصنفین میں سدا سکھ لال، فقیر محمد خاں گویا، نیم چند کھتری، مولوی قطب الدین دہلوی، مفتی صدر الدین آزردہ، مفتی سعد اللہ رامپوری، عباس بن ناصر علی، امام بخش صہبائی، مولوی مسیح الزماں، منشی عبدالکریم، ماسٹر رام چندر، آغا امانت لکھنوی، منشی چرنجی لال، ماسٹر بنسی دھر، مولوی ضیاء الدین، مرزا غالب دہلوی، خواجہ امام دہلوی، مولوی غلام امام شہید، خواجہ غلام غوث بے خبر، محمد ابراہیم بیجاپوری، شمس الامرا کبیر ثانی، محمد عثمان مبین، غلام امان خاں ترین اور شاہ علی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

حامد حسن قادری نے اردو نثر کے پانچویں دور کو ۱۸۷۱ء سے ۱۹۰۰ء تک رکھا ہے اور اسے دو حصوں میں بانٹ دیا ہے۔ پہلے حصے میں اس دور کے غیر معروف مصنفین اور دوسرے حصے میں مشاہیر ادب یعنی سر سید احمد خاں اور ان کے رفقا کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ اس دور کے کم مشہور مصنفوں میں سید محمد میر لکھنوی، یوسف خاں کمبل پوش، شاہ محمد قادر دانا پوری، بینی پرشاد، مفتی امیر مینائی اور پنڈت گری راج کشور دت کے نام شامل ہیں۔

حامد حسن قادری نے محمد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی کے علاوہ مولوی ذکاء اللہ،

مولوی سید علی بلگرامی، مولوی سید احمد دہلوی، میر ناصر علی دہلوی اور خواجہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی کی ادبی خدمات پر مفصل گفتگو کی ہے۔

حامد حسن قادری نے اپنی ذاتی ضرورت کے لیے زبان اور ادب سے متعلق اہم واقعات اور سنین کے حوالے سے دو بیاضیں مرتب کی تھیں۔ یہ دونوں بیاضیں ''خلاصۂ تاریخ'' اور ''گنجینۂ تواریخ'' کے عنوان سے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئیں۔

مقالے کے دوسرے باب میں حامد حسن قادری کی ان کتابوں سے بحث کر کے ان کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور بہ حیثیت مورخ ادب حامد حسن قادری کا مقام متعین کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں حامد حسن قادری کی شاعری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انھوں نے غزلیں، نظمیں، رباعیات اور قطعات لکھے، صنف مثنوی میں بھی طبع آزمائی کی۔

حامد حسن قادری نے اپنی غزلوں کا مجموعہ ۱۹۴۸ء میں ''مرآت سخن دیوان غزلیات'' کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اس کے ۴۸ سال کے بعد ان کے بیٹے ماجد حسن فریدی نے الناصر پرنٹرز قادری اکیڈمی کراچی سے ۱۹۹۶ء میں اسے شائع کرایا۔ اس کتاب میں ۲۳ صفحات پر مشتمل ایک دیباچہ بھی شامل ہے جس کا عنوان ''میرا کارنامہ غزل'' ہے۔

حامد حسن قادری کی سو رباعیوں کا مجموعہ ''گل صد برگ'' کے نام سے پہلی بار گلداری خلیج ٹائمز پریس دبئی سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں سو رباعیوں کے علاوہ ایک اردو قطعہ، ایک فارسی قطعہ اور تیرہ نعتیہ رباعیاں شامل ہیں۔

حامد حسن قادری کی کتاب ''سفینۂ نثر و نظم'' میں گیارہ تضمین شامل ہیں۔ حامد حسن قادری نے ۲۴ جنوری ۱۹۳۳ء میں ایک مثنوی لکھی تھی۔ ۲۰۰۶ء میں پہلی بار یہ مثنوی ''نمونۂ عبرت'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔

اس مثنوی کی ابتدا حامد حسن قادری نے اپنے مرشد حاجی حافظ حمایت علی شاہ صاحب محدث علی پور کی تعریف سے کی ہے۔ اس مثنوی میں مثنوی نگار سے اس کے مرشد نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کسی بڑے افسر کے مہمان ہوئے وہ مسجد میں نماز کے لیے گئے تو انھوں نے امامِ مسجد کو قرآن مجید کی بے اکرامی کرتے ہوئے دیکھا، انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ امام خود تو منبر پر چڑھ کر خطبہ دے رہا ہے اور قرآن

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کریم منبر کے نیچے رکھا ہوا ہے۔ مرشد نے امام کو نصیحت کی اور قرآن کی عظمت سے انھیں آگاہ کیا۔ اس مثنوی کا خاصا طویل حصہ قرآن مجید کی عظمت اور اہمیت سے متعلق ہے۔ مثنوی کے دوسرے حصے میں امام کو عدالت سے چودہ برس کی قید کی سزا ہو جاتی ہے اور یہ قید اس کے لیے پھانسی سے بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ آخر میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے، یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی گندم بوئے اور جو حاصل کرے۔

''بیاض نعتیہ'' حامد حسن قادری کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ملازمتِ آگرہ کی یادگار ہے۔ اسے انھوں نے ۱۹۳۰ء میں مرتب کیا تھا مگر مدتوں بعد اس کی اشاعت الناصر پرنٹرز کراچی سے ہوئی۔ اس کتاب میں دیباچہ کے علاوہ تذکرہ شاہ امام، ذکر رسولؐ، نور اسلام، الہام کامل، سلام، صلوٰۃ وسلام وغیرہ عنوانات سے نظمیں لکھیں ہیں۔ حامد حسن قادری نے فارسی کے ممتاز شاعر سعدی شیرازی کی مشہور عربی رباعی کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ حامد حسن قادری کی نعتیہ شاعری کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ سنی تھے۔

حامد حسن قادری کا محبوب مشغلۂ زندگی فن تاریخ گوئی تھا۔ ان کے مجموعہ قطعات کی تعداد چھ ہے۔ انھوں نے چار ہزار سے زیادہ تاریخی قطعات لکھے۔ ان کے یہ قطعات ''دفتر التواریخ، میزان التواریخ، آثار التواریخ اور جامع التواریخ'' میں شامل ہیں۔ حامد حسن قادری نے ان چاروں مجموعوں کو اپنی زندگی میں ہی مرتب کر لیا تھا۔ لیکن ان کی اشاعت ان کی وفات کے بعد ہوئی۔

''دفتر التواریخ'' لبرٹی آرٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا۔ اسی ادارے سے ۲۰۰۳ء میں ان کے قطعات کا دوسرا مجموعہ ''میزان التواریخ'' شائع ہوا۔ ''جامع التواریخ'' بکس انٹرنیشنل لندن سے ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا۔ ''آثار التواریخ'' اسی ادارے سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ پانچواں مجموعہ امام الدین رامپوری کی مشہور کتاب ''تحفۂ کرامات مجمع الکرامات'' کی نقل اور اردو ترجمہ ہے۔ ''مجمع الکرامات'' ہی کے نام سے یہ کتاب پہلی بار آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئی۔ چھٹا مجموعہ ''سفینۂ تاریخ'' ہے، یہ کتاب پہلی بار بکس انٹرنیشنل لندن سے شائع ہوئی۔ اس کی دوسری اشاعت لبرٹی آرٹ پریس مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں دوسو اکتیس قطعات ہیں۔ حامد حسن قادری کے قطعات میں عام طور سے دو یا چار ہی اشعار ہوتے ہیں۔ مگر اس کتاب کے بیشتر قطعات طویل ہیں۔ مثلاً

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

قطعہ ''کراچی اور ہم'' دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے پہلے حصے میں کراچی کا ذکر ہے جو ۵۱ اشعار پر مشتمل ہے، دوسرے حصے میں شاعر یعنی حامد حسن قادری خود سے مخاطب ہیں۔ یہ حصہ ۶۳ اشعار پر مشتمل ہے۔

حامد حسن قادری کی نظموں (اور مضامین) کا مجموعہ ''سفینہ نثر و نظم'' پہلی بار ۱۹۵۱ء میں آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوا۔ پھر دوبارہ بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں طبع ہوا۔ اس کتاب میں ان کے ۱۹۰۴ سے ۱۹۲۰ء تک کے مضامین اور نظمیں شامل ہیں۔

اس مجموعہ کی زیادہ تر نظمیں آزادی سے قبل کی لکھی ہوئی ہیں جو کہ وقتی موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان نظموں میں شعریت کم اور مشق سخن زیادہ ہے۔ ان میں کئی نظمیں وطن سے شاعر کی محبت کا اظہار کرتی ہیں مثلاً انقلابِ وطن، وطن کی حالت، یادِ وطن، ایشیا کی شاعری، میری قوم اور قومی فقیر کی صدا وغیرہ۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حامد حسن قادری کا شعری سرمایہ وسیع ہے، انھوں نے مختلف موضوعات اور اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن بہ حیثیت شاعران کا مرتبہ زیادہ بلند نہیں۔

حامد حسن قادری نے شاعری کے علاوہ تنقیدی مضامین بھی لکھے۔ اس مقالے کے چوتھے باب میں حامد حسن قادری کی تنقیدی خدمات سے بحث کی گئی ہے۔

حامد حسن قادری کی پانچ تنقیدی کتابیں ہیں۔ ''مختصر تاریخ مرثیہ گوئی مع شاہکارِ انیس، کمال داغ مع مقدمہ و تنقید، انتخاب دیوانِ مومن مع شرح و تنقید، نقد و نظر اور غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین۔

''مختصر تاریخ مرثیہ گوئی'' پہلی بار ۱۹۳۴ء میں آگرہ میں برقی پریس سے شائع ہوئی۔ پاکستان میں اس کی اشاعت ۱۹۶۴ء میں سپر آرٹ انگریورز اردو اکیڈمی کراچی سے ہوئی اور ہندوستان میں نو سال بعد ۱۹۷۳ء میں خواجہ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی، پھر ۲۰۰۲ء میں اضافے کے ساتھ ''مختصر تاریخ مرثیہ گوئی مع شاہکارِ انیس'' کے نام سے بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے شائع ہوئی۔ حامد حسن قادری نے اردو مرثیہ میں ہندوستانی ماحول، رسم و رواج وغیرہ کا ذکر کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اردو مراثی ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ حامد حسن قادری نے میر انیس اور مرزا دبیر کے حالات زندگی اور ان کے مرثیوں کی امتیازی خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی ہے اور زبان، حسن ادا، جدت نگاری، واقعہ نگاری، محاکات نگاری، مبالغہ، حسن تعلیل، مراعاۃ النظیر، طباق و تضاد، تنسیق الصفات، لف و نشر وغیرہ سے بحث کی ہے اور ''شاہکار انیس'' کے عنوان سے میر انیس کے مرثیوں کا انتخاب بھی کیا ہے۔

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

''کمالِ داغ مع مقدمہ وتنقید'' پہلی بار آگرہ اخبار برقی پریس سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں مقدمہ اور تنقید یعنی اردو غزل گوئی پر ریویو اور داغ کی غزل گوئی پر تبصرہ ہے۔ دوسرے حصے میں داغ کے چاروں دیوان یعنی انتخابِ گلزارِ داغ، آفتابِ داغ، انتخابِ یادگارِ داغ اور انتخاب مہتاب داغ سے منتخب اشعار پیش کیے گئے ہیں۔

انھوں نے پہلے حصے میں ذیلی عنوانات کے تحت غزل کی اہمیت، غزل کے امتیازات، غزل کے مختلف مضامین، روایتی غزلوں کے عیوب، جدید غزل کے نقائص اور قدیم شعرا کے رنگ تغزل سے بحث کی ہے۔ حامد حسن قادری نے ''انقلاب تغزل کے اسباب'' میں تین باتوں کی نشاندہی کی ہے۔ پہلا مغربی تعلیم، دوسرا مغربی تہذیب اور اخلاق تیسرا جدید دور کی تہذیب اور آزادی۔

''انتخابِ دیوانِ مومن مع شرح وتنقید'' کی پہلی اشاعت ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ حامد حسن قادری نے مومن کے دیوان سے شعروں کا انتخاب کیا اور ساتھ ہی ان کی شرح بھی کی۔ حامد حسن قاری سے قبل مومن کے مکمل دیوان کی شرح پروفیسر ضیا احمد بدایونی کر چکے تھے۔ حامد حسن قادری نے سابقہ شارحینِ مومن کی کمیوں کو مدِ نظر رکھ کر یہ کتاب مرتب کی۔ انھوں نے مومن کے تقریباً تمام اچھے اشعار اور بعض کم تر درجے کے اشعار بھی درج کیے اور ان اشعار کے حوالے سے مومن کی شاعری کے امتیازات کو واضح کرنے کی کوشش کی۔

''نقد ونظر'' حامد حسن قادری کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے یہ کتاب پہلی بار ہندوستان میں شاہ اینڈ کمپنی آگرہ سے ۱۹۴۲ء میں اور تقسیم ہند کے بعد ۱۹۸۶ء میں پاکستان سے شائع ہوئی۔ اس کے مضامین ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۲ء کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ زیادہ تر مضامین ۱۹۴۲ء ہی کے لکھے ہوئے ہیں جو مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ پوری کتاب پندرہ مضامین اور ۳۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

ان مضامین کے عنوانات اس طرح ہیں: مطالعہ شاعری، غالب کی شرحیں، مزاحیہ شرح غالب پر ایک نظر، کلام غالب کی تضمین، عروضی غلطیاں، اصلاح اساتذہ پر ایک نظر، آگرہ کا ایک قدیم مشاعرہ، آگرہ کا قدیم مشاعرہ فارسی، میاں نظیر اکبر آبادی، آغا شاعر دہلوی، خم خانہ ریاض، زبان کے چند نکتے، تنقید کے نئے زاویے، شرح درد پر تبصرہ اور آگرہ کے چار شاعر۔

غالب سے متعلق حامد حسن قادری کے تمام مضامین کو ادارہ یادگار غالب کراچی نے ۲۰۰۱ء میں یکجا

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا نام ''غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین'' ہے۔

حامد حسن قادری کے خطوں کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ مکتوباتِ قادری اور دوسرا خطوط قادری ہے۔ دونوں مجموعوں کو حامد حسن قادری کے بیٹے ڈاکٹر خالد حسن قادری نے مع حواشی اور تعلیقات مرتب کیا ہے۔

مکتوباتِ قادری کا پہلا ایڈیشن نگارشات پبلشر لاہور سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ زیر نظر مجموعہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ اس کا پہلا حصہ ''داستانِ حیرت'' کے عنوان سے عبد المجید حیرت شملوی کی خودنوشت سوانح ہے۔ اس مجموعہ کے تمام خطوط تاریخی اعتبار سے مرتب کیے گئے ہیں۔ اس کے پہلے حصے میں ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۴ء کے درمیان لکھے گئے حامد حسن قادری کے باسٹھ رقعات ہیں۔ ان میں آگرہ سے لکھے گئے خطوں کی تعداد ۴۶ ہے اور کراچی سے سولہ خطوط لکھے گئے ہیں۔ ان خطوں میں حامد حسن قادری نے اپنی کتابوں اور مضامین کا ذکر کیا ہے۔ ''مکتوباتِ قادری'' کے دوسرے حصے میں حامد حسن قادری کے وہ رقعات شامل ہیں جو ۱۹۵۴ء سے ۱۹۶۱ء کے درمیان لکھے گئے۔ یہ خطوط قیامِ آگرہ اور کراچی کی یادگار ہیں۔

خطوں کا دوسرا مجموعہ ''خطوطِ قادری'' فرید آرٹ پریس کراچی سے ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔ اس میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۲ء تک کے خطوط شامل ہیں۔ ان میں حامد حسن قادری کے آٹھ اور نظیر صدیقی کے گیارہ خطوط ہیں۔ ان خطوں میں شعر و ادب سے متعلق دلچسپ مباحث ہیں۔ حامد حسن قادری کے جن حضرات کے ساتھ علمی اور ادبی روابط تھے، ان کا بھی ذکر ہے۔ جن میں مولوی سعادت اللہ اسرائیلی سنبھلی، مولوی حافظ سید حامد علی سنبھلی، پروفیسر فرمان فتحپوری، پروفیسر خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر خواجہ نثار فاروقی، پروفیسر سید ابوالخیر کشفی اور عندلیب شادانی کے نام قابل ذکر ہیں۔

حامد حسن قادری ایک اچھے مترجم بھی تھے۔ ان کی ترجمہ شدہ چھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ انھوں نے کلکتہ کی میکمیلن اینڈ کمپنی لمیٹڈ کی فرمائش پر رابندر ناتھ ٹیگور کی مشہور کتاب ''دی گارڈنز'' کا اردو نثر میں ''باغیاں'' کے نام سے ترجمہ کیا تھا۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ مصر کے مشہور اہل قلم ودیع البستانی نے عربی میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔

کرسچین ڈی لارسن کی کتاب ''دی سائنٹفک ٹریننگ آف چلڈرن'' کا اردو ترجمہ حامد حسن

حامد حسن قادری نے ایران کے مشہور شاعر ابوسعید ابوالخیر کی سو رباعیوں کا منظوم اردو ترجمہ ۱۹۲۹ء میں کیا تھا اور ۱۹۲۹ء میں ہی اس کے چند حصے رسالہ ''زمانہ'' شمارہ مئی میں شائع ہوئے جو ۲۸ اشعار پر مشتمل تھے۔ اس کا عنوان ''فیضانِ ابوسعید ابوالخیر'' ہے۔ اس اشاعت کے مدتوں بعد یہ رباعیاں سہ ماہی رسالہ ''اردو نامہ'' میں جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء (شمارہ ۱۹) میں دوبارہ شائع ہوئیں۔ جس کا نیا عنوان ''خزانۂ رباعیات یعنی گنج نایاب مصنفات مولانا ابوسعید ابوالخیر مع ترجمہ اردو'' ہے۔ ساٹھ سال بعد ترجمہ شدہ تمام رباعیاں مارچ ۱۹۹۰ء میں افضل شریف پرنٹرز قادری اکیڈمی کراچی سے کتابی شکل میں شائع ہوئیں۔ کتاب کے آخر میں حامد حسن قادری کا ''قطعہ تاریخ'' شامل ہے۔

حامد حسن قادری نے تہران کے مشہور رباعی گو شاعر بابا طاہر عریاں کی دس رباعیوں کا اردو ترجمہ ''رباعیات بابا طاہر عریاں'' کے عنوان سے کیا تھا۔ یہ رباعیاں پہلی بار ۱۹۳۱ء رسالہ ''زمانہ'' میں شائع ہوئی تھیں۔

حامد حسن قادری نے کچھ اور ترجمے بھی کیے۔ انھوں نے آفتاب بچی جوہر کے فارسی ''تذکرہ الواقعات'' کا اردو ترجمہ ''تذکرہ ہمایوں'' کے عنوان سے کیا تھا۔ اس میں ہمایوں بادشاہ کے حالاتِ زندگی اور اس کے کارناموں کا تفصیلی ذکر ہے۔ یہ ترجمہ پہلی بار رسالہ ''نقاد'' شمارہ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا۔

حامد حسن قادری نے ایران کے مشہور تمثیل نگار سلیمان حیئم کی فارسی کتاب ''یوسف وزلیخا'' کا بھی اردو ترجمہ کیا۔ اسی عنوان سے یہ کتاب پہلی بار ۱۹۴۷ء آگرہ اخبار برقی پریس سے شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بھارت آفسٹ پریس نئی دہلی سے ۲۰۰۴ء میں چھپا۔ یہ کتاب پانچ پردوں پر مشتمل ہے اور ہر پردے میں کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ سات مجلسیں ہیں۔ اس ترجمے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

حامد حسن قادری کا ایک اور ترجمہ قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے اسٹرلنگ نارتھ کی مشہور کتاب ABE LINCOLN LOG CABIN TO WHITE HOUSE" کا اردو ترجمہ ''ابراہام لنکن:

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

جھونپڑی سے ایوان صدر تک'' کے نام سے کیا تھا۔ یہ کتاب انجمن پریس اردو اکیڈمی کراچی سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دو سو سات صفحات اور بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے ہر باب کا الگ عنوان ہے مثلاً نینسی کا ننھا منا مہمان، بے دو دیوار سا ایک گھر بنایا چاہیے، دوسری ماں، ابتدائی تعلیم، سی سی پی میں کشتی رانی، الی نوائے کی سرحد، نیو سلیم اور بلیک ہاک کی جنگ، ہرفن مولا، اس پرنگ فیلڈ کے ابتدائی ایام، سیاست داں اور وکیل، گھر کی پھوٹ اور الوداع وغیرہ۔ اس کتاب میں ابراہام لنکن کے حالات زندگی، کردار، اعمال اور افکار کا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ پوری کتاب ابراہام لنکن کی چلتی پھرتی سوانح معلوم ہوتی ہے۔

حامد حسن قادری نے سعید نفیسی کے مشہور خاکوں، ڈراموں اور افسانوں کا بھی اردو ترجمہ کیا۔ ان کے یہ ترجمے ''ایرانی افسانے'' کے نام سے آگرہ اخبار برقی پریس سے ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئے۔ اس کتاب میں شامل تحریریں ۱۹۴۳ء سے ۱۹۴۴ء کے درمیان کی ہیں۔ ان میں سے کئی ترجمے رسالہ ''آج کل'' میں شائع ہو چکے تھے۔

سعید نفیسی کا شمار ایران کے مشہور تمثیل نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ادیب، شاعر، مترجم، ناول نگار، افسانہ، نگار اور ڈرامہ نگار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ حامد حسن قادری کے ان ترجموں نے ہمیں ایران کے ایک صاحبِ طرز انشا پرداز کے اسلوب نثر سے استفادہ کا موقع دیا۔

اس باب میں حامد حسن قادری کی بعض دوسری تحریروں اور مضامین پر بھی تحقیقی اور تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔

مختلف ابواب کے تحت پیش کیے گئے اس مطالعہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حامد حسن قادری کی علمی و ادبی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ وہ اردو کے استاد، سچے خادم اور قلم کار تھے۔ انھوں نے تاریخِ ادب اردو پر عمدہ کام کیا اور اپنی تنقیدی کتابوں کے ذریعے شعر و ادب کی پرکھ کا فریضہ بھی انجام دیا۔ انھوں نے خود بھی شاعری کی اور شعری مباحث پر اظہار خیال بھی کیا۔ وہ ایک اچھے مترجم بھی تھے۔ ان کا تحریری سرمایہ نہایت وسیع ہے اور قابل قدر بھی۔ ان کی کتابوں نے طلبا کی ذہن سازی کی ہے اور ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کی مشہور کتاب ''داستانِ تاریخ اردو'' آج بھی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ بلاشبہ وہ اردو کے ایک اہم قلم کار اور قابلِ ذکر مورخِ ادب ہیں۔

☆

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

کتابیات

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

آزاد، محمد حسین: آب حیات، اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ ۱۹۶۳ء

آغا محمد باقر: تاریخ نظم ونثر اردو، رام آرٹ پریس، امرت سر ۱۹۳۳ء

آل احمد سرور: تنقیدی اشارے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۴۲ء

ابوالکلام قاسمی: مشرقی شعریات اور آردو تنقید، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۲ء

ابو محمد سحر: مطالعہ امیر، نسیم بک ڈپو، لکھنؤ ۱۹۶۵ء

ابواللیث صدیقی: لکھنؤ کا دبستانِ شاعری، اعلیٰ پرنٹنگ پریس، نئی دہلی ۱۹۷۸ء

احسن مارہروی: تاریخ نثر اردو نمونہ منثورات، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ ۱۹۳۰ء

اسلم فرخی: محمد حسین آزاد اور تصانیف حصہ دوم، انجمن اردو کراچی پاکستان ۱۹۶۵ء

انور سدید: اردو ادب میں سفرنامہ، اردو اکیڈمی مغربی پاکستان، لاہور ۱۹۸۷ء

تحسین فرخی: عجائبات فرنگ، ہمانی پرنٹرز، لاہور ۱۹۸۶ء

جمیل جالبی: تاریخِ ادبِ اردو، جلد اوّل، ایجوکیشنل بک ہاؤس، نئی دہلی ۲۰۰۲ء

,, جلد اوّل، حصہ دوم ,, ,, ,,

حامد حسن قادری: ہمت کا پھل، سعید پریس، کانپور ۱۹۲۰ء

گدڑی کا لال، سعید پریس، کانپور ۱۹۲۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

الکحل اور زندگی، سعید پریس، کانپور	۱۹۲۱ء
باغبان، میکمیلن اینڈ کمپنی، کلکتہ	۱۹۲۱ء
کاغذ کے کھلونے، سعید پریس، کانپور	۱۹۲۲ء
ہلال اردو، عزیز پریس، لکھنؤ	۱۹۲۴ء
جمال اردو، عزیز پریس، لکھنؤ	۱۹۲۴ء
ماہِ اردو، عزیز پریس، لکھنؤ	۱۹۲۴ء
نہالِ فارسی، الہٰ باد	۱۹۲۴
فطرتِ اطفال، مسلم یونیورسٹی پریس، علی گڑھ	۱۹۲۶ء
مرآت شعر و سخن، سرفراز پریس، لکھنؤ	۱۹۲۷ء
ترانۂ ہند، سرفراز پریس، لکھنؤ	۱۹۲۷
چمنستانِ اردو، آگرہ اخبار برقی پریس، آگرہ	۱۹۳۶ء
چمنستانِ نثر، آگرہ اخبار برقی پریس، آگرہ	۱۹۳۸ء
صید و صیاد اور دوسرے افسانے، لکشمی نرائن اگروال پبلشرز، آگرہ	۱۹۴۴ء
ایرانی افسانے، آگرہ اخبار برقی پریس، آگرہ	۱۹۴۴ء
چمنستانِ ادب، آگرہ اخبار برقی پریس، آگرہ	۱۹۴۴ء
رموزِ شکست، آگرہ اخبار برقی پریس، آگرہ	۱۹۴۴ء
ابراہام لنکن جھونپڑی سے ایوان صدر تک، اردو اکیڈمی، کراچی	۱۹۵۷ء
انتخاب دیوان مومن مع شرح و تنقید، سرفراز قومی پریس، لکھنؤ	۱۹۵۹ء
پھولوں کی ڈالی، سپر آرٹ پریس قادری اکیڈمی، کراچی	۱۹۶۸ء
تاریخ و تنقیدِ ادبیاتِ اردو، آگرہ اخبار برقی پریس، آگرہ	۱۹۶۹ء
کمال داغ مع مقدمہ و تنقید، اکیڈیمک آفسٹ پریس، کراچی	۱۹۸۵ء
نقد و نظر، اکیڈیمک آفسٹ پریس، کراچی	۱۹۸۶ء
رباعیات، قادری اکیڈمی، کراچی	۱۹۹۰ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

داستانِ تاریخِ اردو، عاکف بکڈپو، نئی دہلی	۱۹۹۵ء
گلِ صد برگ، قادری اکیڈمی، کراچی	۱۹۹۵ء
مرآتِ سخن دیوانِ غزلیات، قادری اکیڈمی، کراچی	۱۹۹۶ء
بیاض نعتیہ، الناصر پرنٹرز، کراچی،	۱۹۹۶ء
جامع التواریخ، بکس انٹرنیشنل، لندن	۱۹۹۸ء
آثار التواریخ، بکس انٹرنیشنل، لندن	۱۹۹۹ء
خطوط قادری، فریدی آرٹ پریس، کراچی	۱۹۹۹ء
مکتوباتِ قادری، نگارشات پریس، لاہور	۱۹۹۹ء
سفینۂ تواریخ، بکس انٹرنیشنل، لندن	۲۰۰۰ء
غالب کی اردو نثر اور دوسرے مضامین، ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی	۲۰۰۱ء
جج اکبر اور انتخاب اکبر الٰہ آبادی، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی	۲۰۰۲ء
خلاصۂ تاریخ، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی	۲۰۰۲ء
دفتر تواریخ، لبرٹی آرٹ پریس، دہلی	۲۰۰۲ء
مجمع الکرامات، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی	۲۰۰۲ء
مختصر تاریخِ مرثیہ گوئی مع شاہکارِ انیس، بھارت آفسٹ پریس، دہلی	۲۰۰۲ء
مضامینِ کائنات، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی	۲۰۰۲ء
میزانِ تواریخ، بھارت آفسٹ پریس، دہلی	۲۰۰۲ء
ادبی مقالات، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی	۲۰۰۳ء
سفینۂ نثر و نظم، بھارت آفسٹ پریس، دہلی	۲۰۰۳ء
The oriental Rhetorec، بھارت آفسٹ پریس، دہلی	۲۰۰۳ء
تمثیل یوسف و زلیخا، بھارت آفسٹ پریس، دہلی	۲۰۰۴ء
مثنوی نمونۂ عبرت، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی	۲۰۰۶ء
نوادرِ منتخبہ، بھارت آفسٹ پریس، کراچی	۲۰۰۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

خالد محمود: اردو سفر نامہ کا تنقیدی مطالعہ، لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی ۱۹۹۵ء

خلیق انجم: فن ترجمہ نگاری، کالج پریس، پاکستان ۱۹۶۴ء

غالب کے خطوط، جلد اول، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۲۰۰۰ء

خلیل الرحمٰن اعظمی: مضامینِ نو، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۱۹۷۷ء

خواجہ الطاف حسین حالی: حیاتِ جاوید، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۹۰ء

یادگارِ غالب، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی ۱۹۹۶ء

مقدمۂ شعر و شاعری، نامی پریس، کانپور ۲۰۰۰ء

خواجہ عبدالمجید، جامع اللغات، گنج شکر پرنٹرز ۱۹۸۷ء

رام بابو سکسینہ: تاریخِ ادب اردو، ستو ہو پریس، لکھنؤ ۱۹۶۶ء

رشید حسن خاں: (مرتّب) باغ و بہار، ثمر آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی ۱۹۹۹ء

رفیع الدین اشفاق: اردو میں نعتیہ شاعری، سلام پرنٹنگ پریس اردو اکیڈمی، کراچی ۲۰۰۲ء

سرور اکبر آبادی: حامد حسن قادری ادبی کارنامے، اردو اکیڈمی، پاکستان ۱۹۹۹ء

سلام سندیلوی: اردو رباعیات، نظامی پریس، لکھنؤ ۱۹۶۵ء

سلطان حیدر جوش: ہوائی نظامی پریس، بدایوں ۱۹۴۰ء

سلیم اختر: اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، کتابی دنیا، نئی دہلی ۲۰۰۵ء

سلیم اختر اور رشید امجد: پاکستانی ادب، حصہ نثر، اردو اکیڈمی، کراچی ۱۹۹۴ء

سمیع اللہ: فورٹ ولیم کالج ایک مطالعہ، نشاط پریس، فیض آباد ۱۹۸۹ء

سید ابوالخیر کشفی: ہمارے عہد کا ادب اور ادیب، جاوید پریس، کراچی ۱۹۷۱ء

سید سلیمان ندوی: نقوشِ سلیمانی، معارف پریس، اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء

سید عابد علی عابد: اسلوب، مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۷۱ء

سید محمد حسین: اردو میں عشقیہ شاعری۔ تصورات اور اردو روایت، نسیم بکڈپو، لکھنؤ ۱۹۷۷ء

سیدہ جعفر: کلیاتِ محمد قلی قطب شاہ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۵ء

دکنی رباعیات، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۱۹۹۸ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

شبلی نعمانی: شعر العجم، جلد اول، دار المصنفین، اعظم گڑھ ۲۰۰۴ء

موازنہ انیس و دبیر، مفید عام پریس، آگرہ ۱۹۰۷ء

شمس الرحمٰن فاروقی: (مرتب) درس بلاغت، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۱۹۹۷ء

شعر شور انگیز، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۱۹۹۷ء

شمس اللہ قادری: اردوئے قدیم، کتاب گھر، لکھنؤ ۱۹۲۷ء

شمیم احمد: اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، کوالٹی آفسٹ پریس، نئی دہلی ۱۹۸۱ء

صلاح الدین یوسف محمد جوناگڑھی: قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر،

شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ پریس، سعودی عرب ۱۴۱۸ھ

ضیاء احمد بدایونی: دیوانِ مومن مع شرح، شانتی پریس الہٰ آباد، ۱۹۶۲ء

ظہور الدین احمد: نیا ایرانی ادب مع ترجمہ و اضافہ، ضیاء احمد پرنٹرز، لاہور ۱۹۹۰ء

عابدہ بیگم: اردو نثر کا ارتقا ۱۸۰۰ء سے ۱۸۵۷ء تک، ثمر آرٹ پریس، نئی دہلی ۱۹۹۲ء

عبادت بریلوی: مقدماتِ عبدالحق، ہندوستانی پریس، نئی دہلی ۱۹۷۵ء

عبیدہ بیگم: فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات، نصرت پریس، لکھنؤ ۱۹۸۳ء

فرمان فتحپوری: میر انیس حیات اور شاعری، اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ ۱۹۸۲ء

اردو شاعری کا فنی ارتقا، عفیف پرنٹنگ، دہلی ۱۹۹۸ء

قاضی منہاج الدین: طبقاتِ ناصری، درگاہ کالج پریس، پاکستان ۱۹۶۴ء

قمر الہدیٰ فریدی، (مرتب) باغ و بہار، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۲۰۰۴ء

قمر رئیس: ترجمہ فن اور روایت، نیو پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی ۱۹۸۶ء

اصناف ادب اردو، نیو پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی ۱۹۸۵ء

کلیم الدین احمد: اردو زبان اور فنِ داستان گوئی، ادارہ فروغِ اردو، لکھنؤ ۱۹۶۵ء

دیوان جہاں، لیتھو پریس، پٹنہ ۱۹۵۹ء

گوپی چند نارنگ: بیسویں صدی میں اردو ادب، ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی ۲۰۰۲ء

ہندوستانی قصوں سے ماخوذ اردو مثنویاں،

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۱ء

گیان چند جین: اردو کی نثری داستانیں، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۰ء

اردو مثنوی شمالی ہند میں، جلد اول، جمال پرنٹنگ پریس، نئی دہلی ۱۹۹۷ء

لالہ سری رام: خم خانۂ جاوید، حصہ دوم، امپریئل بکڈپو پریس، دہلی ۱۹۱۱ء

محمد اسلم: خفتگانِ کراچی، ادارہ تحقیقاتِ پاکستان، دانش گاہِ پنجاب، لاہور ۱۹۹۱ء

محمد طاہر فاروقی: سیرتِ امیر ملت، بارسوم، قادری اکیڈمی، کراچی ۱۴۱۰ھ

محمد عبدالرحمٰن: مراۃ الشعراء، انجمن ترقیِ اردو ہند، اورنگ آباد ۱۹۴۹ء

محمد عتیق صدیقی: گلکرسٹ اور اس کا عہد، انجمن ترقیِ اردو (ہند)، علی گڑھ ۱۹۶۰ء

محمد یحییٰ تنہا: سیر المصنفین، جمال پریس، لکھنؤ ۱۹۷۶ء

محمود شیرانی: پنجاب میں اردو، اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ ۱۹۹۰ء

محی الدین قادری زور: دکنی ادب کی تاریخ، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی ۱۹۶۰ء

مرزا حامد بیگ: ترجمہ کا فن، نظری مباحث، مکتبہ اردو، کراچی ۱۹۶۰ء

مرزا خلیل احمد بیگ: اردو کی لسانی تشکیل، ایم۔کے آفسٹ، نئی دہلی ۲۰۰۰ء

مسعود حسین خاں: مقدمہ تاریخ زبان اردو، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۱۹۹۵ء

مسیح الزماں: اردو مرثیے کا ارتقا ابتدا سے انیس تک، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۰۲ء

ملک حسن اختر: تاریخِ ادب اردو، مدینہ پریس، لکھنؤ ۱۹۷۹ء

مولوی عبدالحق: اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیاء کرام کا حصہ، قدیم اردو، انجمن پریس، کراچی ۱۹۶۱ء

میر امن: گنج خوبی، ادبی پرنٹنگ پریس، بمبئی ۱۹۶۶ء

نثار احمد قریشی: ترجمہ، روایت اور فن، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۵ء

نذیر احمد: یادگار نامہ۔فخر الدین علی احمد، غالب انسٹی ٹیوٹ، ثمر آفسٹ پریس، نئی دہلی ۱۹۹۴ء

نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی ۱۹۸۵ء

نصیر حسین خاں خیال: داستانِ اردو، ادارہ اشاعت، حیدر آباد ۱۹۱۶ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University

نورالحسن نقوی: تاریخ ادب اردو، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ ۲۰۰۵ء

نورالحسن نیر: نوراللغات، اشاعت العلوم پریس، لکھنؤ ۱۹۳۱ء

نیر مسعود رضوی: رجب علی بیگ سرور: حیات اور کارنامے، الہ آباد یونیورسٹی پریس، الہ آباد، ۱۹۶۷ء

یوسف حسین خاں: یادِ یارِ مہرباں، گلستان پبلشنگ پریس، دہلی ۱۹۷۵ء

Encyclopeadia of Britainica Vol- II

Encyclopeadia of Islam Vol- 21

Dr. K. H. Qadri: Janab Hamid Hasan Qadri and the Arts of the Chronogram, Qadri Accadimy, Karanchi 1988.

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

رسائل

آج کل	سالانہ نمبر	نئی دہلی	اگست ۱۹۴۹ء
”			اکتوبر ۱۹۴۹ء
”			مارچ ۱۹۵۱ء
”			مئی ۱۹۵۱ء
”			جولائی ۱۹۵۱ء
”	خطوط نمبر		اپریل ۱۹۵۴ء
ادیب			اکتوبر ۱۹۴۱ء
”			فروری ۱۹۴۲ء
اردو			اکتوبر ۱۹۴۲ء
اردو نامہ	قادری نمبر	کراچی	جنوری تا مارچ ۱۹۶۵ء
”			جون ۱۹۶۶ء
اردو دنیا		نئی دہلی	اپریل ۲۰۰۲ء
”			مئی ۲۰۰۲ء
”			جون ۲۰۰۲ء
”			اگست ۲۰۰۲ء
”			ستمبر ۲۰۰۲ء
اسلامیہ کالج میگزین	جوبلی نمبر	اٹاوہ	۶۴-۱۹۶۳ء
تہذیب		رامپور	اپریل ۱۹۰۶ء
تہذیب نسواں		لاہور	جولائی ۱۹۰۹ء
پیام تعلیم		دہلی	جولائی ۱۹۳۹ء

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

”		دہلی	مارچ ۱۹۴۲ء
چمنستان		کانپور	جنوری ۱۹۲۶ء
زمانہ		کانپور	اکتوبر ۱۹۰۵ء
”			مئی ۱۹۰۷ء
”			اکتوبر ۱۹۱۰ء
”	جوبلی نمبر		مئی ۱۹۲۹ء
”			جولائی ۱۹۳۱ء
سعید			مارچ ۱۹۱۸ء
”			مئی ۱۹۲۴ء
شاعر		آگرہ	جنوری ۱۹۳۵ء
”	سالانہ نمبر		۱۹۵۰ء
صبح بہار		میسور	جنوری فروری ۱۹۱۰ء
”			مارچ ۱۹۱۰ء
”			جولائی ۱۹۱۰ء
عصمت			مارچ ۱۹۳۶ء
عالمگیر		لاہور	۱۹۲۶ء
”			جنوری ۱۹۳۰ء
”	خاص نمبر		۱۹۳۵ء
”	عید نمبر		۱۹۳۶ء
”	سالانہ نمبر		”
”	خاص نمبر		۱۹۳۷ء
”			نومبر ۱۹۴۵ء
علی گڑھ منتھلی	خاص نمبر		۱۹۰۶ء
”		علی گڑھ	۱۹۳۹ء

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

علی گڑھ میگزین	انتخاب نمبر		۱۹۷۱ء
”	بھوپال نمبر		مئی ۱۹۲۶ء
فروغ اردو		لکھنؤ	ستمبر ۱۹۶۶ء
فکر و نظر		علی گڑھ	۱۹۶۱ء
قومی زبان		کراچی	جون تا جولائی ۱۹۶۴ء
”			”
گلدستہ جلوہ یار		میرٹھ	جولائی ۱۹۰۸ء
”			مئی ۱۹۰۹ء
الناظر		لکھنؤ	جولائی ۱۹۲۱ء
”			جولائی ۱۹۳۴ء
”			اگست ۱۹۳۴ء
”			اکتوبر ۱۹۳۴ء
”			نومبر ۱۹۳۴ء
”			فروری ۱۹۳۷ء
”			مارچ اپریل ۱۹۳۷ء
”			جولائی تا اگست ۱۹۳۷ء
مخزن		لاہور	جولائی ۱۹۰۸ء
”			ستمبر ۱۹۰۸ء
”			اکتوبر ۱۹۰۸ء
”			اکتوبر ۱۹۱۱ء
”			فروری ۱۹۱۲ء
”			دسمبر ۱۹۳۰ء
معارف		اعظم گڑھ	مئی ۱۹۲۰ء
ماہِ نو	سیرت رسول نمبر	کراچی	اگست ۱۹۶۴

Maulana Azad Library, Aligrh Muslim University

نقاد		آگرہ	مئی ۱۹۱۳ء
,,			مئی ۱۹۱۴ء
,,			مئی ۱۹۱۴ء
,,			اگست ۱۹۱۴ء
,,			اکتوبر ۱۹۱۴ء
,,			جون ۱۹۱۷
نقوش	شخصیات نمبر	لاہور	جنوری ۱۹۵۵ء
,,	مکاتیب نمبر		جنوری ۱۹۵۷ء
,,	رسول نمبر		جنوری ۱۹۸۴ء
نگار		لکھنؤ	مئی ۱۹۲۵ء
,,			جون ۱۹۲۵ء
,,			اگست ۱۹۲۷ء
,,			جنوری ۱۹۳۷ء
نیرنگ		رامپور	اپریل ۱۹۲۵ء
,,			فروری ۱۹۲۷ء
,,	خصوصی شمارہ		جنوری ۱۹۲۸ء
,,	عید نمبر		مارچ ۱۹۳۰ء
نقد و نظر		علی گڑھ	جنوری ۱۹۶۰ء
,,			جنوی تا مارچ ۲۰۰۶ء

اخبارات

۱- روز نامہ جنگ، کراچی، جولائی ۱۹۶۵ء

۲- اخبار ہماری زبان، شمارہ ۲۳، جلد ۲، جون ۱۹۶۴ء

۳- اخبار ہماری زبان، شمارہ ۲۴، جلد ۲، ۸/ جولائی ۱۹۶۴ء

Maulana Azad Library, Aligarh Muslim University